بار دہم ۱۰۰۰ کاپیاں

۲۰۰۳ء

قیمت مکمل سیٹ ۴ جلد :-/450

فہرست

مرثیہ و رباعیات و سلام میر انیسؔ جلد سوم

من قال فینا بیتاً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ
ذریعۂ آرائش شرع سنی مومنین و وسیلۂ حصول حسنات عزاداران ائمۂ طاہرین مجموعۂ نفیس
یعنی
مراثی میر انیس مرحوم
جلد سوم
از کلام بلاغت انضمام سرآمد مرثیہ گویان نامی سخندان گرامی
میر ببر علی صاحب انیس اعلی اللہ مقامہ لکھنوی

مرثیہ ۱

جب منزلِ مقصد پہ امامِ زمن آئے
تھا شور کہ مرنے کو غریب الوطن آئے
جنگل میں عجب شان سے گل پیرہن آئے
مرجھائے ہوئے دھوپ میں نازک بدن آئے
پھولوں سے زمیں بس گئی میدانِ ستم کی
آنے لگی صحرا سے ہوا باغِ ارم کی

۲
زہرا کے گلوں سے جو بھرا دشت کا دامن
اجڑے ہوئے جنگل کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
انبار خس و خاک بنا غیرتِ گلشن
ہر نخل تھا رشکِ شجرِ وادیٔ ایمن
عکسِ رخِ شبیر کی ضو دور تلک تھی
دریا کی ہر اک لہر میں بجلی کی چمک تھی

۳
تھا فخر زمیں کو کہ خوشا بخت زہے جاہ
میں جس کی طلبگار تھی آیا وہ شہنشاہ
کہتے تھے یہ ذرے کہ تجھے روشن رکھے اللہ
تو نے ہمیں چمکا دیا اے فاطمہؑ کے ماہ
نقشِ قدمِ پاک ہے سرتاج ہمارا
ہے چرخِ چہارم پہ دماغ آج ہمارا

۴
آیا نظر اس فخرِ سلیماں کا جو دیدار
قربانِ ہوا سرو تصدق ہوئے اک بار
تسلیم کو خم ہو گئے سب دشت کے اشجار
جاروب ہوا نے کئے جنگل کے خس و خار
جھک کر باَدب پائے شہِ عرش نشیں پر
سبزے نے کیا فرش زمرد کا زمیں پر

۵
اُترا جو فرس سے وہ رہِ حق کا فدائی
سرسبزیٔ بستانِ ارم دشت نے پائی
وہ نہر وہ اشجار وہ سبزہ وہ ترائی
جنگل بھی ہوا پر تھا کہ آج اپنی بن آئی
رشک آتا تھا خورشید کو ذرے کی چمک پر
صحرا کے پہاڑوں کی بھی چوٹی تھی فلک پر

۶
آتی تھی یہ ہاتف کی ندا چرخ سے ہر بار
مدفن ترا ہوگا یہیں اے سیدِ ابرار
چھٹ جائیں گے یاں تجھ سے ترے یاور و انصار
تیغوں سے کٹے گا چمنِ احمدِ مختار
دو دن تو یہیں پیاس کی تکلیف سہے گا
یہ ہے وہ زمیں جس پہ ترا خون بہے گا

۷
تڑپیں گے یہیں تشنہ لبی سے ترے اطفال
یاں ذبح کریں گے تجھے اے فاطمہؑ کے لال
تیروں سے یہیں ہووے گا سینہ ترا غربال
گھوڑوں سے یہیں لاش تری ہووے گی پامال
رتبہ ترا میدانِ شہادت میں بڑھے گا
سر تن سے اتر کر یہیں نیزے پہ چڑھے گا

۸
دریا کے کنارے سے ہوا سرد جو آئی
خیمے کے لیے کونسی جا گر تمھیں بھائی
عباسِ دلاور سے کہا شہؑ نے کہ بھائی
کی عرض بہادر نے کہ بہتر ہے ترائی
لہراتا ہے دل یاں کی فضا خوب ہے مولا!
شیروں کو ہوا نہر کی مرغوب ہے مولا!

۹
اترے گی جو یاں فوج شہنشاہِ حجازی
پژمردہ بہت راہ کی گرمی سے ہیں غازی
سیراب رہیں گے لبِ جو اشتر و تازی
عادی ہیں کئی وقت طہارت کے نمازی
منظور نظر طاعت اللہ ہے سب کو
دریا پہ اترنے کی بڑی چاہ ہے سب کو

۱۰
شہ نے کہا اچھا یہیں خیمہ کرو برپا
ہم تشنۂ الطاف ہیں ہم فیض کے دریا
منظور نہیں اپنے ہوا خواہوں کی ایذا
مانع ہوں اگر اہل شقاوت تو کریں کیا
آرام ہمارا انھیں منظور نہیں ہے
خیمہ وہ اٹھا دیویں تو کچھ دور نہیں ہے

۱۱
تم بھی یہ خبر سن چکے ہو خضر کی زبانی
درپے ہیں کہ مٹ جائے محمدؐ کی نشانی
سب کوفی و شامی ہیں مرے دشمن جانی
دیکھو گے کہ وہ لوگ نہ دیں گے مجھے پانی
بے جرم و خطا قاتل اولادِ علیؑ ہیں
فوجیں مرا سر لینے کو شہروں سے چلی ہیں

۱۲
تھرا کے یہ کہنے لگے عباسِ دلاور
جو حق کی طرف ہیں انھیں مرنے کا نہیں ڈر
کیا منہ ہے کسی فوج کا یا سبطِ پیمبر
اس وقت سمجھ لیں گے جب آئیں گے ستمگر
دشمن ہیں سرکائیں اب اس جا سے تو جانیں
شیروں کو ہٹا دے کوئی دریا سے تو جانیں

۱۳
فرما کے یہ فراشوں کو عباسؑ پکارے
سب لوگ تھکے ماندے ہیں لشکر کے ہمارے
ہاں خیموں کو برپا کرو دریا کے کنارے
فراشوں نے بار اونٹوں سے یہ سن کے اتارے
ناگاہ نشانِ ظلم کے برپا نظر آئے
خیمہ ابھی کھلتا تھا کہ اعدا نظر آئے

۱۴
میدان سے سواروں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا
فوج آتی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا
تم کون ہو کیا کام ہے دریا پہ تمھارا
ہوگا لبِ جو شام کے لشکر کا اُتارا
گھوڑوں سے زمیں یاں کی ہلے گی کوئی دم کو
دو لاکھ سواروں کی جگہ چاہیے ہم کو

۱۵
گرمی کی جو ایذا ہو تو جنگل کی ہوا کھاؤ
اسباب کنارے کرو جالوں کو سرکاؤ
اے کوثریو نہر کے پانی پہ نہ لہراؤ
ڈر ہے کہیں گھوڑوں کی ٹاپوں میں کچل جاؤ
اک دم میں قدم یاں کہیں دھرنا نہ ملے گا
صحرا میں بھی پھر تم کو اترنا نہ ملے گا

۱۶

ہتھوانس کے تیغ و سپر اکبر یہ پکارے
کھینچیں گے جو تیغیں اسد اللہ کے پیارے
کیا بکتے ہو بیہودہ سخن منہ پہ ہمارے
خوں کا ابھی مینہ برسے گا دریا کے کنارے
لاکھ آئیں کرو لاکھ کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے دھمکانے سے ضیغم نہیں ڈرتے

۱۷

ہونے لگی اعدا میں اور اکبر میں جو تکرار
جھپٹے صفت شیر یہ کہتے ہوئے اک بار
غیظ آگیا برہم ہوئے عباس خوش اطوار
ہاں ہاں کدھر آتے ہو خبردار خبردار
دم میں نظر آئے گا نہ سر تن پہ کسی کے
شہزادے سے کچھ نہ سخن بے ادبی کے

۱۸

کیا ڈر ہمیں آئی ہے تو آئے سپہ شام
دریا سے ہٹے گا نہ محمد کا گل اندام
فوجیں ہوں کہ لشکر ہو کسی سے ہمیں کیا کام
گرمی میں ترائی کو نہیں چھوڑتے ضرغام
ملک اپنی ہے غیروں کا اجارا نہیں ہرگز
دریا یہ ہمارا ہے تمہارا نہیں ہرگز

۱۹

وہ بولے کہ بے کار ہے تقریر یہ ساری
صحرا پہ بھی دریا پہ بھی حکم اس کا ہے جاری
حاکم کا عمل ہے نہیں یاں ملک تمہاری
فرمایا بہادر نے کہ غاصب ہے وہ ناری
سب خلق ہے قبضہ میں شہنشاہ جری کے
آقا مرے مختار ہیں خشکی و تری کے

۲۰

کہتا ہوں میں دیکھو قدم آگے نہ بڑھانا
حیدر کے پسر ہیں ہمیں کیا تم نے ہے جانا
آساں نہیں شیروں کا ترائی سے ہٹانا
قبضے ابھی پکڑیں تو الٹ جائے زمانا
کر دیں ابھی یوں زیر و زبر ہفت طبق کو
جس طرح الٹ دیتے ہیں انگلی سے ورق کو

۲۱

بے تم کو ہٹائے نہیں لیویں گے دم اب تو
سر بھی جو کٹے گا تو نہ سرکیں گے ہم اب تو
گڑتا ہے لب نہر حسینی علم اب تو
شیروں نے ہمیں گاڑ دیئے ہیں قدم اب تو
دم جسم میں جب تک ہے ترائی نہ چھٹے گی
تا حشر یہ دریا کی ترائی نہ چھٹے گی

۲۲

تیغوں کو علم کرکے یہ کہنے لگے اظلم
یہ سنتے ہی بپھرا اسد اللہ کا ضیغم
دیکھیں تو بھلا آپ زبردست ہیں یا ہم
قبضے میں ہیں یا قبضۂ شمشیر شرر دم
بڑھتے ہوئے دیکھا جو سواروں کو ادھر کے
ہتھوانس لیا شیر نے گردے کو سپر کے

۲۳

گھبرا کے ادھر سے شہ والا یہ پکارے
تلوار نہ کھینچو ابھی صدقے میں تمہارے
ہاں ہاں مرے صفدر مرے عاشق مرے پیارے
راضی ہوں میں آؤ تریں وہی دریا کے کنارے
کچھ غم نہیں جلتی ہوئی ریتی پہ رہیں گے
راحت انھیں ہوئے ہمیں تکلیف سہیں گے

۲۴

آئے جو یہ فرماتے ہوئے شاہ خوش اقبال
رعشہ تن پر نور میں خورشید کے تمثال
دیکھا کہ ہے غصہ میں بہادر کا عجب حال
ابرو پہ شکن تیغ پہ کف غیظ سے رخ لال
بل کھائے ہوئے دوش پہ گیسو تو پڑے ہیں
بپھرے ہوئے جوں شیر ترائی میں کھڑے ہیں

۲۵
غصّے میں کچھ آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی
کہتے ہیں مرے سامنے لیں گے ترائی
حضرت نے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
اس وقت مناسب ہے انھیں چشم نمائی
ہیں اب انھیں بے جان سے ملنے نہ پھروں گا
بے تیغ کے گھاٹ ان کو اتارے نہ پھروں گا

۲۶
بولے یہ برادر سے پسر شہ ابرار
کیا تم جو ہٹا دیں تمھیں دریا سے ستمگار
ہے دھیان کدھر؟ کرتے ہو کن لوگوں سے گفتار
لو تھام لو غصّے کو ہمیں کرتے ہو گر پیار
اللہ سزا دے گا انھیں بے ادبی کی
لڑنا ہمیں لازم نہیں امت سے نبی کی

۲۷
بیہودہ نہیں بکتے ہیں جانے دو چلے آؤ
آوارہ وطن ہوں مری غربت پہ ترس کھاؤ
حیدر کی قسم ہے تمھیں غصّے سے نہ تھراؤ
محمل میں تڑپتی ہے سکینہؑ اسے سمجھاؤ
دو پل کے تسلی نہیں مر جائے گی زینبؑ
گھبرا کے عماری سے نکل آئے گی زینبؑ

۲۸
ناگاہ صدا دختر زہرا کی یہ آئی
عباسؑ کو سمجھا کے ادھر لائیے بھائی
بلوہ ہے مسافر پہ محمد کی دوہائی
دیتی ہے رہیں خاک میں مل جائے ترائی
کھدوائیں کنوئیں نہر اگر پاس ہووے
دریا کو لگے آگ جو عباسؑ نہ ہووے

۲۹
ہے ہے یہ وہی دشت بلا ہے یہ وہی نہر
ساحل پہ نہ اتروں گی میں کرتے ہو یہ کیا قہر
جس نہر کی شمشیر سے بدتر ہے ہر اک لہر
یہ چشمۂ شیریں ہے غریبوں کے لیے زہر
پردیس میں تکلیف گوارا کرو لوگو
اس نہر کے پانی سے کنارا کرو لوگو

۳۰
یاں آنے کی احمد کے سفینے پہ تباہی
ہر سمت سے امڈے چلے آتے ہیں سپاہی
تقدیر نے بربادیِ سادات ہے چاہی
ہے ہے نہ بچے گا پسر شیر الٰہی
روشن ہے کہ شبیر چراغ سحری ہیں
اماں مجھے اس دن کی خبر دے کے مری ہیں

۳۱
یہ کہہ کے لگی پیٹنے سر زینبؑ ناکام
سمجھانے سے حضرت کے ہٹی جب سپہ شام
ناموس محمد میں بپا ہو گیا کہرام
بھائی کو لیے ساتھ پھرے شاہ خوش انجام
ساحل پہ اتارا ہوا اور فوج لعیں کا
یاں دھوپ میں برپا ہوا خیمہ شہ دیں کا

۳۲
ڈیوڑھی پہ جو ناقوں کو بٹھایا حرم اترے
افلاک شرافت کے ستارے بہم اترے
بچے لیے ناموس امام امم اترے
کس اوج سے کس شان سے وہ ذی حشم اترے
گردوں نے رکھا فخر سے چوکھٹ پہ جبیں کو
دربانی کا عہدہ ملا جبرئیل امیں کو

۳۳
کیا خیمۂ سرور کی بلندی کروں تحریر
مہتاب تھا نقش قدم حضرت شبیر
رفعت میں دبا جاتا تھا جس سے فلک پیر
کہتی تھی زمیں اب ہے دوبالا مری توقیر
چمکا جو کلس اور بھی جلوہ نظر آیا
خورشید کی دستار پہ طرہ نظر آیا

۳۴
تاریخ دوم کا تھا محرم کے یہ مذکور
اشتر یک ادھر جمع ہوا لشکرِ مقہور
آفت میں پھنسے پھر تو شہِ بیکس و مجبور
روزِ ستم اعدا کو لڑائی ہوئی منظور
در پے ہوئے سب قتل امامِ ازلی کے
دسویں کو گلے کٹنے لگے آلِ نبی کے

۳۵
قاسمؑ کو ابھی رو نہ چکے تھے شہِ ابرار
دریا پہ چلے تھے کہ پکارے کئی خونخوار
جو قتل ہوئے نہر پہ عباسِ علمدار
مارا گیا اکبرؑ شہِ مظلوم کا دلدار
کہہ دو یہ خبر فاطمہؑ زہرا کے پسر سے
برچھی کو نکالیں علیؑ اکبر کے جگر سے

۳۶
جس دم یہ سنا قتل ہوئے اکبرؑ ذیجاہ
نے روئے نہ ماتم کیا بیٹے کا نہ کی آہ
ہاتھوں سے جگر تھام کے تھرانے لگے شاہ
منہ سے یہی نکلا کہ توکلت علی اللہ
کچھ فرق نہ آیا سرِ مو صبر و رضا میں
اصغر کو بھی قربان کیا راہِ خدا میں

۳۷
جب تین پہر میں وہ چمن ہو گیا پامال
کھینچے ہوئے تیغیں بڑھے آتے تھے بد افعال
تنہا ہوئے بس پھر تو شہنشاہ خوش اقبال
تھا منتظرِ حکمِ خدا فاطمہؑ کا لال
مانندِ علیؑ غیظ میں جب آتے تھے مولا
قبضے کی طرف دیکھ کے رہ جاتے تھے مولا

مطلع دوم
۳۸
جب رن میں مرقعہ ہوا ابتر شہِ دیں کا
باقی تھا نہ عباسؑ نہ اکبرؑ شہِ دیں کا
دنیا سے سفر کر گیا لشکر شہِ دیں کا
تھا شور کہ غربت میں لٹا گھر شہِ دیں کا
کھائے تبرِ ظلم ہر اک سروِ رواں نے
کیا تازہ چمن تھا جسے لوٹا ہے خزاں نے

۳۹
ہاں اب ہمہ تن چشم ہوں سب عاشقِ شبیر
میداں میں اوجالا ہے جبیں پر ہے یہ تنویر
دکھلاتا ہوں سبطِ شہِ لولاک کی تصویر
خاموش ہے غیرت سے چراغِ فلکِ پیر
سجدے کے نشاں کی بھی چمک سب پہ جلی ہے
یہ اخترِ اقبال حسینؑ ابنِ علی ہے

۴۰
گردوں کو ہلاتا ہے جلالِ شہِ عالی
گیسوئے رخِ روشن پہ نہیں حسن سے خالی
ابروئے دشمن ہیں دو شمشیر ہلالی
خورشیدِ درخشاں پہ گھٹا چھائی ہے کالی
رخ آیۂ رحمت ہے تو زلف ابرِ کرم ہے
دیکھو سحرِ عید و شبِ قدر بہم ہے

۴۱
کس حسن سے تابندہ ہے گیسو کا ہر اک تار
خوشبوئے مشکی ہے سرِ پاک پہ دستار
ہے سنبلِ پیچاں انھیں حلقوں میں گرفتار
بیجا نہیں پیچیدگی گیسوئے خمدار
ہے خاطرِ سرور جو پریشاں کئی شب سے
کاکل بھی ہے بل کھائے ہوئے جوشِ غضب سے

۴۲
آنکھوں سے ہر اک پل ہے یہ پلکوں کا اشارا
ہے ابنِ علیؑ فاطمہؑ کی آنکھوں کا تارا
ہم بھی پئے خونریزیِ مردم ہیں صف آرا
کی جس نے ادھر اک نظر بد اسے مارا
وار اپنے برابر سوئے بے پیر چلیں گے
آنکھ اس کی نہ جھپکے گی جو سو تیر چلیں گے

۴۳
عارض ہیں عجب گل کہ ہیں بلبل ملک و حور
سن پائے اگر جلوۂ رخسار کا مذکور
موسیٰ کو غش آجائے جو دیکھے کبھی یہ نور
مستور رہو پردے میں تجلّی سر طور
مہتاب تو تشبیہ کے قابل بھی نہیں ہے
خورشید کف پا کے مقابل بھی نہیں ہے

۴۴
ہے چہرۂ پرنور پہ بینی کی عجب شان
دم دیتے ہیں وہ اس پہ جو ہیں صاحب ایمان
قرآں ہے رخ اور یہ الف اول قرآن
اس بینی نازک پہ اور آنکھوں پہ کرو دھیان
چھانے ہیں چمن تب گل مضموں یہ ملے ہیں
اک شاخ پہ بادام کی دو پھول کھلے ہیں

۴۵
رشک لب عیسیٰ ہیں یہ اعجاز نما لب
کھلتے تھے اسی لب سے رسول دوسرا لب
مردے ابھی جی جاویں ہلادیں جو ذرا لب
اس لب کے پیے ساغر کوثر ہیں بالب
گو پیاسے ہیں پر پانی کی پرواہ انھیں کب ہے
تسبیح ہے تہلیل ہے اور شکر خدا ہے

۴۶
ہے مخزن اسرار الٰہی دہن پاک
دانتوں کی صفائی سے خجل انجم افلاک
دیتے تھے اسی منہ میں زباں سید لولاک
انجام پہ ان دانتوں کے ہوتا ہے جگر چاک
خالق نے سنوارا انھیں خود دست کرم سے
ٹوٹی وہ لڑی موتیوں کی سنگ ستم سے

۴۷
حقا کہ زباں دان پیمبر یہ زباں ہے
دریائے فصاحت کی شناور یہ زباں ہے
قرآں کی طرح پاک و مطہر یہ زباں ہے
کوثر ہے دہن ماہی کوثر یہ زباں ہے
جز کلمۂ حق اور کلاموں سے بری ہے
شیریں سخنی ہر رگ و ریشہ میں بھری ہے

۴۸
رنگت گل عارض میں ہے جنت کے چمن کی
لالے کا جگر داغ ہے سرخی سے دہن کی
خال رخ روشن میں ہے بو مشک ختن کی
فردوس میں جاتی ہے مہک سیب ذقن کی
آسیب نظر سے اسے کیا خوف و خطر ہے
یہ نخل گلستان محمد کا ثمر ہے

۴۹
چہرے پہ عجب حسن سے ہے ریش مخضب
لیکن ہے شب و روز ہیں یہ جلوہ گری کب
کیا قدرت حق ہے کہ ادھر دن تو ادھر شب
کعبے میں ہے خورشید شرف غور کریں سب
دو آئینے ظلمت سے ہم آغوش ہوئے ہیں
رخسار غم شہ میں سیہ پوش ہوئے ہیں

۵۰
کانوں کی ثنا سننے کو سب ہوں ہمہ تن گوش
رکھتے ہیں عجب حسن کے سلطان زمن گوش
کھولے ہوئے ہیں شوق میں گلہائے چمن گوش
فرمان الٰہی کے جو کرتے ہیں سخن گوش
یہ کان ہیں وہ جو شرف کون و مکاں ہیں
اسرار حق ان کانوں کے پردے میں نہاں ہیں

۵۱
سردار بدن ہے شہ جمہور کی گردن
اس حسن کی ہوگی نہ کسی حور کی گردن
جھک جاتی ہے یاں تیغ سر طور کی گردن
گویا وہ صراحی سا گلا نور کی گردن
بچپن میں مگر جسے چوما تھا نبی نے
تلوار سے کاٹا اسی گردن کو شقی نے

۵۲

سینہ ہے وہ کعبہ کہ مکاں جس میں ہے رب کا
سب جانتے ہیں حکم ہے قرآں کے ادب کا
کیا منہ ہے مقابل ہو جو آئینہ حلب کا
سر ہاتھوں سے پیٹو کہ یہ نکتہ ہے غضب کا
آنکھوں سے لگایا تھا جسے روح امیں نے
زانو اُسی مصحف پہ دھرا شمرِ لعیں نے

۵۳

شانے کی ہے ضو چودھویں کے چاند سے دہ چند
ہے دست بہ قبضہ جو یداللہ کا فرزند
ہاتھ ایسے کشادہ جو سخاوت کے ہیں پابند
تھراتے ہیں دہشت سے جوانانِ تنومند
تیغوں کو نیاموں سے نکالا نہیں جاتا
بھالا کسی ظالم سے سنبھالا نہیں جاتا

۵۴

نعرہ تھا کہ اے لشکرِ شام و عرب و روم
کھانے سے بھی محروم ہوں پانی سے بھی محروم
تم لاکھوں ہو اور بیکس و تنہا ہے یہ مظلوم
پر ابنِ علی ہوں یہ تمھیں خوب ہے معلوم
تلوار علم کر کے جو لشکر پہ جھکوں گا
جبریل بھی روکیں گے تو پھر میں نہ رکوں گا

۵۵

بے غیرتی ہیں کہ کنارا کرو شر سے
پانی دو کہ پیاسا ہوں میں جو جیں پھر سے
اب ہاتھ اٹھاؤ اسدِ حق کے پسر سے
للہ مزاحم نہ ہو اس تشنہ جگر سے
بیکس ہوں سوئے دشت و جبل جانے دو مجھکو
لینے میں حرم لے کے نکل جانے دو مجھکو

۵۶

تلواروں کو چمکا کے ستمگر یہ پکارے
ہم کیا کریں مرتے ہو اگر پیاس کے مارے
دشوار ہے جانا کہیں قابو سے ہمارے
یہ خشک گلا کاٹیں گے دریا کے کنارے
زہرا کی بہو ظلم اسیری کے سہے گی
زینب کے سرِ پاک پہ چادر نہ رہے گی

۵۷

کی بے ادبوں نے جو باعلان یہ تقریر
کس قہر سے دیکھا طرفِ لشکرِ بے پیر
سر تا بقدم کانپ گئے حضرتِ شبیر
بل آ گیا ابرو پہ اگلنے لگی شمشیر
غیرت سے یہ تھا غیظ شجاعِ ازلی کو
جس طرح جلال آیا تھا خیبر میں علی کو

۵۸

نعرہ کیا غازی نے کہ اے لشکرِ اظلم
وہ زخم لگا دل پہ کہ جس کا نہیں مرہم
ظلم یہ نہ تھا خنجرِ خونریز سے کچھ کم
چھینو گے ردا اُس کی جو ہے ثانیِ مریم
منہ پر مرے کرتے ہو سخن بے ادبی کے
مجبور سمجھتے ہو نواسے کو نبی کے

۵۹

ہے شرط کہ اس تیز زبانی کی سزا دوں
انداز قیامت کے تلاطم کو دکھا دوں
دوزخ کے زبانے سے زبانوں کو جلا دوں
گیتی کو الٹ دوں ابھی گردوں کو ہلا دوں
بجلی وہ گرے گی کہ بہت یاد کرو گے
جلجاؤ گے زینب پہ جو بیداد کرو گے

۶۰

کہہ کر یہ غضب کھینچ لی شمشیرِ شرر افشاں
ہر صف پہ گری کوند کے برقِ شرر افشاں
پرتو سے ہوا سب ورقِ خاک زر افشاں
چھینٹوں سے ہوئی خون کی ہر اک سپر افشاں
قرباں ہوئے خونخوار دمِ تیغِ دو دم پر
ہر جسم نے سر رکھ دیا حضرت کے قدم پر

۶۱
جس صف پہ چمک کر گری گھمسان کر آئی
لشکر کے زرہ پوشوں کو بے جان کر آئی
جمعیت اعدا کو پریشان کر آئی
چار آئینہ والوں کو بھی حیران کر آئی
نکلی وہ اجل بن کے جو شمشیر کی صورت
ایک ایک کا منہ تکتا تھا تصویر کی صورت

۶۲
ناگن سی گئی فوج کو رسار کر آئی
ساحر کو فنا مست کو ہشیار کر آئی
جو جو تھے لب نہر انھیں فی النار کر آئی
جس موذی نے لی بل کی اُسے مار کر آئی
سرسبز تھی لاکھوں میں یہ اقبال تھا اُسکا
تھا جسم کبود اور زرہ بن لال تھا اُسکا

۶۳
نوکوں سے ہر اک چشم کو بے نور کر آئی
گرمائے جو کافر انھیں کافور کر آئی
شعلوں سے ہر ایک جسم کو تنور کر آئی
نزدیک گئی جسم کے سر دور کر آئی
چلتی تھی سموم غضب اُس فوج شقی پر
لب آئی گئی کب نہ یہ کھلتا تھا کسی پر

۶۴
جو بڑھتا تھا شمشیر بکف فوج کے دل سے
سر بر کوئی ہوتا تھا نہ اس برق اجل سے
شانے کو قلم کر کے نکلتی تھی بغل سے
غل تھا کہ عجب پھول کھلے تیغ کے پھل سے
زخموں سے یہ تھا رنگ لعینوں کے بدن کا
ہوتا تھا گماں ہر شجر قد پہ چمن کا

۶۵
گرتی تھی پیاپے جو لعینوں پہ وہ شمشیر
دہشت سے کمانیں تھیں خمیدہ صفت پیر
نیزے نہ اٹھاتے تھے سر اپنا کسی تدبیر
پردار تھے ہر چند پہ اُڑ سکتے نہ تھے تیر
روپوش جو ڈھالیں عقب دوش ہوئی تھیں
تلواریں بھی جوہر سے زرہ پوش ہوئی تھیں

۶۶
ڈھالوں پہ سواروں کی وہ صمصام نہ ٹھہری
زیر زرہ جسم بد انجام نہ ٹھہری
بجلی سی میان سپہ شام نہ ٹھہری
اللہ ری روانی کہ تہ دام نہ ٹھہری
دریا کو بھی اس طرح کا چالاک دیکھا
ایسا کسی مچھلی کو بھی تیراک نہ دیکھا

۶۷
کاٹی کبھی ڈھال اور کبھی شمشیر کو کاٹا
پھر کر کبھی نیزے کو کبھی تیر کو کاٹا
گہ خود سر ظالم بے پیر کو کاٹا
چلہ کبھی کاٹا کبھی زہ گیر کو کاٹا
اڑنے سے خطا کاروں کے جی چھوٹ گئے تھے
فولاد سی کمانوں کے بھی دل ٹوٹ گئے تھے

۶۸
چلّوں میں جو ناوک کوئی صف جوڑ کے نکلی
سارے قدر اندازوں کے منہ موڑ کے نکلی
فقرے یہ قیامت کے اُدھر چھوڑ کے نکلی
سر کاٹ کے خوں چاٹ کے دل توڑ کے نکلی
سہم جو خطا میں ہوئیں ناوک فگنوں سے
ردیں بھی ہوا ہو گئیں چلّے کے تنوں سے

۶۹
شہباز بھی نظروں میں جنھیں تول کے آئی
کُل ہونے لگا رنج میں جس غول کے آئی
اک دم میں وہیں ظالموں کو رول کے آئی
لو مرگ مفاجات دہن کھول کے آئی
خونریزی کفار کا عہدہ ہے اسی کو
بے ذبح کیے اب یہ نہ چھوڑے گی کسی کو

۷۰

قبضہ یہ نہیں تاجِ سرِ فتح و ظفر ہے
ناریوں کا نشان جادۂ صحرائے سقر ہے
مشکل ہے پناہ اِس سے کہ یہ موت کا گھر ہے
بے بحر بھی چکّر میں عجب طرح کا ڈر ہے
پیتے ہیں لہو دل کا وہ چھٹے ہیں بلا کے
جوہر نہیں یہ حرف ہیں سیفی کی دُعا کے

۷۱

لشکر میں جدھر جاتی تھی بجلی سی چمک کر
گرتی تھی پلک کر تو پھر اٹھتی تھی چمک کر
پس جاتے تھے مرجاتے تھے نامرد دھمک کر
کیا آفت دوران تھی کہ تھا چرخ کو چکّر
تھا شور کہ سر کے رہو بازو اس کی بُری ہے
کٹتے ہیں جگر چال ہے یا تیز چھری ہے

۷۲

یہ ضرب شکن سے اٹھائی نہیں جاتی
جب سے یہ بلا جان پہ آئی نہیں جاتی
رستم سے بھی چوٹ اس کی بچائی نہیں جاتی
خوں پی گئی اور منہ کی صفائی نہیں جاتی
کاٹا ہے رسالوں کو فلک زیر و زبر ہیں
حیوانوں کو کھا جاتی ہے یہ ہم تو بشر ہیں

۷۳

ڈالا تھا عجب تہلکہ بجلی کی چمک نے
روکے تھے ادھر تیغ فلک پیر فلک نے
ڈھانپا تھا بدن ڈر کے پھل تہ میں سمک نے
کرسی کو سنبھالا تھا اُدھر فوج ملک نے
غل تھا کہ نہ یہ صاعقہ روکے سے رکے گا
اب صورِ سرافیل کوئی دم میں پھنکے گا

۷۴

چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ
ہر زخم کا جدا رنگ تھا کس بن کا جدا رنگ
ہر ہاتھ میں دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ
لب سرخ دہن صاف بدن گول ہرا رنگ
تھا شور کہ جل بھر میں نئی جلوہ گری ہے
دیوانو لڑا ہے تیغ نہ سمجھو یہ پری ہے

۷۵

ہر طائرِ جاں کے لیے صیاد ہے یہ تیغ
سفاکی میں بجلی کی بھی استاد ہے یہ تیغ
لاکھوں کو کیا ذبح وہ جلاد ہے یہ تیغ
گردوں کو جلا دے وہ پری زاد ہے یہ تیغ
مطلق نہیں فرق اس میں کچھ اور برقِ اجل میں
برسوں سے یہ رہتی ہے سلیماں کی بغل میں

۷۶

جس غول میں وہ تیغ دو دھاری نظر آئی
آتش میں صفِ لشکرِ ناری نظر آئی
اک جدولِ خوں خاک پہ جاری نظر آئی
حلقوں میں قیامت کئی باری نظر آئی
وہ برق اڑاتی تھی جو ہر دم شرر اپنے
جبریل پسِ پشت چھپاتے تھے پر اپنے

۷۷

ہوتے تھے جدا ضربتِ شمشیر دو سر سے
دستانے کلائی سے کمر بند کمر سے
سر دوش سے تن روح سے چار آئینے بر سے
ہاتھوں سے نشان تیغ سے پھل پھول سپر سے
آگ آب میں تھی دم تنِ خاکی سے ہوا تھے
تھا کاٹ غضب کا کہ عناصر بھی جدا تھے

۷۸

تلوار نے میدان سے جب اس فوج کو ٹالا
خوں پونچھنے کو تیغ پہ دامن جو ہیں ڈالا
گھوڑے کی عناں روک کے ٹھہرے شہِ والا
عزت ہوئی شمشیرِ دو پیکر کی دوبالا
توقیر ملی فیضِ امامِ ازلی سے
خلعت ملا سرکارِ حسینؑ ابن علیؑ سے

۷۹

گویا ہوئی تیغِ دو زبانِ اسد اللہ
فرمایا کہ اے ہمدمِ ابنِ شہِ ذی جاہ
روکا ہے مجھے کیوں آپ نے کیا قصد ہے یا شاہ
زخمی ہو جگر جس کا وہ کیا خاک لڑے آہ
اس دم ہے تعلق سبطِ رسولِ عربی کو
مدت ہوا دیکھا نہیں ہم شکلِ نبی کو

۸۰

یوں روتا ہے برچھی سی کلیجے میں گڑی ہے
بے دفن ہے فرزند ندامت یہ بڑی ہے
ایک ایک گھڑی ہم پہ قیامت کی گھڑی ہے
ہم جیتے ہیں اور دھوپ میں لاش اس کی پڑی ہے
جنت میں کہا ہوگا یہ سلطانِ زمن سے
ماں باپ نے محروم رکھا گور و کفن سے

۸۱

غم ہے کہ اسی وقت ہمیں موت نہ آئی
منصف ہے کوئی کس کو دکھاؤں یہ لڑائی
وہ مر گئے اور ہم نے بڑی دیر لگائی
جیتا نہیں جانِ دل و دلدار مرا بھائی
ٹوٹی ہے کمر آہ نکلتی ہے جگر سے
سیدھا ہوا جاتا نہیں زہرا کے پسر سے

۸۲

اور اس کے سوا پیاس کی شدت نے ہے مارا
اس دکھ میں کیا تاب و تواں نے بھی کنارا
دو دن کے ہیں فاقے سے ید اللہ کا پیارا
طاقت بھی نہ ہو جب تو کہاں جنگ کا یارا
حسرت ہے کہ کٹ جائے گلا تیغِ جفا سے
اتنا بھی لڑا میں تو فقط حکمِ خدا سے

۸۳

اے تیغ قریب آیا ہے اب عصر کا ہنگام
سجدے میں جو ہوں ذبح تو آئے مجھے آرام
چھوڑے گا نماز اپنی نہ یہ بیکس و ناکام
دل میں ہو یہی ذکر زباں پر ہو یہی نام
تکبیر کی سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صدا ہو
رگ رگ سے مرے کلمۂ توحید ادا ہو

۸۴

تیغِ دو زباں سے یہ ابھی کہتے تھے شبیر
شہ نے کہا حاضر ہوں میں اے لشکرِ بے پیر
جو ہاتھ میں ہیں ٹوٹ پڑے دست بہ شمشیر
ہاں شوق سے مارو مجھے تیغ و تبر و تیر
یہ تین شب و روز کا پیاسا نہ لڑے گا
اب تم سے محمد کا نواسہ نہ لڑے گا

۸۵

یہ سنتے ہی گرد آ گئے سب برچھیوں والے
چلنے لگے سینے پہ ستمگاروں کے بھالے
تیغوں سے کٹا جسم بھی خوں کے بہے نالے
دوڑے شہِ لولاک کلیجے کو سنبھالے
کھولا پئے فریاد جو سر بنتِ نبی نے
تیغوں میں سپر کر دیا سینے کو علی نے

۸۶

کس منہ سے کہوں صبر و رضائے شہِ ابرار
فرماتے تھے زخموں کی کچھ ایذا نہیں زنہار
جاری تھے زباں پر کلمے شکر کے ہر بار
بارانِ کرم ہے مجھے تیروں کی یہ بوچھار
کیا غم انہیں زخموں کا جو مشتاقِ اجل ہیں
تلواریں نہیں نخلِ شہادت کے یہ پھل ہیں

۸۷

یارب تو غنی بندہ ہے اک بندۂ محتاج
سر نذر کو دربار میں لایا ہے غلام آج
تیری ہی عنایت سے ہوا خلق کا سرتاج
مقبول ہو ہدیہ تو ملے رتبۂ معراج
ہنگام تردد ہے مدد کیجیو مولا
یہ تحفۂ درویش نذر دیجیو مولا

۸۸

رکتا نہیں کچھ اور یہ کعبے کا مسافر
اب تنگ ہیں تری راہ میں ہوں صابر و شاکر
اک جان ہے سو قرباں ہے اک سر سو ہے حاضر
بیکس پہ کرم کیجیو تو لا دمِ آخر
سینے پہ مرے زانوئے قاتل نہ گراں ہو
خنجر کے تلے نام ترا وردِ زباں ہو

۸۹

واقف نہیں اس مرحلۂ صعب سے شبیرؑ
پیاسا ہوں کئی روز سے میں بیکس و دلگیر
تھراتا ہے سینے میں دل اے مالکِ تقدیر
ان خشک رگوں پر کہیں رک جائے نہ شمشیر
مضطر مرا ہونا خللِ اندازِ ادب ہو
ڈرتا ہوں بشریت سے جو اسدم تو غضب ہو

۹۰

بچپن میں ہوا تنگ جو کرتے کا گریباں
یا رب وہ گریباں تھا یہ ہے خنجرِ براں
آنسو نکل آئے مرے رونے لگیں اماں
گو سخت ہے مشکل پہ کرے گا تو ہی آساں
یوں خنجرِ قاتل کی چلے دھار گلے پر
منھ ملتا ہے جیسے کوئی غمخوار گلے پر

۹۱

آئی یہ ندا کان میں شاہِ شہدا کے
قدسی ہیں ثنا خواں تری تسلیم و رضا کے
رحمت تجھے اے بندۂ مقبول خدا کے
اے تاجِ شفاعت مری سرکار ہیں آکے
غمگیں نہ ہو ہم تجھ کو بہت شاد کریں گے
زیرِ دمِ خنجر تری امداد کریں گے

۹۲

اب دیر نہ کر اے پسرِ مخبرِ صادق
معشوق کو منظور ہے خوشنودیِ عاشق
جنت تری مشتاق ہے کوثر ترا شائق
دیں گے تجھے جو جو کہ ہیں رتبے ترے لائق
تو دل سے فدا کرتا ہے سر راہِ خدا میں
ہدیہ ترا مقبول ہے درگاہِ خدا میں

۹۳

رہ مطمئن اے فاطمہؑ کے نازوں کے پالے
مقبول ہیں ناجی ہیں ترے چاہنے والے
امت ہے ترے نانا کی سب تیرے حوالے
جنت کے گلستاں میں جسے چاہے بلا لے
خالق نے غضب بھی تجھے بخشا ہے کرم بھی
دوزخ بھی ترا خلد بھی کوثر بھی ارم بھی

۹۴

یہ مژدۂ جاں بخش جو ہاتف نے سنایا
کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
خوش ہو کے سخی نے سرِ تسلیم جھکایا
محتاج نے سب کچھ تری درگاہ سے پایا
بندے کو سرافراز کیا تو نے جہاں میں
رتبے وہ ملے جو کہ نہ تھے وہم و گماں میں

۹۵

کہتے تھے یہ گردن کو جھکائے شہِ والا
سر نوکِ سناں نے طرفِ پشت نکالا
ناگاہ لگا قلب پہ اک ظلم کا بھالا
گرنے لگے مولا تو فرشتوں نے سنبھالا
پہونچا یہ ادھر حکم خدا روحِ امیں کو
اٹھنے نہ کہیں تھام لے شبیر سے زمیں کو

۹۶

ملتی تھیں تنِ شہ پہ ادھر برچھیاں کاری
اک نور کو گھیرے ہوئے تھے سیکڑوں ناری
مثلِ گلِ تر خوں سے قبا سرخ تھی ساری
ہر نے پہ جھکا جاتا تھا وہ عاشقِ باری
زخموں سے ٹپکتا تھا لہو دامنِ زیں پر
دامن سے رکابوں پہ رکابوں سے زمیں پر

۹۷
تھامے تھے ملک خیمۂ گردوں کی طنابیں
چھوٹیں شہِ بیکس کے جو قدموں سے رکابیں
صدمے سے تو روتی تھیں تلواروں کی نیامیں
دوڑے حرم الٹے ہوئے چہروں کی نقابیں
تھا شور کہ ناموسِ پیمبرؐ نکل آئے
بارہ قمر اک بُرج سے باہر نکل آئے

۹۸
غل ہائے حسیناؑ کا جو برپا ہوا اک بار
مڑنا تھا کہ شانے پہ چلی ظلم کی تلوار
خیمے کو لگے دیکھنے مڑ کر شہِ ابرار
پہلو پہ تبر سر پہ لگا گرزِ گرانبار
زہراؑ کا پسر توسنِ چالاک پہ تڑپا
گر کر گہرِ تاجِ علیؑ خاک پہ تڑپا

۹۹
مقتل میں جو کوتل نظر آیا فرسِ شاہ
تو صاحبو ریتی پہ گرا فاطمہؑ کا ماہ
سر پیٹ کے چلانے لگی بنتِ ید اللہ
گھر صاحبِ معراج کا تاراج ہوا آہ
جلادوں کا نرغہ ہے امامِ ازلی پر
سب مل کے چلو لاشِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۱۰۰
آگے تو بڑھی بنتِ علیؑ چاک گریباں
بانوؑ کے اُدھر مادرِ قاسمؑ بصد افغاں
پیچھے چلی زہراؑ کی بہو باسرِ عریاں
کلثومؑ ادھر منہ پہ کیے بال پریشاں
چہرے پہ وہ بچّے سے دھرے ہاتھ سکینہؑ
ٹوپی کو اتارے ہوئے تھی ساتھ سکینہؑ

۱۰۱
سر پیٹتے ہاتھوں سے حرم رن میں جو آئے
غش تھے شہِ دیں زخمی آنکھوں کو پھرائے
دیکھی وہ قیامت کہ نہ اللہ دکھائے
بیٹھا تھا لعیں سینے کو زانو سے دبائے
صدمہ تھا عجب نزع میں شاہِ شہدا پر
ٹوٹا تھا پہاڑ آئینۂ نورِ خدا پر

۱۰۲
جب فوج کو ہاتھ اپنا بڑھاتا تھا ستمگار
زانو پہ دھرے تھے سرِ شہ احمدؐ مختار
خنجر سے لپٹ جاتی تھی زہراؑ جگر افگار
رومال سے ڈھانپے تھے گلا حیدرِ کرار
کہتے تھے نہ کر ظلم امامِ ازلی پر
یہ حلق نبیؐ کا حلقِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۱۰۳
سر پیٹ کے زینبؑ نے اُدھر سے یہ پکارا
کہہ دیجیے زندہ ہو اگر آپ کا پیارا
بابا مرے بھائی کو بچا لیجیے خدارا
آتی ہے بہن دیکھنے دیدار تمہارا
اک دم کے لیے شمرِ ستمگار جو ہٹ جائے
یہ خستہ جگر دوڑ کے چھاتی سے لپٹ جائے

۱۰۴
فرما کے یہ آگے جو بڑھی زینبِؑ دلگیر
چلا کے یہ جب رونے لگی دخترِ شبیر
تلواریں لیے راہ میں حائل ہوئے بے پیر
بابا مرا کچھ بس نہیں اب کیا کروں تدبیر
بولی ہوں یتیم اشک بہانا نہیں ملتا
نزدیک ہیں آپ اور مجھے آنا نہیں ملتا

۱۰۵
بابا کہو کیا دل پہ گزرتی ہے تمہارے
صدقے گئی جیتے ہو کہ دنیا سے سدھارے
نکلی تو نہیں منہ سے زباں پیاس کے مارے
آواز نہ دی ہم تمہیں دو بار پکارے
بولو نہیں اب غم سے جگر پھٹتا ہے میرا
حضرت نے صدا دی کہ گلا کٹتا ہے میرا

۱۰۶

رن سے یہ صدا دی جو امامِ دوسرا نے
اعدا کو لگی نیزے سے ہاتھوں سے بتانے
منہ پیٹ لیا دخترِ شاہِ شہدا نے
غل کر دیا اُس شمعِ امامت کو قضا نے
مقتل میں سکینہ کو یہ سامان نظر آیا
نیزے پہ سرِ سرورِ ذیشان نظر آیا

۱۰۷

چلائی کہ ہے ہے شہِ والا کا یہ سر ہے
ماتم کرو لوگو مرے شہدا کا یہ سر ہے
آلودۂ خوں دلبرِ زہرا کا پسر ہے
سر کھول دو اماں مرے بابا کا یہ سر ہے
میں لُٹ گئی دنیا سے سفر کر گئے بابا
ہے ہے ابھی کٹوا کے گلا مر گئے بابا

۱۰۸

ہے ہے مرے بابا کا لہو کس نے بہایا
ہے ہے مرے بچپن پہ ذرا رحم نہ کھایا
ہے ہے مجھے کس نے مرے عاشق سے چھڑایا
ہے ہے مرے سر پر سے اُٹھا باپ کا سایا
یہ خشک گلا کون سے خونخوار نے کاٹا
آئی یہ صدا شمرِ ستمگار نے کاٹا

۱۰۹

بابا نہیں بس کا تم اب جاؤ سکینہ
یاں روح پہ صدمہ ہے نہ چلاؤ سکینہ
جلاد کھڑے ہیں نہ ادھر آؤ سکینہ
ہم جلد بلا لیں گے نہ گھبراؤ سکینہ
فردوس سے لینے کو تمہیں آئیں گے بی بی
یہ ہجر کے دن جلد گذر جائیں گے بی بی

۱۱۰

سن سن کے یہ تقریرِ سرِ سیدِ ابرار
مقتل سے چلے جب تو صدا آئی پھر اک بار
سر ہاتھوں سے پیٹے حرمِ احمدِ مختار
فوج آتی ہے زینبؑ مری بیٹی سے خبردار
[illegible] مدینہ کو پہنچانا
ظالم کے ہاتھوں سے سکینہ کو بچانا

۱۱۱

یاں تو بیبیاں پیٹتی ہیں چہروں پہ ملے خاک
خاموش نہیں سب کہ جگر غم سے ہوا چاک
یاں لٹنے لگی سیدِ مظلوم کی پوشاک
تھرا گئے صدمے سے کفن میں شہِ لولاک
پھر تو دل سارے جہاں کے فوجِ شقی کو
پامال کیا لاشِ حسینؑ ابنِ علیؑ کو

رباعی

کہتے تھے جو لوگ ہیں زر پائیں گے
یہ گوہرِ مقصود لٹے گا اُس دم
اسبابِ شہِ جن و بشر پائیں گے
جب فاطمہؑ کے لال کا سر پائیں گے

رباعی

شہ کہتے تھے عاشقِ الٰہی ہوں میں
بی بی عمر کے بجھے دیکھو تو زینبؑ شبِ قتل
ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں
واللہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں

رباعی

کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ کیا کیا اُترا
جب جوش پہ آ کے تھم گئی طبعِ انیس
پر نشہ نہ الفتِ علیؑ کا اُترا
ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

مرثیہ

۱

پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
پردہ میں چھپایا رخِ روشن کو قمر نے
گردوں سے سفر فوجِ کواکب کو لگی کرنے
تاباں جو رخِ نیّرِ افلاک ہوا تھا
ذرّوں سے زر افشاں ورقِ خاک ہوا تھا

۲

اظہار ہوئی خطِ شعاعی کی جو تنویر
خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر
روئے شبِ یلدا سے سیاہی ہوئی تغیّر
والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلکِ پیر
پھیلا ہوا تھا نورِ سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلق خدا یادِ خدا میں

۳

خورشید کا وہ نور، سحر کا وہ سپیدا
اشجار پہ تھے زمزمۂ بلبلِ شیدا
شرحِ جعل الشمس ضیا تھی ہویدا
سرخی وہ شفق کی افقِ چرخ سے پیدا
لرزہ جو تنِ خسروِ خاور میں مگر تھا
سو مہرِ امامت پہ زوال آنے کا ڈر تھا

۴

چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہاں تاب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب
شبنم کی طرح سیمِ کواکب ہوئی بے آب
اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
پروانے سے رخصت تھی چراغِ سحری کی

۵

وہ سرد ہوا صبح کی وہ نور کا عالم
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم
اور زمزمے مرغانِ خوش الحاں کے وہ باہم
اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم
نالے کی جو شہنا میں صدا تھی تو بجا تھی
وہ نوبتِ قتلِ پسرِ شیرِ خدا تھی

۶

ہر شے سے عیاں تھا غمِ سبطِ شہِ لولاک
اللہ رے ماتم کہ اڑاتی تھی زمیں خاک
سر زانوئے غم پر تھے جھکائے ہوئے افلاک
دریا کا بھی موجوں سے سراسر تھا جگر چاک
آوارہ پرندے تھے مکان خالی پڑے تھے
چوپائے چراگاہ سے منہ پھیرے کھڑے تھے

۷

پہونچی جو گلستاں میں صبا خاک اڑاتی
تھی بلبلِ خوش نغمہ گلوں کو یہ سناتی
غنچوں کے دھڑکنے لگے دل شق ہوئی چھاتی
گلزارِ محمد پہ خزاں آج ہے آتی
اعدا تبر و خنجرِ کیں لے کے چلے ہیں
کٹ جائیں گے وہ نخل جو پھولے ہیں پھلے ہیں

۸

عالم میں تو آغاز ہوئی صبحِ غم انجام
آراستہ کرتا تھا ہر اک خود سرِ خود کام
ہونے لگی میداں میں صف آرا سپہِ شام
گرز و تبر و تیر و سناں خنجر و صمصام
تھے لاف زناں باندھے ہوئے تیغ و سپر کو
قتلِ شہِ مظلوم پہ کستے تھے کمر کو

۹

پیاسے تھے جو سادات کے خوں کے ستم آرا
تھا نہر تلک پیکِ نظر کا نہ گزارا
روکا تھا دمِ صبح سے دریا کا کنارا
اور گونجتا تھا گھوڑوں سے میداں وہ سارا
کھلتا تھا کہ کثرت ہوئی یہ اہلِ جفا کی
جو چھپ گئی نظروں سے زمیں دشتِ بلا کی

١٠
آگے بڑھے آتے تھے سواروں کے رسالے
آمادۂ جنگ ایک طرف برچھیوں والے
چمکاتے ہوئے تیغیں ہلاتے ہوئے بھالے
اک جو تھا در امداد کمانوں کو سنبھالے
تھے آگے بڑھے فوج کے ثابت قدموں کے
لہراتے تھے جوں موج پھریرے علموں کے

١١
کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں لاف زنی سے
ڈرتا ہے مجھے آج امامِ مدنی سے
اکبر کا جگر چھیدوں گا برچھی کی انی سے
پیاسے نہیں بچنے کے مری صف شکنی سے
برباد کروں گا اسد اللہ کے گھر کو
تلواروں سے کاٹوں گا محمد کے جگر کو

١٢
کہتا تھا کماں قبضہ میں لے کر کوئی بے پیر
کہتا تھا کوئی تیز زباں تول کے شمشیر
یہ چلّہ پہ تیر ہے اور سینۂ شبیر
ہے تیغ مری تشنۂ خونِ شہِ دلگیر
فرزندِ نبیؐ آج مرا وار سہے گا
بن بن کے لہو فاطمہؑ کا دودھ بہے گا

١٣
تھے جمع اُدھر بھی درِ مولیٰ پہ سوالی
دل صبر سے معمور شکم کینے سے خالی
ماتھوں پہ نشاں سجدے کے چہروں پہ بحالی
کیا علم تھا کیا زہد تھا کیا ہمت عالی
ہونے کو تھے فدا نام پہ فرزندِ نبیؐ کے
وہ عاشقِ صادق تھے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

١٤
باندھے ہوئے عمامے سروں پر وہ خوش اطوار
نورانی عباؤں کے تلے جنگ کے ہتھیار
تھے شاہ کے قدموں پہ فدا ہونے کو تیار
رخ غیرتِ خورشید جبیں مطلعِ انوار
فولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبرؐ کی سپر تھے

١٥
وہ عابد و زاہد تھے وہ تھے عارفِ کامل
تسبیح زباں سارے امامت کے فضائل
تھا قبلۂ ایماں کی طرف سوئے خدا دل
قرآن بھی تیغیں بھی گلوں میں تھیں حمائل
حق اُن کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

١٦
قلب اُن کے تھے آئینۂ ایماں کی طرح پاک
خوش باطن و آگاہ دل و صاحبِ ادراک
دل نور کے تن نور کے اور نور کی پوشاک
خاکِ پسرِ فاطمہؑ میں اُن کی ملی خاک
روشن ہے کہ فرزندِ نبیؐ نورِ خدا ہے
یہ خاک نہیں غازیوں کی خاکِ شفا ہے

١٧
قانع تھے مجاہد تھے شجاعِ ازلی تھے
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے
ہشیار تھے اور مستِ مے حبِّ علیؑ تھے
حقا کہ ولی تھے وہ ولی تھے وہ ولی تھے
پیدا نہ کیے لاکھ تقدیر نے ویسے
دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ویسے

١٨
جس جا پہ گرے سبطِ پیمبرؐ کا پسینہ
تیغ آئے جو سر پر تو سپر کر دیں یہ سینہ
خوں اپنا گرا دیں یہ وہاں گر ہو قرینہ
آتش میں گریں حکم جو دیں شاہِ مدینہ
تنہا شہِ مظلوم کا مدفن نہیں چھوڑا
مر کر بھی تو شبیر کا دامن نہیں چھوڑا

۱۹

ایسے نہ محمدؐ کو ملے یار موافق
یکتا یہ شجاعت میں وفاداری میں صادق
واں ایک موافق تھا تو تھے بیس منافق
ایسے کسی معشوق نے پائے نہیں عاشق
تھے زہد میں سلمان و ابوذر کے برابر
اور زور میں تھے مالکِ اشتر کے برابر

۲۰

کہتا تھا کوئی سبطِ پیمبرؐ کے تصدق
سو جاں سے ہیں سختیِ دلِ شبرؑ کے تصدق
عباسؑ کے صدقے علی اکبرؑ کے تصدق
بے شیر ہے وہ حضرتِ اصغرؑ کے تصدق
صابر انھیں کہتے ہیں یہ خاصانِ خدا ہیں
معصوم کے معصوم بھی راضی برضا ہیں

۲۱

کہتا تھا کوئی وقت پھر ایسا نہ ملے گا
ڈھونڈو گے جو دنیا میں تو کیا کیا نہ ملے گا
یہ فوج یہ میدان یہ دریا نہ ملے گا
پر فاطمہؑ کے لعل سا آقا نہ ملے گا
کیا غم ہے اگر پانی سے ناکام رہیں گے
گر آج مرے حشر تلک نام رہیں گے

۲۲

کہتا تھا کوئی دیکھو ذرا آنکھ اٹھا کر
وہ حوریں ہیں ہاتھوں میں لیے پانی کے ساغر
وہ گلشنِ جنت ہے وہ ہے چشمۂ کوثر
وہ ہیں حسنؑ سبز قبا اور وہ پیمبرؐ
زہراؑ ہیں یہ سر کھولے جو کوثر کے لبے ہیں
حیدرؑ ہیں وہ جو ہاتھ کلیجے پہ دھرے ہیں

۲۳

یوسف سے حسینانِ شہِ تشنہ حسیں ہیں
پروردۂ آغوشِ شہِ عرش نشیں ہیں
دریائے شرافت کے وہ سب درِ ثمیں ہیں
سردار ہیں ابرار ہیں اور صاحبِ دیں ہیں
دکھلائے دمِ حرب ہنر شیرِ خدا کے
جوہر تھے ہر اک تیغ میں شمشیرِ خدا کے

۲۴

ہمشکلِ محمدؐ سا جواں حسن میں نایاب
زیور کی طرح تن پہ سجے جنگ کا اسباب
خورشید کو آنکھ اس سے ملانے کی کہاں تاب
رخسارۂ انور پہ تصدق گلِ شاداب
گوندھے ہوئے گیسو رخِ زیبا پہ پڑے تھے
محبوبِ خدا جنگ پہ آمادہ کھڑے تھے

۲۵

خورشید سے چہرے پہ جو بل کھاتے تھے گیسو
آئینہ کو نظارہ کا اس رخ پہ ہو کیا رو
بجلی سی چمک جاتی تھی میدان میں ہر سو
چشمِ شہِ خاور میں بھر آتے ہیں آنسو
عارض کبھی ہوتے نہیں اس حسن و صفا کے
کیا ایک ہے دو آئینہ ہیں نورِ خدا کے

۲۶

یکتائے جہاں حضرتِ عباسؑ سا صفدر
شمشیر و غا شیرِ خدا ثانیِ جعفرؑ
تھی جس کے سراپا سے عیاں شوکتِ حیدرؑ
سقائے حرم زیبِ علم رستمِ لشکر
یوں پاس تھے ہمشکل رسولِ عربیؐ کے
جس طرح علیؑ ہوتے تھے ہمراہ نبیؐ کے

۲۷

شانے پہ عجب شان سے لشکر کا نشاں تھا
پنجے سے نشاں آیتِ رحمت کا عیاں تھا
جیسا تھا علم ویسا ہی ذی رتبہ جواں تھا
اس پر شجرِ طور کا ہر اک کو گماں تھا
پُرنور تھا پنجہ کفِ موسیٰؑ سے ضیا میں
تھی نکہتِ فردوس پھریرے کی ہوا میں

۲۸

ہتھیار سجے سیدِ مسموم کا جانی
سہرہ رخِ پُرنور پہ شادی کا نشانی
وہ آمدِ ایّامِ شباب اور وہ جوانی
وہ ٹھاٹھ تھے پہ دو روز سے پایا نہ تھا پانی
کچھ مرگِ جوانی کا نہ دُلہن کا الم تھا
بر تشنگیِ سیدِ مظلوم کا غم تھا

۲۹

کیا دبدبۂ عونؑ و محمدؑ کروں تحریر
کاندھے پہ دھرے تیغے کرتے تھے یہ تقریر
چھوٹی سی تو عمریں ہیں پہ بڑے صاحبِ توقیر
بیٹے ہیں ہو دیں گے نثارِ سرِ شبیرؑ
روکے ہیں کیا لشکرِ بے پیر کی طاقت
دکھلائیں گے ہم فاطمہؑ کے شیر کی طاقت

۳۰

تھی مسلمِ بیکس کے یتیموں کی عجب شان
فرماتے تھے جب تک کہ یہ کوفی نہ ہوں بے جان
منہ چاند سے شکلِ مہِ نو چاکِ گریبان
پھوٹیں گے دلوں کے نہ پھپھولے کسی عنوان
سر لاکھ میں شمشیر سے کاٹیں گے عمرو کا
لینا ہے ہمیں آج عوضِ خونِ پدر کا

۳۱

ڈیوڑھی پہ عزیز و رفقا میں تھی یہ تقریر
زخموں کے تلے پھر رہی تھی موت کی تصویر
تھے خیمہ میں معروفِ عبادت شہِ دلگیر
تسبیح زباں پر تھی کبھی اور کبھی تکبیر
روتے تھے حرم شکرِ خدا کرتے تھے حضرت
ہر سجدے میں امت کی دعا کرتے تھے حضرت

۳۲

نقارۂ رزمی لگے کفّار بجانے
حضرت کی بہن کے نہ رہے ہوش ٹھکانے
یاں سجدۂ آخر کیا شاہِ شہدا نے
بانوؑ لگی گھبرا کے سکینہؑ کو جگانے
سیدانیوں کی غم سے عجب شکل بنی تھی
واں طبلِ وغا بجتا تھا یاں سینہ زنی تھی

۳۳

عباسؑ نے کی عرض یہ بادیدۂ نمناک
بس اٹھے یہ سنتے ہی مصلے سے شہِ پاک
میداں میں صفیں باندھ چکا لشکرِ سفاک
زینبؑ سے کہا لاؤ بہن آخری پوشاک
کچھ اور نہیں رختِ کہن لا کے پنہا دو
مظلوم برادر کو کفن لا کے پنہا دو

۳۴

زینبؑ نے کہا ہائے یہ کیا کہتے ہو بھائی
دامن میں نہ چھوڑوں گی محمدؐ کی دُہائی
غربت میں نثار دو گے مری ماں کی کمائی
مجھ سے نہ سہا جائے گا اندوہِ جدائی
بھینا کو تہِ خاک چھپا لوگے تو جانا
خیمہ میں مری قبر بنا لوگے تو جانا

۳۵

ہوں اہلِ وطن سے تمھیں لازم ہے مرا پاس
صدقے گئی پردیس میں توڑو نہ مری آس
بھینا کی اسیری کا بھی کیا کچھ نہیں وسواس
پھر کس کی رکھوں آس ہوئی آپ سے جب یاس
نانا نہیں بابا نہیں مادر بھی نہیں ہے
میرا تو کوئی اور برادر بھی نہیں ہے

۳۶

نانا کے لیے رو چکی ہیں اے شہِ عالم
بابا کے جنازے پہ بھی پیٹی بصد غم
اماں کے لیے میں نے بچھائی صفِ ماتم
شبرؑ کی شہادت بھی مرے حق میں ہوئی سم
اب سارے بزرگوں میں فقط آپ کا دم ہے
حضرت نے بھی چھوڑا جو بہن کو تو ستم ہے

۳۷

جس خواہر دل خستہ کا ہو ایک ہی بھائی
کیوں آپ نے ڈیوڑھی پہ سواری ہے منگائی
اس طرح گوارا ہو بھلا اس کی جدائی
ہیں لٹنے نہیں دینے کی نہ زہرا کی کمائی
سر دینے کو لشکر میں نہ کفار کے جاؤ
جاتے ہو جو مرنے تو مجھے مار کے جاؤ

۳۸

حضرت نے کہا رو کے بہن میں ترے قرباں
اماں کے غم و درد و مصیبت کا کرو دھیاں
جز صبر کوئی بات مناسب نہیں اس آن
تقدیر کا لکھا نہ مٹے گا کسی عنوان
آگے ترے خنجر مری گردن پہ چلے گا
تاخیر نہ ہووے گی نہ وہ وقت ٹلے گا

۳۹

یہ رنج ہے مرا داغ نہیں تم کو گوارا
عاجز ہیں نہیں مرضی تقدیر سے چارا
اور مجھ سے زیادہ تمھیں کوئی نہیں پیارا
اس میں بھی بہن بس ہے ہمارا نہ تمھارا
بن بھائی کی ہو تو یہی مرضی خدا ہے
زینبؑ تری قسمت میں مرا داغ لکھا ہے

۴۰

بھینا یہ ہے منظور خدائے دو جہاں آج
تن خاک پہ ہووے کفن و گور کا محتاج
نیزے پہ مرے سر کو ملے رتبۂ معراج
سجادِ حزیں قید ہو گھر ہو مرا تاراج
بلوے میں ترے سر کو میسر نہ ردا ہو
تب مغفرت امت محبوبِ خدا ہو

۴۱

جس وقت مرے خون کا محضر ہوا تیار
اس نامے میں تھا درج یہ مضمون دل افگار
اور بخشش امت کا نبیؐ نے کیا اقرار
ناموس نبیؐ ہوویں گے آفت میں گرفتار
مجبور ستم عابد مغموم بھی ہو گا
عریاں سر زینبؑ و کلثومؑ بھی ہو گا

۴۲

تقریر شہ تشنہ سے زینبؑ ہوئی ناچار
پوشاک پہن شہ نے سجے جنگ کے ہتھیار
روتی گئی اور لائی لباس شہ ابرار
سر کھولے ہوئے گرد تھے سب غیرت گلزار
پکڑے ہوئے دامن کو سکینہؑ تو کھڑی تھی
بانو قدم شاہ پہ بیہوش پڑی تھی

۴۳

حضرت نے کہا قدموں سے سر اس کا اٹھا کر
دنیا میں کوئی دم کا ہے مہماں علیؑ اکبر
بس صبر کر اب صبر کر اے بانوئے مضطر
اب اپنے مسافر کو ذرا دیکھ لے دم بھر
اب خاک میں بانو ترا اقبال ملے گا
پچھتائے گی جو دنیا تو نہ یہ لال ملے گا

۴۴

تب بانو نے پیروں کے پکڑ کے کہا بعد یاس
دولت یہی ہے اور یہی امید یہی آس
حضرت سے کہا دولت دنیا تو نہیں پاس
صدقے انھیں کرنے میں ہمیں کچھ نہیں وسواس
میداں میں یہ حضرت کی بلا لے کے مریں گے
ہم نذر انھیں کرتے ہیں یہ سر نذر کریں گے

۴۵

ان سب سے کہا شاہ نے با خاطر ناشاد
کی بیبیوں نے عرض بصد نالہ و فریاد
میرے لیے ضائع نہ کرو دولت اولاد
زہراؑ کی تو بستی لٹے اور ہم رہیں آباد
یہ امر کسی طرح گوارا نہ کریں گے
ان پیاروں کو ہم آپ سے پیارا نہ کریں گے

۴۶
تب شہ نے بہن سے کہا اے خواہرِ غم خوار
یہ سب ہیں مرے ساتھ فدا ہونے کو تیار
ہر چند تجمل تو مجھے کچھ نہیں درکار
پر چاہیے اس فوج کا ہو کوئی علم دار
منظور مجھے ہے کہ اکیلا ہی مروں میں
اب جس کو کہو اس کو علم دار کروں میں

۴۷
زینبؑ نے کہا آپ امامِ دو جہاں ہیں
ہر شخص کے مختار ہیں اور مرتبہ داں ہیں
ہو جس کے مراتب ہیں وہ حضرت پہ عیاں ہیں
ان میں تو کوئی غیر نہیں سب دل و جاں ہیں
بابا کے مرقع کے ورق سب جزوِ کل ہیں
کس گل کے یہ بوٹے ہیں اسی باغ کے گل ہیں

۴۸
منگوایا علم سن کے یہ شاہِ شہدا نے
صف بستہ برابر ہوئے سب قد کے یگانے
جس طرح کے ہوں رشتۂ تسبیح میں دانے
اک ایک لگا شاہ کو شان اپنی دکھانے
امیدِ علمداری میں سب چھوٹے بڑے تھے
عباسؑ بھی نیوڑھائے ہوئے سر کو کھڑے تھے

۴۹
عباسؑ کو حضرت نے کہا پیار سے بلا کر
اور کاندھے پہ رکھا علمِ شافعِ محشر
فرمایا مبارک ہو تمھیں منصبِ جعفرؑ
اس غازی نے نیوڑھا دیا سر شہ کے قدم پر
کی عرض کہ خادم پہ یہ الطاف و کرم ہے
مولا کی غلامی کا شرف کیا مجھے کم ہے

۵۰
اس وقت ہوئی عون و محمدؑ کو عجب یاس
آنکھوں میں بھرے اشک گئے والدہ کے پاس
کی عرض علم دار ہوئے حضرتِ عباس
کوتاہیِ قسمت نے ہمیں کر دیا بے آس
لختِ جگرِ جعفرؑ طیار تو ہم تھے
اس منصبِ والا کے سزاوار تو ہم تھے

۵۱
بچا کے الگ بیٹوں کو تب زینبِؑ ناچار
کہنے لگی یہ بات مناسب نہیں زنہار
آقا کی اطاعت تمھیں لازم ہے کہ تکرار
داری ہیں امامِ دو جہاں مالک و مختار
احکامِ الٰہی میں کسے دخل کی جا ہے
شبیرؑ وہ کرتے ہیں جو مرضیِ خدا ہے

۵۲
نرغے میں ہے افواجِ ستم کے مرا بھائی
دو روز سے اک بوند نہیں پانی کی پائی
پائی نہ علمداری تو غیرت تمھیں آئی
تم پر تو مرے بھائی نے دولت ہے لٹائی
ماں کہتی ہے اس بات کا غم چاہیے تم کو
ماموں کی مصیبت کا الم چاہیے تم کو

۵۳
بس چپ رہو اس بات سے کوئی نہیں آگاہ
منصب کے ہو طالب مجھے معلوم ہوا آہ
دیکھو کہ رکھتی ہوں جو آزردہ ہوئے شاہ
تو دودھ نہ بخشوں گی نہ بخشوں گی میں واللہ
جب دوں گی دعائیں مجھے جب شاد کرو گے
خوش ہوں گی جو ماموں کی رفاقت میں مرو گے

۵۴
فرزندوں کو سمجھاتی تھی یہ زینبِؑ مضطر
جو گر پڑے مسلم کے پسر آ کے قدم پر
رو کر کہا اے سیدِ کونین کی خواہر
مظلوم ہیں ہم باپ ہمارے نہیں سر پر
خواہش ہے کہ پہلے قدمِ شاہ پہ سر دیں
کہہ دیجیے کہ لشکر کا ہراول ہمیں کر دیں

۵۵

ہے باپ کا حال آپ کو معلوم مفصّل
ہم تو یہ نہیں کہتے کہ اوروں سے ہیں افضل
وہ لشکر اسلام میں ہیں کشتۂ اوّل
ذی حق ہیں کہ ہوں فوج حسینؑ کے ہراول
اس عہدہ کی امید میں بیتاب ہیں کب سے
کر سکتے نہیں عرض مگر پاس ادب سے

۵۶

زینبؑ انھیں لے آئی حضورِ شہِ ذی جاہ
حضرت نے کہا ان کے میں مطلب سے ہوں آگاہ
شہ سے کہا کچھ عرض ہے ان دونوں کی یا شاہ
یہ عہدہ تو اک شخص کو ہے دے چکا اللہ
کھل جائیگا تم پر بھی ابھی گرچہ نہاں ہے
لشکر کا ہراول مرے اک اور جواں ہے

۵۷

بیٹوں سے بھی پیارے ہیں مجھے دونوں یہ دلبر
عہدہ یہ انھیں کے لیے کرنا ہے مقرر
باپ ان کا رفاقت میں مرے ہو گیا بے سر
پر مرضیِ معبود میں کیا دخل ہے خواہر
ہاں ایک طرح کشتۂ اول یہی ہوں گے
سب میرے عزیزوں کے ہراول یہی ہوں گے

۵۸

تب زینبِ بیکس نے کہا اے شہِ ذی جاہ
یہ مرتبہ جس کا ہے یہ توقیر ہے یہ جاہ
تم نام تو اس شخص کے مجھکو کرو آگاہ
لشکر کا کہے اپنے ہراول جسے اللہ
شہ بولے ابھی دور ہے پر دل سے قریں ہے
بیدینوں میں [illegible] پر صاحبِ دیں ہے

۵۹

مہمان مرا ہوگا اسی فوج سے آ کر
فردوس سے لینے کو اسے آئیں گے حیدر
اور کھائے گا دعوت کے عوض نیزہ و خنجر
اور روئے گی اس کے لیے زہرا مری مادر
دے تو بھی دعائیں کہ وہ دیندار ہے زینب
وہ تیرے برادر کا مددگار ہے زینب

۶۰

یہ کہہ کے چلے سرورِ دیں پڑ گیا ماتم
خیمے سے برآمد ہوئے شاہنشہِ عالم
دروازے تلک روتی گئیں بیبیاں باہم
خم ہو گئے مجرے کو رفیقانِ معظم
گردانا جو دامانِ قبا سرورِ دیں نے
گھوڑے کی رکاب آن کے لی روحِ امیں نے

۶۱

اسوار ہوئے جبکہ شہنشاہِ حجازی
کس شان سے مرنے کو جلو میں چلے غازی
رانوں تلے جوں برق تڑپنے لگا تازی
آگے تو امامِ دو جہاں پیچھے نمازی
اللہ رے اقبال و حشم فوجِ خدا کا
غل عرش پہ تھا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کا

۶۲

اس شان سے میداں میں جو پہنچے شہِ ابرار
ہر چند بہت کم تھے شہِ دیں کے مددگار
مصروفِ صف آرائی ہوا شہ کا علمدار
پر شہرۂ آفاق تھا ہر پیدل اور اسوار
طینت میں وفا رخ پہ شجاعت کے اثر تھے
گنتی میں بہتّر تھے مگر لاکھ پہ ور تھے

۶۳

فوجِ پسرِ سعد سے ناگاہ چلے تیر
یہ دیکھ کے رنگِ رخِ حُر ہو گیا تغییر
اسلام کے لشکر میں ہوا نعرۂ تکبیر
دل سے کہا بتلا کہ میں اب کیا کروں تدبیر
بے جرم و خطا ابنِ شہنشاہ تلف ہے
واللہ کہ حق سبطِ پیمبر کی طرف ہے

۶۴
کھینچوں گا اگر فاطمہؑ کے لال پہ تلوار
سر پیٹ کے رو دے گی جو زہراؑ جگر افگار
صورت سے مری شیرِ خدا ہوویں گے بیزار
نفریں کریں گے مجھے تب احمدِ مختار
بیکس ہے مسافر ہے گرفتار بلا ہے
سید کے ستانے میں بھلا فائدہ کیا ہے

۶۵
دو دن سے نبی زادوں نے پانی نہیں پایا
محسن ہے مرا وہ اسد اللہ کا جایا
تقصیر ہے میری کہ جنہیں گھیر کے لایا
کس پیاس میں لشکر کو مرے پانی پلایا
احسان کا عوض یہ ہے کہ احسان کریں گے
اک سر ہے تو شبیرؑ پہ قربان کریں گے

۶۶
دل نے کہا حقا کہ تری راست ہے تقریر
اے حرؑ تو اگر آج ہوا فدیۂ شبیرؑ
پھر فاطمہؑ کے لال کی اصلا نہیں تقصیر
دنیا میں بھی توقیر ہے عقبیٰ میں بھی توقیر
تاخیر نہ کر اب عملِ خیر میں چل چل
جنت کا وہ رستہ ہے جہنم سے نکل چل

۶۷
غازی کو تو بس آئی دلِ آگاہ کی گفتار
پھیر گیا اسپِ فلک سیر کو اک بار
نعرہ کیا مردانہ کہ یا حیدرِ کرار
نکلا صفتِ برق صفیں چیر کے رہوار
ہاتف کی صدا آئی کہ فردوس قریں ہے
دو لاکھ میں یہ ایک جواں صاحبِ دیں ہے

۶۸
پہونچا حرِ دیں دار جو مابینِ دو لشکر
بیٹے سے کہا باندھ مرے ہاتھوں کو کس کر
گھوڑے سے پیادہ ہوا اس دم وہ دلاور
مجرم ہوں میں ہے عقدہ کشا سبطِ پیمبرؐ
رونا نہیں ہاتھوں سے یہ میری ہی خطا ہے
ان ہاتھوں کو تلواروں سے کاٹوں تو بجا ہے

۶۹
اللہ رے لطف و کرمِ سیدِ والا
عباسؑ سے فرمانے لگے دلبرِ زہراؑ
مہمان کو جو میں آتے ہوئے دور سے دیکھا
اے بھائی ہے مہمان مرا دھوپ میں آتا
عزت سے یہاں حرِ وفادار کو لاؤ
سائے میں علم کے مرے غمخوار کو لاؤ

۷۰
یہ سن کے بڑھے حضرت عباسؑ علمدار
اکبرؑ نے کہا آپ چلیں گھوڑے پہ اسوار
خود بھی چلے لینے اسے پیدل شہِ ابرار
فرمایا کہ پیارے یہ مناسب نہیں زنہار
زہراؑ مری مادر ہے بہادر کے جلو میں
پیدل چلے آتے ہیں علیؑ حر کے جلو میں

۷۱
اتنے میں قریب آ کے پکارا وہ وفادار
حاضر ہے یہ گمراہ یہ حاضر ہے سیہ کار
صدقے ترے الطاف کے اے سیدِ ابرار
تقصیر مری بخش دے اے کل کے مددگار
تو فیض کا دریا ہے سخی ابنِ سخی ہے
میں نے ترے دامن میں پناہ آن کے لی ہے

۷۲
نادم ہوں میں تقصیر ہوئی اے شہِ ذی جاہ
برگشتگیٔ بخت نے تھا کر دیا گمراہ
للہ مرے جرم کو اب بخشیے شاہ
لاعلم تھا مولا مجھے کچھ علم نہ تھا آہ
کیا جانتا تھا آپ مصیبت میں پڑیں گے
یہ لوگ محمدؐ کے نواسے سے لڑیں گے

۷۳

میں لائق تعزیر ہوں جو چاہیے سزا دو
راضی ہوں میں آقا مجھے آتش میں جلا دو
حاضر ہے یہ سر مجھکو تہِ تیغ بٹھا دو
سولی کہ آفت سے جہنم کی بچا دو
بخشش کا مرے اب کوئی اسباب نہیں ہے
دوزخ میں تو جلنے کی مجھے تاب نہیں ہے

۷۴

حر نے جو بصد عجز یہ تقریر سنائی
ہاتھ اس کے کھولے تو ندا چرخ سے آئی
شہ کہتے ہوئے دوڑے یہ کیا کہتے ہو بھائی
ہر بندہ نوازی ہے یہ ہے عقدہ کشائی
کیا اہل مروت پسر شاہ نجف ہے
ایسے کی غلامی تو دو عالم کا شرف ہے

۷۵

جب ہاتھ کھلے رکھ دیا سر حر نے قدم پر
فرمایا اُسے شاہ نے چھاتی سے لگا کر
کی عرض مجھے سمجھو غلام اے شہِ صفدر
پیارا ہے مجھے تو علیؑ اکبرؑ کے برابر
ماں میری ترے واسطے مصروف دعا ہے
بیگانہ تھا پیارا تو یگانوں سے سوا ہے

۷۶

حر نے کہا صدقے یہ غلام اے شہِ ذی جاہ
معبود سے رو رو کے دعا کرنے لگے شاہ
حق سے مری بخشش کی دعا کیجیے للہ
اُس وقت صدا آئی کہ اے فاطمہؑ کے ماہ
ناجی ہے وہ فرزند نبی نے جسے بخشا
تو نے جو اسے بخشا تو ہم نے اسے بخشا

۷۷

سب خلق کا ایلچی تجھے ہم نے کیا مختار
وہ دوست ہمارا ہے جو تیرا ہے مددگار
ہے تیرے محبوں کے لیے خلد کا گلزار
ہاں اک ترے دشمن کو نہ ہم بخشیں گے زنہار
زندہ ہے جو حر تیری محبت میں مرے گا
بخشیں گے اسے جس کی شفاعت یہ کرے گا

۷۸

اس مژدۂ جاں بخش سے جب حر ہوا آگاہ
اور جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کی عرض کہ یا شاہ
بوسے کی باری قدم ابنِ ید اللہ
اب اذنِ وغا دیجیے تو جاؤں سوئے جنگاہ
اس راہ سے دنیا سے گذرنے کی ہوس ہے
جینے کی ہوس کچھ نہیں مرنے کی ہوس ہے

۷۹

شہ نے کہا کیا جلد ہے منظور جدائی
افسوس ہے کس وقت میں قسمت تجھے لائی
جی بھر کے ابھی تو تجھے دیکھا نہیں بھائی
کچھ تو نے ادھر آنے کی لذت نہیں پائی
غربت زدہ ہوں بیکس و مظلوم و حزیں ہوں
میں آج تو مہمانی کے قابل بھی نہیں ہوں

۸۰

شرمندہ ترے منہ سے ہوں اے حر دلاور
ہے ساتویں تاریخ سے فاقہ مرے گھر پر
اتنا نہیں ممکن کہ کروں پانی سے لب تر
دم توڑتا ہے پیاس سے گہوارے میں اصغرؑ
راحت تجھے یہ ظلم کہ پانی نہیں دیتے
کھانے کا تو کیا ذکر ہے پانی نہیں دیتے

۸۱

حر نے کہا مولا میں ترے صبر کے قرباں
ذرے کو کیا آپ نے خورشید درخشاں
دعوت ہے یہ ٹھوکر کی کہ ہی دولت ایماں
ایک مور کو حضرت نے دیا تخت سلیماں
جو خار تھا وہ ہو گیا گلزار کے قابل
وہ نور ہوا آج جو تھا نار کے قابل

۹۱
تلواروں سے مجروح ہوں یا تن پہ لگیں تیر
املاک مری ضبط کرے حاکم بے پیر
منہ سے یہی نکلے گا کہ یا حضرتِ شبیر
کیا غم ہے کہ جنت میں مجھے ملتی ہے جاگیر
کچھ آج زراعت کا نہ املاک کا غم ہے
ہاں فاطمہؑ کی کھیتی کے لٹنے کا الم ہے

۹۲
جب فاطمہؑ کی بیٹیوں بہوؤں کے کھلیں سر
زوجہ مری قربان سرِ بانوئے مضطر
کچھ غم نہیں ناموس مرے قید ہوئے گر
کیا حضرت زینبؑ سے سوا ہے مری خواہر
کنبہ مرا سب فاطمہؑ کے گھر پہ تصدق
فرزند مرا اکبرؑ و اصغرؑ پہ تصدق

۹۳
یہ کہہ کے دھنسا لشکرِ روباہ میں وہ شیر
ہر سو تنِ بے سر کے جو اس بن میں ہوئے ڈھیر
بے سر ہوئے سردار زبردست ہوئے زیر
چلاتے تھے کفار یہ بجلی ہے کہ شمشیر
اس صاعقہ کے سایہ سے جل جانے کا ڈر ہے
آبِ دمِ شمشیر میں آتش کا اثر ہے

۹۴
جب نامِ علیؑ لے کے لگاتا تھا وہ تلوار
جس شامی کو للکارا کہ آیا میں خبردار
دو کرتا تھا دشمن کو مع راکب و رہوار
وہ بھاگ گیا سامنے سے پھینک کے تلوار
آہن میں نہاں سامنے جو دشمنِ دیں تھا
سر اُس کا کہیں خود کہیں جسم کہیں تھا

۹۵
نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے ہوا دور
گھوڑوں کی نگاہوں میں جو گرتے تھے تہور
رن زندوں سے خالی تھا مگر لعشوں سے معمور
چار آئینہ ہو جاتے تھے شیشوں کی طرح چور
غل تھا کہ بجھے جاتے ہیں دل اس کی چمک سے
تلوار نہیں بجلیاں گرتی ہیں فلک سے

۹۶
پانی بھی بہادر نے عجب ہمتِ عالی
تلوار پڑی جس پہ نظر شیر نے ڈالی
لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہو گئیں خالی
برچھی کا نشانہ تھا کماں جس نے سنبھالی
خنجر کے ہلانے میں جو رستم سے نہ کم تھا
اک ہاتھ میں بس ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

۹۷
ہر ضرب میں چورنگ تھے سو سو ستم ایجاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے امن سے جلاد
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفرِ فولاد
تھی سیلِ فنا خانۂ تن کر دیا برباد
ضرب ایسی کسی سے نہ لگی فوج کے دل میں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسا دامِ اجل میں

۹۸
اس معرکہ میں تیغِ بہادر کو ملا اوج
تھا قلزمِ خوں ... جوش میں ڈوبی ہوئی تھی فوج
ہر فرد کو اس صاحبِ ہمت نے کیا زوج
آتے تھے نظر دستِ بریدہ صفتِ موج
خوں میں جو بدن غرق تھے بیداد گروں کے
بہتے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

۹۹
چھپتے تھے سواروں کے عقب برچھیوں والے
رایت تو سلامی تھے نگوں سار تھے بھالے
تھے جان بچانے کے مدداروں کو لالے
ابتر تھیں صفیں درہم و برہم تھے رسالے
اس شیر کو روکے یہ نہ طاقت تھی کسی کی
غل تھا کہ دہائی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی

۱۰۰

جس دم یہ صدا فاطمہؑ کے لال کی آئی
جو نیک ہیں کرتے ہیں بروں سے بھی بھلائی
چلائے کہ بس روک لے تلوار کو بھائی
مظلومی بھی دکھلا کہ شجاعت بھی دکھائی
گو دشمنوں پر رحم کا دستور نہیں ہے
یاران کی تباہی مجھے منظور نہیں ہے

۱۰۱

یہ کرتے ہیں فریاد مرے اشک ہیں جاری
حملوں سے ترے فوج پریشان ہوئی ساری
امت تو ہے بیٹوں کے برابر مجھے پیاری
اب ان کو نہ کر قتل جو خاطر ہے ہماری
بس پا چکے بیدیں سزا اپنی جفا کی
رحم آتا ہے امت ہے یہ محبوبِ خدا کی

۱۰۲

منہ پھیر کے حر سبطِ نبی کو یہ پکارا
کچھ اور کہا چاہتا تھا وہ کہ قضا را
اس رحم کے قربان ہو جان تمھارا
نیزہ کسی نے سینۂ بے کینہ پہ مارا
زخمی جو ہوا دل تو ٹھہرا گیا زیں پر
یا شیرِ خدا کہہ کے گرا رو کے زمیں پر

۱۰۳

بس گرتے ہی پڑنے لگی تلوار پہ تلوار
چلایا کہ مولا مجھے دکھلائیے دیدار
زخموں سے ہر اک عضوِ بدن ہو گیا گلنار
یہ سن کے سراسیمہ چلے سید ابرار
حر کے لیے بیتاب امام دو جہاں تھے
آنسو شہِ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے

۱۰۴

رتبی پہ جو مہمان کو تڑپتا ہوا پایا
رومال سے چہرے کا غبار اس کے چھڑایا
آغوش میں لے کر اسے چھاتی سے لگایا
قبلے کی طرف زانو پہ سر رکھ کے لٹایا
رو رو کے یہ فرماتے تھے زانو کو ہلا کر
اے بھائی حسینؑ آیا ہے تو چشم تو وا کر

۱۰۵

سن کر یہ صدا شاہ کی حر غش سے جو چونکا
آنکھیں قدمِ پاک پہ مل کر کہا سوئے
جنت کا ہے تا بہ فلک تو زمیں سے
سر فاطمہؑ کے لال کی آغوش میں دیکھا
کیا آپ کے صدقے سے ملا ہے مجھے رتبا
لینے مجھے آئے ہیں علیؑ خلد بریں سے

۱۰۶

فرماتے ہیں اس دم ملک الموت سے حیدر
نکلا ہوں اسی کے لیے میں قبر سے باہر
بیکس مرے شبیر کا یہ مخلص ہے یاور
آسانی سے تو جسم سے روح اس کی جدا کر
راحت اسے پہنچے گی تو راحت مجھے ہوگی
ایذا ہوئی اس کو تو اذیت مجھے ہوگی

۱۰۷

حورانِ بہشتی ہیں جو ابر میں مشعل
غل ہے کہ ترا رتبہ ہوا اب اور بھی افضل
کہتی ہیں کہ اے حر سوئے فردوس بریں چل
بند آنکھیں کہ اب فوجِ حسینی کے ہراول
محسن کو لیے گود میں چلاتی ہے زہرا
سر پیٹتی لاشے پہ ترے آتی ہے زہرا

۱۰۸

دو فاطمہؑ آتی ہیں شہِ خیبر شکن آئے
سب مشکلیں آسان ہوئیں پنجتن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسولِ زمن آئے
سب کام مرے آپ کے صدقے سے بن آئے
اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہے آقا
پھر نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

یہ کہہ کے لگا کھینچنے حر پاؤں کو اک بار	۱۰۹	گھبرا کے یہ فرمانے لگے سید ابرار
کیا تجھ پہ ہے کچھ موت کی سختی مرے غمخوار		حر نے کہا یا شاہ یہ باعث نہیں زنہار
غم یہ ہے کہ ہم بیت میں مجروح پڑے ہیں		پاؤں کی طرف احمد مختار کھڑے ہیں
یہ کہتے ہی اک موت کی ہچکی آئی	۱۱۰	آخر ہوا وہ سید بیکس کا فدائی
یوں رو رو کے لاش اس کی شہ دیں نے اٹھائی		جس طرح کہ بھائی کے لیے روتا ہے بھائی
چلائے یہ لاش اس کی در خیمہ پہ لا کر		اے بیبیو رو لو مرے مہمان کو آ کر
زینب در خیمہ پہ چلی آئی کھلے سر	۱۱۱	شہ نے کہا مارا گیا بہنا مرا یاور
نے والدہ اس کی ہے یہاں اور نہ خواہر		اب اس کی بہن آج سے تم اور میں برادر
یہ مجھ پہ فدا ہو گیا اپنوں کی طرح سے		سب مل کے اسے رو لو یگانوں کی طرح سے
کہہ دو یہ سکینہ سے کہ سر کو کرے عریاں	۱۱۲	کبریٰ سے کہو بال کرے اپنے پریشاں
بانو سے کہو آن کے رو لو بصد افغاں		پرسا ہے مجھے دو قتل ہوا ہے مرا مہماں
جو اس کے لیے نالہ و فریاد کرے گا		اللہ اسے حشر کے دن شاد کرے گا
خاتون قیامت کی صدا آئی یہ اک بار	۱۱۳	مارا گیا ہے یہ مرے بچے کا مددگار
پیارا ہے مجھے وہ جسے شبیر کرے پیار		ہیں اس کی عزادار ہوں میں اس کی عزادار
اب لاش سے اس کی نہ جدا ہوئے گی زہرا		چالیسویں تک اس کی طرح روئے گی زہرا
سن کر یہ سخن شور ہوا رونے کا اک بار	۱۱۴	ناموس محمد ہوئے سب حر کے عزادار
کر عرض شہ دیں سے انیس جگر افگار		رونے پہ بلا لو مجھے یا سید ابرار
قاصر بھی کوشش سے مجبور نہیں ہے		مولا جو کشش ہووے تو کچھ دور نہیں ہے

سلام

مجرئی جبکہ عیاں ماہ عزا ہوتا ہے	۱	چرخ پر ماتم شاہ شہدا ہوتا ہے
رونے والوں کا بھی کیا رتبہ ہے سبحان اللہ	۲	جن کے اشکوں کا خریدار خدا ہوتا ہے
سر حر گود میں شہ نے لیا اللہ اللہ	۳	بگڑی بن جاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے
کانپتی ہے لحد انور محبوب الٰہ	۴	قبر سے نانا کے نبیرہ جو جدا ہوتا ہے
دیکھ کر شہ کو دم نزع یہ روئے عباس	۵	پیارے شاہ دو گلے ملنے یہ کیا ہوتا ہے
کیوں خجل ہوتے ہو پانی نہ ملا گر شاہا	۶	وہ کیا تم نے جو کچھ حق وفا ہوتا ہے

پھیر دیں آنکھیں جو اصغرؑ نے پکاری بانوؑ	۷	دوڑ دوڑے بیبیو دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے
برچھیاں چلتی تھیں قاسمؑ پہ تو کہتی تھی قضا	۸	رانڈ ہوتی ہے بنی قتل بنا ہوتا ہے
دیر بیٹوں کو لگی رن میں تو زینبؑ نے کہا	۹	لاشیں آتی ہیں اگر فضل خدا ہوتا ہے
شمر کہتا تھا کہ بیعت کا ہے بیجا انکار	۱۰	جو ستم شاہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے
شاہ سے اکبرؑ نا زی نے کہا جان چلی	۱۱	زخم میں برچھی کے اب درد سوا ہوتا ہی
شاہ رو دیتے تھے کہتی تھی سکینہؑ جب دم	۱۲	پیاس سے سینے میں دم اب تو خفا ہوتا ہی
دیکھ کر شکل پیمبرؐ کو یہ کہتے تھے عدو	۱۳	اس کے چہرے سے عیاں نور خدا ہوتا ہی
کہتی تھی خلق خدا دیکھ کے عابدؑ کو اسیر	۱۴	کہیں بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہی
جنگ میں کہتے تھے ہنس ہنس کے نمک خوار حسینؑ	۱۵	زخم کھانے میں بھی اک خاص مزا ہوتا ہی
شاہ کو روتی سکینہؑ تو یہ بانوؑ کہتی	۱۶	موت ہے باپ سے بچہ جو جدا ہوتا ہی
شہ کے لب ہلتے ہوئے دیکھ کے زینبؑ نے کہا	۱۷	ھا جو نیزے پہ بھی ذکر خدا ہوتا ہی

قطعہ

ماں نے عباسؑ کی ام سلمہؑ سے پوچھا	۱۸	تپ سے بچی کو افاقہ بھی ذرا ہوتا ہے
بولی وہ غش میں پڑی رہتی ہے غش میں بھی مگر	۱۹	کبھی ماں کا کبھی بہنوں کا گلا ہوتا ہے

قطعہ

رن میں کہتے تھے لعینوں سے شہ تشنہ دہن	۲۰	بند پانی جو کیا تم نے تو کیا ہوتا ہے
یہ سے منہ میں وہ محمدؐ کی زباں کا ہے اثر	۲۱	شجر خشک پہ ٹھوکوں تو ہرا ہوتا ہے
تابہ چہلم یہ صدا آتی تھی میدان میں انیسؔ	۲۲	دیکھیں کب قید سے سجادؑ رہا ہوتا ہے

رباعی

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے	۲۳	اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کون سا گل جس نے دیکھی نہ خزاں		وہ کون سے تھے کھلے جو مرجھا نہ گئے

تمام شد

مرثیہ ۱

ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہِ دیں پر
صدمہ تھا عجب بادشہِ عرش نشیں پر
مچھلی سے تڑپنے لگے معصوم زمیں پر
اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا جانِ حزیں پر
گو برگ سے لب خشک تھے سر زانو پہ خم تھا
پردیسیوں کی فکر تھی اطفال کا غم تھا

۲

فرماتے تھے بچے نہیں جینے کے ہمارے
دیتے ہیں ستم گاروں کے دریا کے کنارے
مر جائیں گے سب غنچہ دہن پیاس کے مارے
کس سے کہے فرزندِ علیؑ کس کو پکارے
مختاریِ کوثر جنہیں خالق نے عطا کی
وہ پانی کو محتاج ہیں قدرت ہے خدا کی

۳

مہمانوں کی دعوت کا ہوا خوب سرانجام
ہر سمت سے ہے فوجوں کی آمد سحر و شام
قدغن ہے کہ پائے نہ کوئی پانی کا اک جام
منزل پہ بھی پایا نہ کبھی ماندوں نے آرام
بیٹھے ستم ایجادوں کے ساحل پہ کھڑے ہیں
خشکی میں جو اترے وہ تباہی میں پڑے ہیں

۴

یہ موسمِ گرما یہ تب و تاب یہ میدان
تجھ پر تو ہے ظاہر کہ میں ہوں بے سر و ساماں
یارب مرے اطفال کا بس تو ہے نگہباں
افسردہ دل و فاقہ کش و مضطر و حیراں
کیا نفع ہے اعدا کو مری دل شکنی میں
محتاج ہوں پانی کا غریب الوطنی میں

۵

بچے لیے آیا ہے وطن سے یہ مسافر
سر دینے کو خادم ہے تری راہ میں حاضر
بندے ہیں ترے ان کا تو ہے حافظ و ناصر
تو صبر عطا کر کہ نہ تڑپوں دمِ آخر
خنجر کو میں اس حلق پہ چلتے ہوئے دیکھوں
زینبؑ کو نہ پیچھے سے نکلتے ہوئے دیکھوں

۶

قاسم سے عوض مجھکو لگے نیزہ و شمشیر
غشی میں نہ دیکھوں ترے محبوب کی تصویر
عباسؑ سلامت رہے بیدست نہ ہو شبیرؑ
آگے مرے اصغرؑ کی نہ گردن پہ چلے تیر
سب روئیں مجھے جب سفرِ خلد کروں میں
آباد انہیں چھوڑ کے دنیا میں مروں میں

۷

یہ چاند سے ٹکڑے ہیں مرے گود کے پالے
ان تازہ گلوں کی مجھے جانوں کے ہیں لالے
بن پانی تڑپتے ہیں زبانوں کو نکالے
اولاد کے داغوں سے کلیجے کو بچا لے
راضی ہوں میں جو مجھ پہ گذرنا ہو گذر جائے
بچہ مرا دم توڑ کے جھولے میں نہ مر جائے

۸

کرتے تھے دعا سر کو جھکائے شہِ عالم
چلاتی تھی اصغرؑ کو لیے بانوئے پر غم
سیدانیوں میں رونے کا غل ہوتا تھا ہر دم
دوڑو وارثو مرا بچہ ہوا بے دم
بن پانی سفر کرتا ہے ہستی کے چمن سے
نکلی سی زباں ہونٹوں پہ پچکی ہے دہاں سے

۹

کیا بی بی پہ بنی ہے کہ بلکتے نہیں اصغرؑ
ہے مہر سے صورت کو بھی تکتے نہیں اصغرؑ
اب دودھ کی خاطر بھی بلکتے نہیں اصغرؑ
تو رکی آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اصغرؑ
لے آئے کوئی اذن شہِ جن و بشر سے
پانی کی گدائی کر سکتی ہوں میں گھر سے

۱۰

تھے پیاس سے معصوم سراسیمہ و مضطر
چلاتے تھے یہ چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھا کر
لب خشک تھے اور چاند سے منھ آنسوؤں سے تر
پیاسوں پہ کرم کیجئے یا ساقیِ کوثر
ہے سب پہ عیاں آپ امامِ دو جہاں ہیں
پانی نہیں اور ہم سبھی تشنہ دہاں ہیں

۱۱

سلونے بچے حضرت کے قریں آتا تھا کوئی
سوکھے ہوئے لب شاہ کو دکھلاتا تھا کوئی
پانی ہمیں منگوا دو یہ چلاتا تھا کوئی
ہم پیاسے ہیں یہ کہہ کے لپٹ جاتا تھا کوئی
پانی تو نہ تھا اشک بہا دیتے تھے حضرت
ترسا کے سرِ پاک جھکا لیتے تھے حضرت

۱۲

زینب کو عجب رنج تھے قسمت نے دکھائے
بہلاتی تھیں چھاتی سے سکینہ کو لگائے
دھڑکا تھا کہ بچہ نہ کوئی ہاتھ سے جائے
وہ کہتی تھی مرتی ہوں میں پانی کوئی لائے
اب پیاس کی گرمی سے مجھے تاب نہیں ہے
یہ کیسی ہے منزل کہ جہاں آب نہیں ہے

۱۳

رہ رہ کے زبس ربّ بچے گودی سے گرا دو
اک بوند بھی ہوئے تو مرے منھ میں چوا دو
بے چین ہے اصغر کا بری پیاس سے بجھا دو
خالی ہی کٹورا ہے ہونٹوں سے لگا دو
پانی نہ ملے گا تو سنبھلنے کی نہیں ہیں
اب کی جو غش آیا تو سنبھلنے کی نہیں ہیں

۱۴

دن بھر اسی بے تابی میں بچوں نے گزارا
صحرائے مصیبت میں ہوئی شام تنھارا
رویا کیا خورشید کو زین کا چپ را
گردوں سے کیا خسروِ خاور نے کنارا
غروب کے فریضے کو ادا کرتے تھے شبیر
روتے تھے اور امت کی دعا کرتے تھے شبیر

۱۵

وہ شامِ غم انجام وہ صحرا کی سیاہی
زینب کو یہ تھا سوچ کہ کیسے ہو گا تبی
بچوں کا وہ رونا وہ غریبوں کی تباہی
بربادیِ سادات پہ بے دینوں نے چاہی
کل جنگ کا ساماں ہے نہ کچھ فوج ادھر ہے
لٹ جانے کا بھی خوف ہے شبخوں کا بھی ڈر ہے

۱۶

دل رندھ گئے تھے تیرگیِ دشتِ بلا سے
شمعیں بھی بجھی جاتی تھیں جنگل کی ہوا سے
روتے تھے حرم خیمے میں بیٹھے ہوئے پیاسے
جی ڈرتے تھے بچوں کے درندوں کی صدا سے
باقر کو کلیجے سے لگا لیتی تھی بانو
چھاتی سے اصغر کو چھپا لیتی تھی بانو

۱۷

کم ہوتی تھی جوں جوں شبِ روزِ مصیبت
وہ شب تھی غریبوں کے لیے صبحِ قیامت
ہوتی تھی فزوں دشتِ پر آشوب کی وحشت
ایذائے سفر فاقہ کشی پیاس کی شدت
بہلاتی تھی مائیں پہ نہ چپ ہوتے تھے بچے
بلکے ہوئے کھانے کے لیے روتے تھے بچے

۱۸

اترا ہوا تھا نہر پہ واں لشکرِ اعظم
پانی کی نہ پروا تھی نہ کھانے کا انھیں غم
اطراف سے فوجیں بھی چلی آتی تھیں پیہم
تھے فاقے سے اطفالِ شہنشاہِ دو عالم
مسرور تھیں ادھر شقی لشکر میں عمر کے
جلتے تھے ادھر سینے میں یہ داغ جگر کے

۱۹

چوکی کے پیادے یہ صدا دیتے تھے ہر بار
ہاں جاگتے رہیو کوئی سوئے نہ خبردار
زینے میں رہے سخت دل احمدِ مختار
غفلت کا نہیں وقت ذرا گھاٹ سے ہشیار
اس فوج کا پیاسا کوئی یاں آنے نہ پائے
یاں کا بھی ادھر سے کوئی جانے نہ پائے

۲۰

اس شیر دلاور کے پسر سے ہے لڑائی
جس پر نہ کبھی فتح کسی فوج نے پائی
ان شیروں کے قابو میں نہ آجائے ترائی
پانی انھیں پہونچا تو ہماری اجل آئی
آمادہ رہو جنگ خدا جانے کب ہو
گر آن پڑیں نہر پہ پیاسے تو غضب ہو

۲۱

پھرتے تھے ادھر گرد خیام شہ ابرار
کچھ لوگ لیے حضرت عباسؑ علمدار
کاندھے پہ سپر بر میں زرہ ہاتھ میں تلوار
فرماتے تھے ہاں غازیو ہر سمت سے ہشیار
حرمت میں یہ خیمہ بھی نہیں کعبہ سے کم ہے
سو بار تصدق ہو کہ یہ خوف حرم ہے

۲۲

مصروف عبادت تھا ید اللہ کا جایا
جو خیمے میں بیداریوں نے شور مچایا
لو پیاس سے پھر بالی سکینہؑ کو غش آیا
گھبرا کے علمدار کو حضرت نے بلایا
فرمایا کہ سنتے ہو یہ کیا شور ہے بھائی
بن پانی سکینہ کو لب گور ہے بھائی

۲۳

عباس نے کی عرض کہ اے قبلۂ اکرم
جلتی ہیں کلیجے پہ مرے برچھیاں پیہم
پانی کا تو یہ قحط ہے گرمی کا یہ عالم
بچوں کا تو کیا ذکر جوانوں میں نہیں دم
دل پورا کہ اب بھی جو پانی نہ پئیں گے
فرمائیے کس طرح سے معصوم جئیں گے

۲۴

ہم قبلۂ کونین کی مرضی سے ہیں ناچار
کچھ نہر سے پانی کا تو لانا نہیں دشوار
سن پائے جو خادم ابھی حکم شہ ابرار
معلوم نہ ہووے کہ کدھر تھے یہ ستمگار
تلواروں کو چمکا کے جو لشکر پہ گریں گے
مرجائیں تو مرجائیں پہ خالی نہ پھریں گے

۲۵

گو فوج بہت کم ہے مگر سب شرفا ہیں
دیندار ہیں ابرار ہیں اور اہل وفا ہیں
یوں دیکھو تو مظلوم ہیں راضی برضا ہیں
اور وقت جہاد آئے تو آفت ہیں بلا ہیں
دعویٰ ہے ہر اک کو کہ ہزاروں سے لڑیں گے
یہ نہر ہے کیا آگ میں ہم کود پڑیں گے

۲۶

شہ نے کہا امت کا نہیں قتل گوارا
منظور نہیں آپ سے دریا سے کنارا
اس وقت مگر ہے مرے خالق کا اشارا
جاؤ کہ خدا حافظ و ناصر ہے تمھارا
جرأت نہیں ورنہ شہنشاہِ نجف سے
کیجیو نہ مگر سبقت جنگ اپنی طرف سے

۲۷

یہ سن کے اٹھا نور نگاہ اسد اللہ
حضرت نے لیے تیس سوار آپ کے ہمراہ
مشکیں لیے سب گرد تھے اور بیچ میں وہ ماہ
فرماتے تھے نصرت کی دعا سید ذیجاہ
بھیجا تھا پہ جناب امام دو جہاں تھے
آنسو شہ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے

۲۸
جا پہونچا ادھر تیغ سواروں سے وہ صفدر
دریا کی ترائی میں بچھی نور کی چادر
سب دشت ہوا حسن کے پرتو سے منور
جو سوتے تھے وہ چونک پڑے صبح سمجھ کر
تھی رات پہ ثابت ہوا یہ شک کسی پر
خورشید فلک سے اتر آیا ہے زمیں پر

۲۹
ناگہ بن حجاج لعیں آ کے پکارا
دشوار ہے تا نہر پرندوں کا گزارا
تم کون ہو یاں رات کو کیا کام تمھارا
دریا کے کنارے سے کرو جلد کنارا
تلواروں سے کل کاٹیں گے شبیر کے سر کو
پانی نہیں ملنے کا محمد کے پسر کو

۳۰
بولا یہ جلالِ بجلی شاہ کا یاور
آیا ہوں کہ پانی سے لب خشک کروں تر
اے شخص میں ہوں تیرا چچازاد برادر
اس نے کہا سیراب ہو اے میرے دلاور
پیارا نہیں پانی تو ہمیں اور کسی سے
گر ہے تو عداوت ہے حسین ابن علی سے

۳۱
اس نے کہا کیا کہتا ہے تو او ستم آرا
واں پیاس سے مرتا ہے یہ اللہ کا پیارا
اس پانی کا پینا مجھے کیونکر ہو گوارا
اطفال کو اب تشنہ لبی کا نہیں یارا
اس ظلم سے باز آ جو نواسا ہے نبی کا
یہ اور کوئی ہے کہ نواسا ہے نبی کا

۳۲
یہ وجہ عداوت کی بتا دے کہ کیا ہے
جان ہے سید سے گرفتار بلا ہے
مارا ہے کسے اس نے کسے قتل کیا ہے
جو اپنے گھر آئے یہ ستم اس پہ روا ہے
جس کو نہیں ملتا اسے لا دیتے ہیں پانی
پیاسا ہو تو کافر کو پلا دیتے ہیں پانی

۳۳
کر دل میں ذرا غور تو ہے قاری قرآں
شبیرؑ تو ہے حامی دیں صاحب ایقاں
ممنوع ہے کیسا عمداً قتل مسلماں
سب خلق پہ ہے جس کا پدر سابق الایماں
ہر شخص کو عزت بھی اسی گھر سے ملی ہے
ایمان کی دولت بھی اسی گھر سے ملی ہے

۳۴
ظالم نے کہا سچ ہے جو تو کرتا ہے مذکور
یاں لاکھ جواں ہم ہیں اسی بات پہ مامور
شبیر کو سیراب کریں یہ نہیں منظور
وہ شیر پکارا کہ یہ میرا نہیں دستور
پانی کے لیے نہر پہ سر دیویں گے ہم بھی
میدان وغا لاشوں سے بھر دیویں گے ہم بھی

۳۵
جس وقت کہ آپس میں زیادہ ہوئی تکرار
فرمانے لگے حضرت عباس علمدار
اک شور ہوا دونوں طرف کھنچ گئی تلوار
میں لڑتا ہوں تم ڈالدو یاں پانی میں رہوار
زور اسد اللہ دکھا دیتا ہوں ان کو
اک حملے میں دریا سے بھگا دیتا ہوں ان کو

۳۶
یہ کہتے ہی عباس کہ اعدا سے چلے تیر
بجلی سی شب تار میں رخشاں ہوئی شمشیر
غازی نے کیا قتل علیؑ نعرۂ تکبیر
گر گر کے ترائی میں تڑپنے لگے بے پیر
جس غول میں جا پڑتے تھے تاریکی شب میں
تیر آیا ترائی میں یہ غل ہوتا تھا سب میں

۳۷

باخبر نہ ہوا تھا ابھی یاں حملۂ اول
گھوڑوں سے اندھیرے میں گرے پڑتے تھے پیدل
فوجِ ستم آرا میں اُدھر ہو گئی ہل چل
لاٹیں ہوئی جب تیغ تو روشن ہوا جنگل
اڑتے ہوئے گردوں پہ شرارے نظر آئے
بجلی کہیں چمکی کہیں تارے نظر آئے

۳۸

ہر دم پرِ شہ تیغِ دودم ہوتی تھی افزوں
چھینٹوں سے لہو کے سپریں ہو گئیں گلگوں
دریا کے قریں خون کا بہنے لگا جیحوں
چلاتے تھے اعدا یہ لڑائی ہے کہ شب خوں
ریتی پہ طپاں ہے کوئی جل جاتا ہے کوئی
پارہ کی طرح اڑ کے نکل جاتا ہے کوئی

۳۹

رہوار چھلاوہ ہے کہ شہباز نظر ہے
تلوار ہے یا ماہیِ دریائے ظفر ہے
نیزہ ہے کہ افعی ہے سناں ہے کہ شرر ہے
خورشید کے پنجے میں سپر ہے کہ قمر ہے
حملے ہیں نئے جنگ کے انداز جدا ہیں
یہ حضرت عباسؑ ہیں یا شیرِ خدا ہیں

۴۰

جب شیر سا آ پڑتا ہے گھوڑے کو ڈپٹ کر
جس غول پہ کر جاتا ہے اک وار جھپٹ کر
ہو جاتی ہے سب فوج پراگندہ سمٹ کر
دس بیس کے سر خاک پہ گر پڑتے ہیں کٹ کر
کر سیل کہیں سیل میں یہ کاٹ کہاں ہے
معلوم نہیں ہم ہیں کہاں گھاٹ کہاں ہے

۴۱

ساحل سے کنارے ہوئے جب سارے ستمگار
مشکیں بھریں اور جلد چلے چھیڑ کے رہوار
دریا میں در آئے شہِ مظلومؑ کے انصار
تھا تیغ پہ کف تحت دل حیدرِ کرار
جو روکتا تھا شیر سے بھڑ پڑتے تھے عباسؑ
ان سب کو بچائے بھی تھے اور لڑتے تھے عباسؑ

۴۲

فرماتے تھے تم تک نہیں آ سکتے ہیں بے پیر
دو مشکیں تو تھیں دوش پہ اور ہاتھ میں شمشیر
ہاتھ اس کا اڑا دوں کوئی چھلکی میں جو سوئے تیر
نعرہ تھا کہ نزدیک ہے اب خیمۂ شبیرؑ
خود پیاسے تھے اور تشنہ دہانوں کی سپر تھے
تنہا تھے مگر تیس سواروں کی سپر تھے

۴۳

واں جنگ تھی بیتاب تھا یاں فاطمہؑ کا لال
تھے جمع حرم ڈیوڑھی پہ سب کھولے ہوئے بال
تر آنسوؤں سے ہوتا تھا رومال پہ رومال
اور فاطمہؑ کی بیٹیاں تھیں مضطرب الحال
غل ہوتا تھا میدان میں تو گھبراتے تھے شبیرؑ
ہر مرتبہ خیمے سے نکل آتے تھے شبیرؑ

۴۴

ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کرتے تھے پیہم
بے کس و بے پر کے تو ہے حال سے محرم
یا قادر و یا ناصر و یا خالقِ عالم
عباسؑ دلاور کی مدد کیجیو اس دم
وہ آئے تو پانی سے بھی پینے کا مزا ہے
اس بھائی سے شبیرؑ کے جینے کا مزا ہے

۴۵

یارب ترے شبیرؑ کا یاور ہے تو یہ ہے
کنبہ ہے تو یہ ہے مرا جعفر ہے تو یہ ہے
عاشق ہے تو یہ ہے جو برادر ہے تو یہ ہے
گر فوج ہے تو یہ ہے جو لشکر ہے تو یہ ہے
طاقت ترے محبوب کو تھی تیرے ولی سے
قوت ہے مرے جسم میں عباسِ علی سے

۴۶

عباسؑ کے بچوں کی یتیمی نہ دکھانا
چھوٹی مری بھاوج کو رنڈاپے سے بچانا
ماتم میں چچا کے سکینہؑ کو رلانا
دریا سے سلامت تو اسے پھیر کے لانا
وہ آکے ملے گا تو ٹھہر جائے گا شبیرؑ
بچھڑے گا جو عباسؑ تو مر جائیگا شبیرؑ

۴۷

تھی زوجۂ عباسؑ سراسیمہ و مضطر
تنہا وہ کہاں اور کہاں شام کا لشکر
دھڑکا تھا کہ کیا دیکھوں دکھاتا ہے مقدر
اعدا سے لڑیں گے شب تاریک میں کیونکر
تشویش ہے فرزند رسولؐ دوسرا کو
یارب تو بچا لیجو سکینہؑ کے چچا کو

۴۸

ڈیوڑھی پہ کھڑا تھا پسر ساقئ کوثر
دریا سے پھرے حضرت عباسؑ دلاور
ناگاہ خبر دی یہ خبردار نے آکر
آ پہونچے ہیں اردوئے معلی کے برابر
مشکیزے بھی پر آب ہیں تائید خدا سے
زخمی بھی نہیں ہے کوئی حضرت کی دعا سے

۴۹

بس اتنے میں عباسؑ نے آواز سنائی
درپیش ہے اب روح کو قالب سے جدائی
چلائے شہ دیں کہ میں صدقے ترے بھائی
تم آئے نہیں جان تن زار میں آئی
اللہ نے پھیرا تمھیں تیغوں کے تلے سے
جلد آکے لپٹ جاؤ برادر کے گلے سے

۵۰

عباسؑ پکارے شہ کونین میں آیا
دریا کے کنارے سے لعینوں کو بھگایا
اللہ مرے سر پہ رکھے آپ کا سایا
پانی بھی غلام آپ کے اقبال سے لایا
سب پیاسوں کو مژدہ یہ سنا دیجئے مولا
غش ہوں سکینہؑ تو جگا دیجئے مولا

۵۱

مشکیں لیے اتنے میں دلاور نظر آئے
قدموں پہ جو آقا کے جھکانے وہ سر آئے
خیمے کے قریں گھوڑوں سے نیچے اتر آئے
آنسو شہ مظلوم کی آنکھوں میں بھر آئے
انجام کی اس عاشق باری کو خبر تھی
مشکوں پہ کبھی اور کبھی بازو پہ نظر تھی

۵۲

کاندھے پہ جو عباسؑ کے مشکیزہ کو دیکھا
ہم شکل پیمبرؐ نے کہا اے شہ والا
رونے لگے چلا کے شہ یثرب و بطحا
رونے کی ہے کیا وجہ یہ موقع ہے خوشی کا
دست آئے جو اس پیاس میں شکست اہل وفا کو
لایا ہے خدا پھیر کے عباسؑ چچا کو

۵۳

فرمایا شہ دیں نے نہیں اس کی خبر ہے
بے وجہ نہیں روتے حسینؑ اشکوں سے تر ہے
یاں معرکۂ روز دہم پیش نظر ہے
کیا خوش ہوں کہ سو داغ ہیں اور ایک جگر ہے
یاں بھائی سے بھائی کو جدا ہونا ہے بیٹا
ان بازوؤں پہ کیا جانے کیا ہونا ہے بیٹا

۵۴

وہ وقت مری آنکھوں تلے پھرتا ہے اکبرؑ
پانی انھیں لانے نہیں دیویں گے ستمگر
جب مشک سکینہؑ کی سدھاریں گے یہ لیکر
ٹوٹے گی الم سے کمر سبط پیمبرؐ
ہم خاک بسر ان کی جدائی میں رہیں گے
سقائے سکینہ تو ترائی میں رہیں گے

۵۵
یہ کہہ کے علمدار سے لپٹے شہِ خوش خو
فرماتے تھے میں صدقے ترے اے مرے گلرو
چومے کبھی ہاتھ اور کبھی شانے کبھی بازو
اس سینے سے آجاتی ہے بابا کی مجھے بو
روتا ہوں کہ یاد آتا ہے انجام تمہارا
سقائے حرم آج سے ہے نام تمہارا

۵۶
تسکین پئے گھر میں پسرِ فاطمہؑ آیا
کلثومؑ نے آغوش میں باقرؑ کو اٹھایا
زینبؑ نے خوشی ہو کے سکینہؑ کو جگایا
بیٹوں کو علمدار کی زوجہ نے بلایا
مادر کے رخِ پاک کو تکنے لگے اصغرؑ
جھولے میں خوشی ہو کے ہمکنے لگے اصغرؑ

۵۷
سب نے کہا پہلے علی اصغرؑ کو پلاؤ
بانوؑ نے کہا زینبؑ مضطر کو پلاؤ
شبیرؑ پکارے مری دختر کو پلاؤ
زینبؑ نے کہا صبر ہے برادر کو پلاؤ
امیدِ حیاتِ شہِ بے آس نہیں ہے
بھائی کی مصیبت میں مجھے پیاس نہیں ہے

۵۸
فرمایا شہِ دیں نے کہ اے بیبیو آؤ
پھر پانی نہیں ملنے کا لو پیاس بجھاؤ
بچوں کو بھی لاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
ان بعد حسین ابنِ علیؑ پاؤ تو پاؤ
تقدیر میں ہے خنجر و شمشیر کا پانی
یہ آخری ہے قسمتِ شبیرؑ کا پانی

۵۹
مصروف ہوا پھر پسرِ ساقیٔ کوثر
شاداب ہوا گلشنِ اسلام سراسر
سب پیاسوں کو بھر بھر کے دیئے پانی کے ساغر
تب بھائی سے فرمانے لگے سبطِ پیمبر
سب پی چکے اونٹوں کی بھی اب پیاس بجھا دو
باقی ہے جو پانی اسے گھوڑوں کو پلا دو

۶۰
عباسؑ نے کی عرض کہ اے قبلۂ عالم
بچوں کے لیے پانی کا رکھنا ہے مقدم
فرمایا کہ بھائی یہ مناسب نہیں اس دم
مشہور ہیں دنیا میں سخی ابنِ سخی ہم
ہم پانی پئیں وہ نہ پئیں شرم کی جا ہے
حیوان نہ پیاسے رہیں بچوں کا خدا ہے

۶۱
یہ سنتے ہی باہر گیا وہ عاشقِ باری
وہ رات تو راحت سے غریبوں نے گزاری
مشکیں جو بھری آئی تھیں خالی ہوئیں ساری
ہشتم سے وہی پیاس تھی اور گریہ و زاری
گھیرے تھے لعیں سبطِ رسولِ عربیؐ کو
پھر پانی دمِ حشر تک نہ ملا آلِ نبیؐ کو

مطلع دوم

۶۲
جب رن میں نمایاں ہوئی صبحِ شبِ عاشور
خورشید کی آمد سے ستارے ہوئے بے نور
سب عالمِ ایجاد ہوا نور سے معمور
چہروں سے اڑا رنگ جسوم صورتِ کافور
معصوم بچھڑنے لگے عدم کے سفری سے
پروانے لگے ملتے گلے شمعِ سحری سے

۶۳
جب پڑھ چکے شہ بعد فریضے کے دعائیں
چھاتی سے پھر اک بار سکینہؑ کو لگائیں
فرمایا کہ رخصت کے لیے بیبیاں آئیں
کچھ بانوؑ سے کہہ لیویں تو سر دینے کو جائیں
بیووں سے ملاقات کی فرصت نہ ملے گی
پھر حشر تلک بات کی مہلت نہ ملے گی

۶۴

بچے بیٹے وہ بیبیوں کا سامنے آنا
وہ باپ کا سر پائے مبارک پہ جھکانا
شبیرؑ کا ایک ایک کو چھاتی سے لگانا
وہ شاہ کا قسمیں سرِ اکبرؑ کی دلانا
رخ زرد تھا گریبان ہر اک بی بی کا تر تھا
ماتم کا مرقع شہِ مظلوم کا گھر تھا

۶۵

روتے ہوئے خیمے سے برآمد ہوئے شبیرؑ
پہلے سے نقاہت تھی زبس پاؤں کی زنجیر
بیٹی کہیں غش کھا کے گری اور کہیں ہمشیر
تڑپا کیے اور آنکھ نہ سکے جانبِ دل گیر
چلاتے تھے سب نے ہمیں بابا سے چھڑایا
بیمار کو قسمت نے مسیحا سے چھڑایا

۶۶

مرکب پہ جگر بند محمدؐ ہوا اسوار
وہ فوجِ حسینی وہ علم اور وہ علمدار
کس شوق سے گھوڑوں پہ چڑھے یاور و انصار
خاتونِ قیامت کی صدا آتی تھی ہر بار
لشکر کے فدا سرورِ ذی جاہ کے صدقے
اِن تاروں کے قربان اور اس ماہ کے صدقے

۶۷

پہنچے جو وہ مردانِ وغا دشتِ وغا میں
سرگرم تھے سب الفتِ شاہِ شہدا میں
تھا غلغلہ صلِ علیٰ ارض و سما میں
ثابت تھے دلیروں کے قدم راہِ خدا میں
کہتے تھے کہ آقا کی یہ تائید کا دن ہے
کٹوانے ہنس ہنس کے گلے عید کا دن ہے

۶۸

یہ روزِ مبارک ہے سعادت ہے یہ مرنا
ہاں غازیو اس کثرتِ اعدا سے نہ ڈرنا
سجدے میں تہِ تیغ سر اس جنگ میں دھرنا
ہر زخم پہ دم الفتِ شبیرؑ کا بھرنا
گھوڑوں کی عنانوں کو عنانوں سے ملا دو
تیغوں سے گلے سینے سنانوں سے ملا دو

۶۹

افضل ہے عبادت سے مددگاریِ شبیرؑ
بجلی سے گرو ان کو کوئی چمکائے جو شمشیر
خود دوڑ کے ناداروں کی جانب صفتِ تیر
کس شخص کے یاور ہو زہے عزت و توقیر
چھاتی سے ہمیں آج لگا دیں گے محمدؐ
رونے کے لیے لاشوں پہ آویں گے محمدؐ

۷۰

معلوم نہ ہوگا یہ کئی روز کا فاقا
اولاد سے مطلب ہے نہ گھر سے ہے علاقا
جب تیغوں کے پھل کھائیں تو حاصل ہو افاقا
دنیا میں کہاں پائیں گے شبیرؑ سا آقا
پایا ہے یہ کس نے جو ہمیں پایا ملے گا
قبروں کو بھی شبیرؑ کا ہمسایا ملے گا

۷۱

کیا فوج تھی کیا ذوق تھے اللہ رے ارادے
ایک ایک جب آقا کے لیے جان لڑا دے
اس پر بھی بہتر تھے سوار اور پیادے
کیونکر نہ بھلا فاطمہؑ ان سب کو دعا دے
سردار مجاہد ہو تو انصار ہوں ایسے
آقا جو ہو ایسا تو مددگار ہوں ایسے

۷۲

یوسف سے حسیں حسن شرف میں مہِ کنعاں
تھا کوئی مفسر تو کوئی حافظِ قرآں
شرمندہ تھیں دیکھ کے جو نیرِ تاباں
غل چار طرف تھا یہ ملائک ہیں کہ انساں
لبریز تھے حسن صراحی سے گلے تھے
سینے نہ کہو چاند عباؤں کے تلے تھے

۷۳
ہتھیار چمکتے ہوئے اور برق سے تازی
مکی و قریشی و حسینی و حجازی
دیندار خوش اطوار وفادار نمازی
زور آور و لشکر شکن و صفدر و غازی
جب آنکھ ملا دیں تو دلیروں کو بھگا دیں
قبضے پہ رکیں ہاتھ تو شیروں کو بٹھا دیں

۷۴
قامت ہے وہ شمشاد بلندی میں جہاں پست
سینے وہ تھے سرکیں نہ جو تیر ہوں پیوست
ساعد وہ جو خیبر کی کلائی سے زبردست
تھے ساقی کوثر کی محبت میں وہ سرمست
بس شوق سے آقا کا قدم چوم رہے تھے
تلواروں کو کاندھوں پہ دھرے جھوم رہے تھے

۷۵
صف باندھے ہوئے قبلۂ عالم کے یگانے
تسبیح امامت نے عجب پائے تھے دانے
استادہ تھے شانوں سے ملائے ہوئے شانے
اک رشتہ میں جا کی انھیں بخشی تھی خدا نے
کیا عزت و حرمت پہ افلاک تھی ان کی
کہتے ہیں جسے خاک شفا خاک تھی ان کی

۷۶
کہتا تھا کوئی اکبر ذی جاہ کو دیکھو
کیا نور ہے فرزند ید اللہ کو دیکھو
عباس کو دیکھو علم شاہ کو دیکھو
تاروں کی طرف دیکھ چکے ماہ کو دیکھو
یہ وہ ہیں کہ دشمن کی برائی میں نہیں ہیں
ایسے تو جوان ساری خدائی میں نہیں ہیں

۷۷
ڈنکے پہ پڑی چوب جو چھا شام کا بادل
تلواریں جو چمکیں تو پڑی فوج میں ہلچل
نعروں سے دلیروں کے لگا گونجنے جنگل
آگے صف آخر ہوئی پیچھے صف اول
کیا زور تھا انصار شہ تشنہ دہاں کا
لشکر تہ و بالا ہوا دو لاکھ جواں کا

۷۸
جس شیر نے رہوار فلک سیر کی لی باگ
سادات کی تلواروں کو تم سے ہے سدا لاگ
اک ایک سے کہتی اجل آئی کہ ارے بھاگ
یہ صاعقہ ہے خرمن ہستی کے لیے آگ
بر جنگ کسی جا انھیں ہٹتے نہیں دیکھا
تلواروں کو ان کی کبھی رکتے نہیں دیکھا

۷۹
مارے گئے لڑ بھڑ کے جو وہ مومن کامل
کس طرح بشر سے ہوں بیاں ان کے فضائل
جا جا کے اٹھا لائے انھیں سرور عادل
رتبے میں ملک ہو نہ سکے جن کے مقابل
رونے کو نہ مادر تھی نہ ہمشیر سرہانے
تھا وقت اجل زانوئے شبیر سرہانے

۸۰
جب ان عزیزوں کے جدا ہونے کی باری
فرماتے تھے ہر بار کہ جو مرضی باری
خون جگر آنکھوں سے ہوا شاہ کی جاری
گہ شکر ادا کرتے تھے گہ گریہ و زاری
سادات کے حلقوں سے قیامت ہوئی رن میں
بس عصر تلک سب کی شہادت ہوئی رن میں

۸۱
لشکر میں پڑا شور کہ تنہا ہوئے شبیر
آگے قدر انداز بڑھے چلنے لگے تیر
اصرار کہ ہوتی ہے علم حیدری شمشیر
حضرت کا یہ تھا حال کہ تھے ششدر و دلگیر
خیمے کو حرم کے کبھی تکتے تھے پلٹ کر
روتے تھے کبھی لاشۂ اکبر سے لپٹ کر

۸۲
فرماتے تھے کیا سوتے ہو اٹھو علی اکبرؑ
نرغے میں لیا فوج نے ہم کو علی اکبرؑ
تنہائی میں بابا کی خبر لو علی اکبرؑ
آنکھیں تو ذرا کھول کے دیکھو علی اکبرؑ
بیکس کی مدد کرنے کو آتے نہیں بیٹا
نرغے سے لعینوں کے بچاتے نہیں بیٹا

۸۳
یہ کہتے تھے جو لاشۂ اصغرؑ نظر آیا
بوسے لیے آنکھوں کے لہو منہ سے چھڑایا
بچے کو سبب پیار سے چھاتی سے لگایا
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹایا
اک ہاتھ کا تکیہ کیا معصوم کے سر کا
اک ہاتھ رکھا سینہ پہ مجروح پسر کا

۸۴
چلائے کہ اکبر علی اصغرؑ سے خبردار
اے مہرِ درخشاں مہِ انور سے خبردار
جنگل میں ذرا چھوٹے برادر سے خبردار
ہے خوف کی منزل مرے دلبر سے خبردار
اس طرح سے بہلاؤ کہ روئے نہیں اصغرؑ
بے ماں کبھی آرام سے سوئے نہیں اصغرؑ

۸۵
ناگاہ صدا آئی کہ اے مشفقِ باری
حسن سے مجھے کم نہیں اولاد تمھاری
صدقے ترے بچوں کے یہ ماں درد کی ماری
حاضر ہوں میں لاشوں کی نگہبانی کو واری
روتی ہوں غمِ اصغرِ بے شیر میں بیٹا
لکھی تھی یہ خدمت مری تقدیر میں بیٹا

۸۶
شادی بھی علی اکبرؑ کی نہ قسمت نے دکھائی
اب آئی تو لاشوں کی نگہبانی کو آئی
حسرت رہی پوتے کی دلہن گھر میں نہ آئی
لوٹا مجھے امت نے محمدؐ کی دُہائی
تاراج محمدؐ کا گلستان ہوا ہے
پھولا پھلا گلشن مرا ویران ہوا ہے

۸۷
اک باغِ فدک تھا سو اسے پہلے ہی لوٹا
اس باغ کے لٹ جانے سے فردوس بھی چھوٹا
اور آج تو زہراؑ پہ فلک ظلم کا ٹوٹا
ہے ہے نہ کوئی گل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا
تلواروں کے پھل کھا کے یہ سب پھول بکھرے ہیں
کاٹے ہوئے ریتی میں مرے سرو پڑے ہیں

۸۸
پہچان کے مادر کی صدا رونے لگے شاہ
جب تیر برسنے لگے معصوم پہ ناگاہ
فرزندوں کے غم میں دلِ پُردرد سے کی آہ
اعدا سے مخاطب ہوا تب ابنِ یداللہ
ہاں آؤ اگر حوصلہ باقی ہے کسی کو
ناچار علم کرتا ہوں شمشیرِ علیؑ کو

۸۹
میں وارثِ شمشیرِ شہِ قلعہ کشا ہوں
رحمت ہوں کبھی میں تو کبھی قہرِ خدا ہوں
میں مہتمِ خانۂ ربِ دوسرا ہوں
بخشوں جسے چاہوں میں نہ بخشوں جسے چاہوں
اللہ نے بچپن سے مجھے پیار کیا ہے
جنت کا بھی دوزخ کا بھی مختار کیا ہے

۹۰
جو دوست ہیں میرے انھیں دوزخ کا نہیں ڈر
ہے خلدِ بریں الفتِ اولادِ پیمبرؐ
گھر اُن کا ارم میں ہے مرے گھر کے برابر
چشمہ ہے محبت کا مری چشمۂ کوثر
سب عرش نے پایا ہے جو پایا ہے ہمارا
طوبیٰ جسے کہتے ہیں وہ سایہ ہے ہمارا

۹۱
فردوس کے میوے مری الفت کے ثمر ہیں
ان سب کے دلِ پنجتنِ پاک میں گھر ہیں
گلگشت کو جنت کے چمن پیشِ نظر ہیں
شیعوں کے لیے حشر میں ہم سینہ سپر ہیں
اس معرکہ میں عیشِ نشاط ان کے لیے ہے
نے خوفِ جہنم نہ صراط ان کے لیے ہے

۹۲
قبروں سے وہ ہنستے ہوئے ہوویں گے برآمد
جو دشمنِ زہرا و علیؑ ہے وہ ہے مرتد
اور پائیں گے قصرِ گہر و لعل و زبرجد
ایماں کے عدد گن لو کہ ہیں حبِ محمدؐ
کافر کا جگر سینے میں یاں خوف سے شق ہے
گر غور کرو نام علیؑ کو تو بحق ہے

۹۳
فرما کے یہ شمشیرِ دو پیکر کو نکالا
کونین میں اس تیغ نے ایک تہلکہ ڈالا
اک برق چمکنے لگی تا عالمِ بالا
گردوں تو گرا تھا پہ فرشتوں نے سنبھالا
جب عرشِ خدا ہلتا تھا تھراتے تھے افلاک
جھک جھک کے سوئے خاک سنبھل جاتے تھے افلاک

۹۴
چھایا ہوا تھا چاروں طرف ڈھالوں کا بادل
تھی جالوں کی دہشت سے عجب فوج میں ہلچل
شمشیر تھی مانند ہلالِ صفِ اول
پیدل پہ تو اسوار تھے اسواروں پہ پیدل
بند آنکھیں کیے فوج کئی کوس تلک تھی
آئینۂ شمشیر میں بجلی کی چمک تھی

۹۵
سہمی ہوئی تھی گاؤ زمیں خوف کے مارے
حیدرؑ کی صدا آئی تھی ہاں اے مرے پیارے
طائر بھی درختوں سے اڑے جاتے تھے سارے
میں بھی ہوں مدد کے لیے ہمراہ تمہارے
کھینچا ہے تو مت روکیو شمشیرِ دو دم کو
اس تیر کے بازو پہ صدقے کرو ہم کو

۹۶
پستی کو بلندی سے چلی جب کہ وہ شمشیر
ہر صف میں کماندار گریزاں ہوئے جوں تیر
رکھ کر سپریں چہروں پہ گر گر پڑے بے پیر
لاکھوں تھے پہ روکی نہ گئی ضربتِ شمشیر
اسوار جو نامی تھے وہ توسن سے جدا تھے
ہر ضرب میں اسواروں کے سر تن سے جدا تھے

۹۷
بیکار تھیں اعدا کی کمانیں دمِ پیکار
چلوں کو اڑاتی تھی جو ہر دور میں تلوار
آفت کا نشانہ تھے وہ کجباز خطاکار
حیرانی سے منہ تکوں کے رہ جاتا تھا سوفار
پامال ہر اک ظالمِ سرکش نظر آیا
نے تیر نظر آئے نہ ترکش نظر آیا

۹۸
گھوڑے کو اڑاتے جو سواروں کے پروں پر
جب جاتے تھے وار کو روکیں سپروں پر
نعل اس کے مہِ نو سے چمکتے تھے سروں پر
اک برقِ غضب گرتی تھی بیدادگروں پر
اڑ جاتی تھی گرتی تھی نکل جاتی تھی سن سے
سر تن سے سپر ہاتھ سے اور روح بدن سے

۹۹
تلوار پڑی شاہ کی جس دشمنِ دیں پر
گردن سے لگی سینہ پہ اور سینہ سے زیں پر
اکثر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ جبیں پر
اسوار تھے گھوڑوں پہ تو گھوڑے تھے زمیں پر
تھا شور کہ اعجاز ہے یہ ضرب نہیں ہے
ہے قہرِ خدا اسے دو جہاں حرب نہیں ہے

۱۰۰

بجلی سی جو گر کر وہ صف جنگ سے نکلی
اسوار کے سر پر جو پڑی تنگ سے نکلی
فریاد کی آواز دل سنگ سے نکلی
سینے میں در آئی تو عجب رنگ سے نکلی
چھوڑا جسے مقتل میں لہو چاٹ کے چھوڑا
پایا جسے اس تیغ نے سر کاٹ کے چھوڑا

۱۰۱

جس شانے کے شانے پہ پڑی شانہ جدا تھا
پیکر سے جدا نعرۂ شیرانہ جدا تھا
پہنچے ملک آ پہونچی تو دستانہ جدا تھا
اپنوں سے ہر اک صورت بیگانہ جدا تھا
اس جنگ میں بھائی کو نہ بھائی کی خبر تھی
ہاں تھی تو سر و تن کی جدائی کی خبر تھی

۱۰۲

غل فوج میں تھا حیدر صفدر کی دوہائی
مارو نہ ہمیں حضرت شبرؑ کی دوہائی
اللہ کی فریاد پیمبرؐ کی دوہائی
اکبرؑ کی دوہائی علی اصغرؑ کی دوہائی
عاجز ہیں علیؑ کے سر مجروح کا صدقہ
اب رحم کرو فاطمہؑ کی روح کا صدقہ

۱۰۳

ناگاہ صدا آئی نبیؐ کی کہ مری جان
دشمن کی بھی مشکل کو لعیں کرتے ہو آسان
اس ہاتھ کے اس ضرب کے اس تیغ کے قربان
امت پہ کرو رحم کہ مجھ پہ ہے یہ احسان
خالق سے دم راز و نیاز آیا ہے بیٹا
سجدے کو جھکو وقت نماز آیا ہے بیٹا

۱۰۴

یہ سنتے ہی سب اسلحہ حضرت نے اتارا
تھے دور جو قاتل انہیں اس طرح پکارا
اور گھوڑے سے اترا اسد اللہ کا پیارا
اب ہاتھ کسی پر نہیں اٹھے گا ہمارا
سر دینے کو موجود امام دوجہاں ہے
بھجوائے خنجر ہے کہاں شمر کہاں ہے

۱۰۵

گھوڑوں سے یہ سنکر کئی ملعون اتر آئے
کچھ تیروں کو چلوں سے کمانوں کو ملائے
نیزہ کوئی تو لے کوئی شمشیر لگائے
قتل شہ بیکس پہ قدم سب نے اٹھائے
یاں ٹوک نہ سکتا تھا کوئی تشنہ دہاں کو
یاں لے لیا حلقے میں امام دوجہاں کو

۱۰۶

اک جان کے خواہاں تھے ستمگار ہزاروں
اک جسم تھا اور نیزۂ خونخوار ہزاروں
اک کعبہ پہ چڑھ آئے تھے کفار ہزاروں
گھیرے ہوئے اک پھول کو تھے خار ہزاروں
سر کھولے ہوئے فاطمہؑ چلاتی تھیں رن میں
خورشید جہاں تاب تھا تیروں کی کرن میں

۱۰۷

تلواروں سے زخمی ہوئی پیشانی و گردن
دیکھے جو گل باغ شفاعت دم مردن
تیغوں سے ہوئے شل زرہ جسم میں روزن
زخم تبر و تیر کے پھیلا دیے دامن
افراط جراحت سے یہ تھا رنگ بدن کا
ہر عضو تھا اک پھول شہادت کے چمن کا

۱۰۸

تھا عصر کا ہنگام کہ حضرت کو غش آیا
خنجر کو لعیں حلق کے نزدیک جو لایا
سجدے میں سنبھل کے سر انور کو جھکایا
زہراؑ کی صدا آئی کہ ہے ہے مرا جایا
قاتل کو تو کچھ منہ سے نہ فرماتی تھی زہراؑ
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتی تھی زہراؑ

۱۰۹

گردن پہ جو خنجر کو ستمگار نے رکھا
حضرت نے اشارہ کیا اک لحظہ ٹھہر جا
بے رحمی سے جلاد نے پوچھا سبب اس کا
فرمانے لگے رو کے شہِ بیکس و تنہا
برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلے پر
اماں نے گلا رکھ دیا ہے میرے گلے پر

۱۱۰

کس منہ سے کہوں ذبح کیا شاہ کو کیونکر
کاٹی ہے بس اتنا کہ چلا حلق پہ خنجر
سر لے کے ہٹا پاس سے جب شمر بد اختر
ریتی پہ تڑپنے لگا شہ کا تنِ بے سر
لاشے پہ ادھر لوٹ پڑی فوج شقی کی
لٹنے لگی پوشاک حسینؑ ابن علیؑ کی

۱۱۱

ناگاہ درِ خیمہ سے زینبؑ نکل آئی
چلائی کہ یا حیدرؑ کرار دہائی
خیمے سے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
ہاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
لپٹی جو بہن دوڑ کے بھائی کے جسد سے
تھا شور کہ زہراؑ نکل آئی ہے لحد سے

۱۱۲

خاموش انیسؔ اب کہ بہت رونے کا ہے جوش
ہوگی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
اللہ نے بخشی ہے جنھیں چشم خطا پوش
کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل و ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف
کب اہل سخن مانتے ہیں عام کی تعریف

تمام شد

سلام

۱
دل سیر ہے گدائے جناب امیرؑ کا
خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا

۲
مطلب یہی ہے ہاتھ کی ہر اک لکیر کا
دامن نہ چھٹنے پائے جناب امیرؑ کا

۳
کیا پوچھتے ہو نام مرے دستگیر کا
بازو نبیؐ کا ہاتھ خدائے قدیر کا

۴
حافظ اگر ہو مدح جناب امیرؑ کا
شعلہ بجھا لے جسم میں کرتا حریر کا

۵
تھا حق پسند فقر جناب امیرؑ کا
اب تک ہے سجدوں میں بچھونا حصیر کا

۶
عاشق ہوں روئے پاک جنابِ امیرؑ کا
کعبے کی سرزمیں پہ ہے بستر فقیر کا

۷
کرسی نبیؐ کی عرش جنابِ امیرؑ کا
وہ شاہ کی جگہ یہ محل ہے وزیر کا

۸
کیا پوچھتے ہو مذہب و مشرب فقیر کا
شیشہ بغل میں ہے مئے خم غدیر کا

۹
گلشن میں سن کے زمزمہ پردازیاں مری
دم بند ہو گیا ہے مرے ہم صفیر کا

۱۰
معصوم سب ہیں جوشن بازوئے مصطفےٰؐ
یاں ایک مرتبہ ہے صغیر و کبیر کا

سلام

خنجر کا وار کھا کے وہ حق شناس نہ	۱۱	ٹکڑا نمک سے کھائے جو نان شعیر کا
یوں کشمکش جہت میں قاتل بشیر خوار کی	۱۲	بنتے ہیں جیسے روزے ہے تو مسا پیر کا
پیاسا ہوں ساقیا مجھے کوزہ کرم کی خیر	۱۳	بھر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا
احسان بوتراب کا گر دوش پہ بوجھ ہے	۱۴	سر کس طرح جھکا نہ رہے چرخ پیر کا
اشکوں سے لب بھگو دے مرے اے فرات چشم	۱۵	عادی ہوں میں طہارت آب کثیر کا
دست خیال حور نہ پہونچا کبھی جہاں	۱۶	اس دوش پر تھا پاؤں مرے دستگیر کا
پیری تو آچکی ہے مگر مہلت اے اجل	۱۷	کر لوں طواف قبر جناب امیر کا
حکم خدا سے قاسم ارزاق خلق ہیں	۱۸	سب ہاتھ دیکھتے ہیں مرے دستگیر کا
سبطین مصطفیٰ کو سمجھتے ہیں جو شبین	۱۹	دونوں میں ہے یہ پرتو صغیر و کبیر کا
یوں سمجھ لیں دل میں پڑے کی بات ہے	۲۰	نکلا کہاں سے ہاتھ جناب امیر کا
کیا رحم تھا کہ شیر الٰہی نے دو دیا	۲۱	جب آگیا خیال یتیم و اسیر کا
اس کے پسر کو پانی کا قطرہ بھی نہ ملا	۲۲	قاتل کو جس نے بھیج دیا جام شیر کا
جب مر گئے علی تو مدینہ میں شور تھا	۲۳	آج اٹھ گیا شفیق یتیم و اسیر کا
حیدر کے غسل میں یہ رونے لگے حسینؑ	۲۴	کاسہ دیا جو آپ نے قاتل کو شیر کا
پوچھے کوئی جو گھر تو یہ کہیو انیس	۲۵	ہے وادی السلام میں بستر فقیر کا

تمام شد

رباعی

لاریب کہ مظہر العجائب ہے علی
حقا کہ رسول حق کا نائب ہے علی
اللہ اللہ صورت ذات خدا
ہر جا حاضر ہے اور غائب ہے علی

تمام شد

مرثیہ ۱

کیا پیش خدا صاحب توقیر ہے زہرا
خاتون جناں مالک تطہیر ہے زہرا
ام الحسن و مادر شبیر ہے زہرا
سر تا بہ قدم نور کی تصویر ہے زہرا
شوہر کو جو پوچھو تو شہنشاہ عرب ہے
بیٹی ہے نبی کی یہ حسب ہے یہ نسب ہے

۲

عفت و شرافت میں وہ مریم سے سوا ہے
زینت کے لیے عرش پہ نام اس کا لکھا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ محبوب خدا ہے
وارث وہ ہے سب خلق کا جو عقدہ کشا ہے
بیٹے ہیں وہ دونوں کہ شفیع دو جہاں ہیں
اس طرح کے رتبے کسی بی بی کے کہاں ہیں

۳

اوصاف میں سب خلق اگر ایک زباں ہو
زہرا کی بزرگی نہ بیاں ہو نہ بیاں ہو
گر چاہیں کہ عصمت کا کچھ احوال عیاں ہو
گوشہ ہر مضموں پس پردہ ہی نہاں ہو
جس طرح سے حیراں ہیں بشر حمد خدا میں
عاجز ہیں اسی طرح سے زہرا کی ثنا میں

۴

تشویش میں جس کو ہنگام رقم ہے
تعریف جو کچھ ذہن میں آئی ہے وہ کم ہے
اس نور الٰہی کی ثنا بس کہ اہم ہے
سجادۂ قرطاس پہ سجدے میں قلم ہے
توصیف رخ ماہ سے ہے گنگ زباں سے
تحریر سے افزوں ہے زیادہ وہ بیاں سے

۵

ماں باپ پہ واجب نہیں فرزند کی تکریم
اس امر میں سب خلق پہ زہرا کو ہے تقدیم
لکھا ہے کہ جب آتی تھیں زہرا پئے تسلیم
خود اٹھ کے رسول عربی کرتے تھے تعظیم
الطاف محمد ہوں یہ جس باب کرم پر
دروازہ گرا دیں اسی بی بی کے شکم پر

۶

کیا حضرت خاتون قیامت کا ہے رتبا
وہ زاہدہ ہے فخر محمد کو ہے جس کا
کھاتی ہیں محمد کی قسم حضرت زہرا
ہے دامن پاک اس کا محمد کا مصلا
وہ روح سے طاہر ہے تو پاکیزہ ہے جاں سے
کوثر سے وضو کر لے تو لے نام زباں سے

۷

ہے اس کی ردا ابر کرم آیۂ رحمت
ہر تار ہے سر رشتۂ ایمان و شریعت
جو گوشہ ہے اس کا وہ ہے اک گوشۂ جنت
سب اس پہ نظر دوختہ ہیں بہر شفاعت
وہ حشر میں مومن کو بچائے گی غضب سے
ہو جائے گی طے راہ صراط اس کے سبب سے

۸

اس چادر انور کی بزرگی میں کہوں کیا
اک روز ہوا فاقہ ہم روزی پہ جو فاقا
تب پاس یہودی کے اسے رہن کو بھیجا
جو دیکھے تو در اس نے رکھی چادر زہرا
گھر ہو گیا پر نور تو حیراں ہوئے کافر
اسی بس اسی وقت مسلماں ہوئے کافر

۹

آفاق میں زہرا کا نہیں ہے کوئی ہمسر
زوجہ اسد اللہ کی اور بنت پیمبر
حوا کا شرف نور خدا عرش کا زیور
قرآں میں جسے یاد کرے خالق اکبر
ثانی کوئی زہرا کا نہ ہوگا نہ ہوا ہے
ہاں حضرت زینب کو جو کہیے تو بجا ہے

۱۰

ان کی بھی وہ عزت ہے جو زہرا کی ہے توقیر
سرکار کی سیرت وہی صورت وہی تقریر
لخت جگر شیر خدا صاحب تطہیر
مخدومۂ عالم شہ کونین کی ہمشیر
ممتاز کیا حق نے نواسی کو نبیؐ کی
عصمت بھی جو زہرا کی تو شوکت تھی علیؑ کی

۱۱

فاقوں میں شکایت کبھی لب تک نہیں آئی
سو شکر کیے نان جویں ایک جو کھائی
تھی آسیہ کا فخر ید اللہ کی جائی
فضہ کے عوض کرتی تھی خود آسیا سائی
جو پاس ہوا صرف کیا راہ خدا میں
زہرا کی طرح ہوتے تھے پیوند ردا میں

۱۲

بابا ہے ید اللہ تو نانا شہ لولاک
جن کے لیے پیدا کیے اللہ نے افلاک
مادر کا شرف جانتے ہیں صاحب ادراک
اس رشتے میں ہیں حضرت زینبؑ گہر پاک
ذی رتبہ خدیجہ جو ہیں زہرا کی طرف سے
ہر طرح فضیلت ہے انھیں ماں کی طرف سے

۱۳

اک صبح لب بام پس از طاعت داور
امت کی دعا مانگتی تھیں کھولے ہوئے سر
جب تک کہ نہ چہرے پہ لیا گوشۂ چادر
خورشید فلک شرم سے نکلا نہ فلک پر
اعدا نے جو تاراج کیا گھر کو نبیؐ کے
سر ننگے پھریں بعد حسینؑ ابن علیؑ کے

۱۴

ماں باپ نے جو رنج و الم خلق میں پائے
سب زینبؑ غمدیدہ کے حصے میں وہ آئے
فاقے بھی کیے میوۂ فردوس بھی کھائے
عزت بھی ملی اور مصائب بھی اٹھائے
ملتا تھا چلن فاتح خیبر کے چلن سے
بولی نہیں باندھے گئے بازو جو رسن سے

۱۵

جب خلق سے وقت سفر فاطمہ آیا
تب زینبؑ و شبیرؑ کو پاس اپنے بلایا
رو دیں بہت اور بیٹے کو چھاتی سے لگایا
زینبؑ کے دیا ہاتھ میں ہاتھ اور یہ سنایا
اے زینبؑ بیکس مری دولت سے خبردار
محبوب الٰہی کی امانت سے خبردار

۱۶

بیٹی اسے زہرا نے بڑے دکھ سے ہے پالا
ہے روح مرے جسم کی یہ گیسوؤں والا
سمجھی اسے آنکھوں کا ضیا گھر کا اجالا
حجرے سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا
سوئی ہوں تو پہلے اسے سوتی میں سلا کر
جاگی بھی جو سوتی ہے گودی میں لٹا کر

۱۷

یہ خیر سے جس سال کے گھٹنوں سے چلنے
میں چھوٹے سے تلوؤں سے لگی آنکھوں کو ملنے
جب نام خدا یہ لگے اٹھ اٹھ کے سنبھلنے
دی طاقت رفتار بھی خلاق ازل نے
ہر گام پہ سایہ کی طرح پیچھے پھری ہوں
ٹھوکر بھی جو کھائی ہے تو میں ساتھ گری ہوں

۱۸

شانے سے کبھی ٹوٹتا تھا زلف کا گر بال
کرتی تھی پریشانی خاطر مجھے بے حال
اک دن خط ہیکل سے جو گردن ہوئی تھی لال
رخ زرد تھا تر ہو گیا تھا اشکوں سے رومال
کرتے کا گریباں جو ذرا تنگ ہوا تھا
دم گھٹنے سے مرا یاد ہے کیا رنگ اڑا تھا

۱۹

اے لاڈلی اس لال کا دشمن ہے زمانہ
تکلیف بھی سہ لیجو ایذا بھی اٹھانا
شبیرؑ کو ہر اک نظرِ بد سے بچانا
صدقے گئی مادر کی وصیت نہ بھلانا
ہر رنج میں اس بھائی کے کام آئیو زینبؑ
جائے یہ جدھر ساتھ چلی جائیو زینبؑ

۲۰

زہرا نے جو ارشاد کیا تھا دمِ رحلت
دن رات یہاں تک رہی سرگرمِ اطاعت
بھولی نہ کسی وقت وہ مادر کی وصیت
شاہِ شہدا بھول گئے ماں کی محبت
شفقت سے نظر کرتے تھے ہر آن بہن پر
دو ماں پہ تصدق تھی یہ قربان بہن پر

۲۱

تھیں بھائی کے آرام کی ہر وقت طلب گار
جانے کا کہیں قصد جو کرتے شہِ ابرار
سوتے تھے جو شبیرؑ تو رہتی تھی یہ بیدار
رکھ دیتی تھی خود جھاڑ کے نعلین وہ غمخوار
شہ کہتے تھے شرمندہ مرا دل کرتی ہو بہنا
کیوں بھائی کو ہر بار خجل کرتی ہو بہنا

۲۲

کہتی تھی یہ زینبؑ کہ مرا فخر ہے بھائی
عزت انھیں قدموں کی بدولت تو ہے پائی
کیا ہو گیا بہنا نے جو نعلین اٹھائی
چھوٹی ہوں میں گو ہوں اسد اللہ کی جائی
تم سر پہ بہن کے شہِ مرداں کی جگہ ہو
فرماتے تھے شبیرؑ کہ تم ماں کی جگہ ہو

۲۳

مشہور ہے شیدائے برادر وہ خوش اوقات
فرزندوں پہ طفلی سے یہ تاکید تھی دن رات
بے مرضیِ شبیرؑ نہ کرتی تھی کوئی بات
ماموں کی غلامی میں ہو جوڑے ہوئے ہات
صدقے گئی خادم ہیں ملک سبطِ نبیؐ کے
تم یہ نہ سمجھو کہ نواسے ہیں علیؑ کے

۲۴

محبوب الٰہی کے برابر انھیں سمجھو
صدقے گئی سب خلق سے بہتر انھیں سمجھو
ہم مرتبۂ حیدرِ صفدر انھیں سمجھو
آقا انھیں مالک انھیں سرور انھیں سمجھو
فرزندوں کو ماں باپ سے کیا ملتا ہے پیارو
انھیں ہی کے ملنے سے خدا ملتا ہے پیارو

۲۵

سر ماموں کے قدموں پہ جھکانے میں شرف ہے
رومال کھڑے ہو کے ہلانے میں شرف ہے
نعلین کو آنکھوں سے لگانے میں شرف ہے
خادم کی طرح ہاتھ دھلانے میں شرف ہے
تسلیم کو جھکنا ہے عبادت کے برابر
آقا کی اطاعت بھی ہے طاعت کے برابر

۲۶

آقا ہے حقیقت میں خداوندِ مجازی
کر سکتے ہیں کیا دشمنِ سلطانِ حجازی
پڑتا ہے برا وقت تو سر دیتے ہیں غازی
جو مرد ہیں خبروں سے وہ لیجاتے ہیں بازی
کس جنگ میں تلوار چلی نہیں اُن کی
لاکھوں سے کبھی آنکھ جھپکتی نہیں ان کی

۲۷

نامرد برے وقت میں ٹل جاتے ہیں پہلے
رونے کو پرے سے وہ نکلجاتے ہیں پہلے
ہتھیار دلیروں ہی کے چل جاتے ہیں پہلے
آنچ آتی ہے آقا پہ تو جل جاتے ہیں پہلے
سینوں کو سپر کرتے ہیں تلوار کے آگے
پیچھے تو وہ ہوتا ہے یہ سردار کے آگے

۲۸
بجلی کی چمک گرد تھی تیغوں کی چمک سے
لرزا ہوا میداں بھی کمانوں کی کڑک سے
چنگاریاں اڑتی تھیں سنانوں کی چمک سے
تیر آتے تھے یوں جیسے شہاب آئے فلک سے
اک دن ہوئے سب قتل شہ تشنہ دہن پر
حملہ کیا دو لاکھ نے ہشتاد و دو تن پر

۲۹
پالے سے بھی نکلے گئے مردان ذوی القدر
دکھلا دیا انداز وغائے احد و بدر
واں ایک پہ گرتے تھے ہزار آکے یہ تھا غدر
شمشیر و سناں سے ہوئے مجروح سر و صدر
حملے کیے شیروں کی طرح برچھیاں کھا کر
گر گر پڑے گھوڑوں سے ہزاروں کو گرا کر

۳۰
مارے گئے مولا کے جو انصار و موالی
جس دم وہ چلے رونے لگے سرور عالی
تب حضرت مسلم کے یتیموں نے رضا لی
اک حملے میں دونوں نے پرے کر دیے خالی
تھا غلغلۂ دار و بگیر اہل ستم میں
برپا تھا تلاطم حرم شاہ امم میں

۳۱
بیتابی سے تھا حضرت زینبؑ کا عجب حال
رعشہ تھا تن زار میں خورشید کی تمثال
تسبیح تو تھی ہاتھ میں بکھرا دیے تھے بال
حق سے یہ دعا تھی کہ بچے فاطمہؑ کا لال
لب خشک تھے رخ زرد پسینہ تھا جبیں پر
چادر سر اطہر کی لٹکتی تھی زمیں پر

۳۲
پھرتی تھی کبھی صحن میں کرتی ہوئی نالے
تلواریں چمکتی تھیں نظر آتے تھے بھالے
در پر کبھی جاتی تھی کلیجے کو سنبھالے
کہتی تھی کہ یارب مرے بھائی کو بچا لے
زینبؑ پہ ستم ہو شہ دلگیر کے بدلے
فرزندوں کو دیتی ہوں میں شبیرؑ کے بدلے

۳۳
اتنے میں خبر آکے جو فضہ نے سنائی
یہ سنتے ہی زردی سی رخ پاک پہ چھائی
ہوتی ہے مسلم کے یتیموں سے جدائی
فرمایا نصیحت مرے بچوں نے بھلائی
میں بھی کی امداد دعا کرتے ہیں دونوں
کس شغل میں مصروف ہیں کیا کرتے ہیں دونوں

۳۴
ماموں پہ یہ آفت ہے اور ان کو نہیں کچھ دھیان
بن باپ کے بچے تو سدھارے سوئے میداں
اب صدقے نہ ہوں گے تو کب ہوویں گے قرباں
ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں ناداں
تب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھ سے
ہاں دودھ انہیں باتوں پہ بخشاتے تھے مجھ سے

۳۵
وہ کیا تھا جو دونوں یہ کیا کرتے تھے تقریر
اب کیا ہے جو مر جانے میں وہ کرتے ہیں تاخیر
ہو جائیں گے ہم پہلے نثار سر شبیرؑ
شرمندہ ہوئی بھائی سے ہے ہے مری تقدیر
وہ جانے نہ دیتے تھے اگر ذبح ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر

۳۶
اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں
کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں
پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اٹھائیں
پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مر گئی آباد کریں باپ کے گھر کو

۳۷

یہ کہتی تھی جو شور ہوا فوج میں اک بار
پھر جا کے خبر لائی یہ فضہ جگر افگار
گھرتے ہوئے تلواروں سے مسلم کے بھی دلدار
روتے ہیں بھتیجوں کے لیے سید ابرار
سب خورد و کلاں فوج کے نرغے میں گھرے ہیں
رخصت کے لیے ماموں کے قدموں پہ گرے ہیں

۳۸

فرماتے ہیں شبیر کہ خیمے میں تو جاؤ
یہ داغ بھی سہ لیں گے تم آنسو نہ بہاؤ
قدموں سے اٹھو سر مری چھاتی سے لگاؤ
منظور جدائی ہے تو مادر سے مل آؤ
وہ کہتے ہیں منہ ان کو دکھانے کے نہیں ہم
اماں ہیں خفا خیمہ میں جانے کے نہیں ہم

۳۹

یہ سنتے ہی بشاش ہوئی زینبؑ ذیجاہ
امید بر آئی مری المنۃ للہ
فرمایا مبارک ہو سدھارے سوئے جنگاہ
وصا جواب مرنے کو جاتے ہیں مرے ماہ
رخصت ہی کا ملتی تھی تامل یہ فقط تھا
سمجھی تھی جو کچھ میں وہ گماں میرا غلط تھا

۴۰

دو تو نہیں سر ماموں کے قدموں سے اٹھاتے
ملتی جو اجازت تو گلے پہلے کٹاتے
ہیں آخری وقت اور بھی پیار دلاتے
کیا صاحب غیرت ہیں کہ گھر تک نہیں آتے
ڈر ہے کہ بھتیجوں کے لیے روئیں گی اماں
ہم جائیں گے زندہ تو خفا ہوئیں گی اماں

۴۱

بانو نے کہا پھر انھیں چھاتی سے لگاؤ
کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا خیر بلاؤ
بے رحم کی جا رحم اب ان پیاسوں پہ کھاؤ
کہہ دے کوئی بے ماں سے ملے رن کو نہ جاؤ
تم سے ابھی کچھ کام ہے سن لوگے تو جانا
کچھ نانی کا پیغام ہے سن لوگے تو جانا

۴۲

فضہ نے بلایا تو وہ میدان سے آئے
چھاتی سے لگانے کے لیے ہاتھ بڑھائے
دیکھا انھیں ماں نے کہ سروں کو ہیں جھکائے
وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے
ہم دیر سے رخصت کے طلبگار تھے اماں
تقصیر ہماری نہیں ناچار تھے اماں

۴۳

فرزندوں کے اس عجز پہ رقت کا ہوا جوش
لپٹا لیا چھاتی سے انھیں کھول کے آغوش
چھاتی امنڈ آئی تھی مگر رہ گئی خاموش
فرمایا میں آزردہ نہیں کھوئے ہو کیوں ہوش
جی بھر کے نہ دیکھا تھا سو دیکھا انھیں میں نے
پیاسے ہو تو لو دودھ بھی بخشا تمھیں میں نے

۴۴

مرنے کو چلے جان نہ کی ماموں سے پیاری
تھی آگے تو ماں آج سے لونڈی ہوں تمھاری
آؤ مجھے قربان تو ہو لینے دو واری
مادر سے وہ کہنے لگے با گریہ و زاری
افراط محبت سے یہ گفتار نہ کیجیے
تاخیر غلاموں کو گنہگار نہ کیجیے

۴۵

جھک جھک کے بجا لائے جو وہ آخری آداب
دروازے تلک ساتھ گئی مضطر و بیتاب
اس وقت تو زینبؑ کی بھی آنکھیں ہوئیں پرآب
گھوڑوں پہ چڑھے دونوں سجے جنگ کے اسباب
چلائی یہ مادر کہ خدا حافظ و ناصر
بولے وہ دلاور کہ خدا حافظ و ناصر

۴۶
جنگاہ میں گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے آئے
نیزوں کو دلیرانہ ہلاتے ہوئے آئے
شان اپنی سواری کی دکھاتے ہوئے آئے
ایمان سوئے کفر جتاتے ہوئے آئے
لرزہ تھا شجاعوں کو دلیروں کی نظر سے
نکلے کہ صف فوج کو شیروں کی نظر سے

۴۷
دو شیر چلے جاتے تھے اس فوج کو رولے
سب پیچھے ہٹے جاتے تھے تلواروں کو تولے
کیا منہ تھا جو ہم مارے کوئی یا کوئی بولے
سدھ تھی نہ کسی کو جو سپر پشت سے کھولے
غالب ہوا رعب انکا ہر اک تیغ لعب پر
جس صف پہ گرے یہ وہ گری دوسری صف پر

۴۸
غل تھا کہ خوشا حسن زہے دبدبہ و جاہ
اک غیرت افلاک شرافت کا تو اک ماہ
لڑکے ہیں کہ دو شیر ہیں العظمۃ للہ
دیکھے انھیں یعقوب تو یوسف کی ہو چاہ
کیا نور ہے کرتے ہیں جو رخ اشک کیں پر
دو صاعقے گرتے ہیں اک بار زمیں پر

۴۹
ان بردوں پہ دیکھو یہ پیشانیوں کی ضو
تشبیہ کی خاطر میں زباں آتے ہیں سو سو
دو بدر نظر آتے ہیں اور چار مہ نو
یہ برق تجلی ہے کہ رخساروں کا پرتو
کیوں کر نہ زمیں فخر کرے عرش بریں پر
ذرے نہیں چمکے یہ ستارے ہیں زمیں پر

۵۰
بوٹا سا تو قد پھول سے منہ چاند سے رخسار
نرگس انھیں آنکھوں کے تصدق میں ہے بیمار
پیچیدہ ہیں سنبل کی طرح گیسوئے خمدار
دونوں میں ہے بھرپور فاعتبروا یا اولی الابصار
مردم ہیں سیہ پوش یہ سامان عزا ہے
آنکھوں سے نظر آئے نہ ماں کو تو بجا ہے

۵۱
ایں حسن و لطافت یہ سراپا ہیں قرینے
پتلی کمریں گل سے بدن چاند سے سینے
گویا ہیں یہ لب خاتم قدرت کے نگینے
اس طرح کے سینے کبھی دیکھے ہیں کسی نے
آئینے کو نسبت ہے نہ یاں صفا میں
مہتاب سے روشن ہیں گریبان قبا میں

۵۲
بولا کوئی سینوں کو نہ رخساروں کو دیکھو
چھوٹی سپریں چھوٹی سی تلواروں کو دیکھو
حسن ایک طرف دونوں کے اطواروں کو دیکھو
نظروں سے چھپے جاتے ہیں رہواروں کو دیکھو
گھوڑے ہیں کہ رستا ہے خدا جانے یہ کیا ہیں
طاؤس ہیں بجلی ہیں چھلاوہ ہیں ہوا ہیں

۵۳
لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ جانباز پکارے
ہم وہ ہیں کہ جب ہولے ہیں میداں میں اتارے
لڑتا ہو جسے سامنے آ جائے ہمارے
رستم کو بھگا دیتے ہیں تلواروں کے مارے
بے قہر خدا اٹھ وہ جھپٹ حرب ہماری
رکتی نہیں دشمن سے کبھی ضرب ہماری

۵۴
توڑا ہے جنھوں نے در خیبر وہ ہمیں ہیں
جو سارے شجاعوں پہ ہے ور وہ ہمیں ہیں
مشہور جو ہیں قاتل عنتر وہ ہمیں ہیں
اور جن کی ہے شمشیر دو پیکر وہ ہمیں ہیں
ہر وقت ہے ثابت قدمی ساتھ ہمارے
چھوٹے نہیں قبضوں سے کبھی ہاتھ ہمارے

۵۵

جنگِ احد و بدر کو کس طرح کیا سر
دم میں حرمِ کعبہ سے بت کر دیے باہر
خندق کی لڑائی میں چڑھا کوئی نہ منھ پر
صفین میں لشکر کی صفیں ہو گئیں بے سر
ہم صور ہیں میکائیل و اسرافیل سے پوچھو
ان ہاتھوں میں کیا زور ہے جبریلؑ سے پوچھو

۵۶

عاجز نہیں گو ہے تعب تشنہ دہانی
دنیا میں کوئی آج ہمارا نہیں ثانی
للکاریں تو ہو جائے جگر شیر کا پانی
ہیں فضلِ الٰہی سے ہمیں دین کے بانی
معبود کی طاعت کا سر انجام نہ ہوتا
ہم ہوتے نہ دنیا میں تو اسلام نہ ہوتا

۵۷

دادا میں جو قوت تھی وہ طاقت بھی ہے ہم میں
وہ دبدبہ وہ شان وہ شوکت بھی ہے ہم میں
ہے زور بھی نانا کا شجاعت بھی ہے ہم میں
اور ماموں کی مظلومی و غربت بھی ہے ہم میں
چھوٹے ہیں یا حقیقت میں پہ حاصل ہے برابر
رتبے میں تو قرآن و حمائل ہے برابر

۵۸

خیبر سا جو در وا دہ کوئی ہو تو اکھاڑیں
جوں نقشِ فنا جیشِ اعدا کو بگاڑیں
مرحب سا جواں سامنے آوے تو پچھاڑیں
در آئیں اگر کوہ میں ان نیزوں کو گاڑیں
کچھ دھیان میں ہیں لاتے نہیں لشکر کو کسی کے
ہم اور نہیں کوئی نواسے ہیں علیؑ کے

۵۹

کہہ کر یہ رجز دونوں نے جولاں کیے گھوڑے
غل تھا کہ خبردار کوئی منھ کو نہ موڑے
چلے ہیں ادھر تیر کمان داروں نے جوڑے
تم دونوں بہادر ہو تو ہم بھی نہیں تھوڑے
یاں مار کے تلواریں گرا دیتے ہیں تم کو
یا نیزوں کی نوکوں پہ اٹھا لیتے ہیں تم کو

۶۰

یہ سن کے صفیں بڑھنے لگیں دشتِ بلا سے
دل ہل گئے نقارۂ رزمی کی صدا سے
لہرائے نشانوں کے پھریرے بھی ہوا سے
لشکر میں در آئے شہِ مرداں کے نواسے
نعروں کا دلیروں کے گیا شور فلک پر
تیغوں کی چمک پھیلی تھی بجلی کی چمک پر

۶۱

اسوار چلے جاتے تھے نیزوں کو سنبھالے
ہمت سے بڑھاتے تھے قدم برچھیوں والے
تھا شور کہ رکھ دیتے ہیں یہ سینوں پہ بھالے
پر رک نہ سکے تھے شاہ کی آغوش کے پالے
دو دن سے تھے پیاسے پہ غضب لڑتے تھے دونوں
جو روکتا تھا شیر سے جا لڑتے تھے دونوں

۶۲

بجلی سے کبھی یاں تو کبھی واں نظر آئے
جب پیچھے اسواروں کے بالائے سر آئے
غارت کیا اس صف کو تو اس غول پہ آئے
سر تک نہ گرا آئے کہ وہ تا کمر آئے
پاس آ نہ سکے ان کی کمک کرنے کو جو تھے
جلدی میں کرے ہے جو کھنچا ہاتھ تو دو تھے

۶۳

وہ چھوٹی سی تیغیں تھیں کہ تھا قہرِ الٰہی
بھاگے چلے جاتے تھے نمودار سپاہی
آفت تھی پیادوں پہ سواروں پہ تباہی
پرزے تھے زرہ پوشوں کے تن صورتِ ماہی
لشکر تنِ کفار سے سر دور ہوئے تھے
چار آئینے شیشوں کی طرح چور ہوئے تھے

۶۴
بھاگڑ تھی سواروں میں پسے جاتے تھے پیدل
جس غول پہ وہ شیر چلے پڑ گئی ہلچل
تلواروں سے پھٹ پھٹ گیا تھا دھواں کا بادل
دولی تھی ہر اک حملے میں رہواروں کی کھلبل
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتے تھے دونوں
ہر غول پہ پرکار سے پھر جاتے تھے دونوں

۶۵
تلواروں سے پرزے تھیں سیہ کاروں کی ڈھالیں
ناگن کی طرح ڈستی تھیں ان نیزوں کی بھالیں
سب کہتے کہ خود سنبھلیں کہ ہتھیار سنبھالیں
فرصت نہیں ترکش سے جو تیروں کو نکالیں
بھاگیں تو کسی گوشے میں جانا نہیں ملتا
سوفاروں سے چلوں کو ملانا نہیں ملتا

۶۶
ہاتھوں سے شجاعوں کے گرے پڑتے تھے ہتھیار
لشکر میں جو تھے شہرۂ آفاق گیا نمدار
دہنے میں تو لیتے تھے سپر بائیں میں تلوار
خود بنتے تھے تیروں کا نشانہ وہ خطاکار
رعشہ تھا سراپا کو تو لغزش تھی نظر کو
پیکاں تو ادھر رکھتے تھے سوفار ادھر کو

۶۷
جب آن پڑی برچھیوں والوں سے لڑائی
تنہا میں دکھاؤں انھیں ہاتھوں کی صفائی
چھوٹے نے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
یہ کہتے ہی رہوار کی باگ اس نے اٹھائی
کثرت سپہ شام کی کم کر کے پھر آیا
اک حملے میں نیزوں کو قلم کر کے پھر آیا

۶۸
دم لیتا تھا جب ایک ہزاروں کو بھگا کر
پھر آتا تھا جب وہ انھیں دریا سے ہٹا کر
تب دوسرا گرتا تھا کمانداروں پہ جا کر
جاتا تھا پیادوں پہ یہ گھوڑے کو اڑا کر
اسواروں سے ہمت کی عناں چھوٹ گئی تھی
پیدل تھے کہ لشکر کی کمر ٹوٹ گئی تھی

۶۹
عباسؑ صدا دیتے تھے ہاں اے مرے شیرو
لڑتے ہو عجب شان سے شاباش دلیرو
قابو سے نکل جانے نہ دو پھر انھیں گھیرو
سرگرد لڑائی تو ادھر گھوڑوں کو پھیرو
اس جنگ کی چرچے میں بڑی دھوم پڑی ہے
ہاں دیکھیو یہ چھائی سے نکلنے کی گھڑی ہے

۷۰
عباسؑ علمدار تو کرتے تھے یہ تقریر
فرماتے تھے کچھ مجھکو بن آتی نہیں تدبیر
روتے تھے کلیجے کو سنبھالے ہوئے شبیرؑ
میداں سے بلاؤں تو خفا ہوں گی ہمشیر
کیا صاحب شمشیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے
پالے ہوئے دو شیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے

۷۱
ہمشکل پیمبر انھیں تم پھیر کے لاؤ
عباسؑ علیؑ عونؑ و محمدؑ کو بلاؤ
قاسمؑ مرے پیاروں کی مدد کرنے کو جاؤ
کہدو کہ برا حال ہے ماموں کا اب آؤ
سایہ ہیں علم کے مرے پاس آن کے دم لو
پھر جا کے لڑو تھیں رد کون تو تم لو

۷۲
تھے مضطر و بیتاب ادھر حضرت شبیرؑ
سر کھولے تھی قبلہ کی طرف شاہ کی ہمشیر
اور بیبیاں دروازوں پہ تھیں مضطر و دلگیر
ہاتھ اپنا ملے ہاتھ پہ کرتی تھی یہ تقریر
بابا مرے ابھی اصغرؑ و اکبرؑ نہ جدا ہوں
یا رب مرے بچے مرے بھائی پہ فدا ہوں

۷۳

سن چھوٹے ہیں فاقے سے ہیں اور تشنہ دہن ہیں
بچھڑے ہوئے ہیں باپ سے آوارہ وطن ہیں
پابند مصیبت ہیں گرفتار محن ہیں
بندے ہیں ترے فدیۂ سلطان زمن ہیں
اسکی نہیں طالب کہ دولت مری بچ جائے
عزت سے یہ مر جائیں تو عزت مری رہ جائے

۷۴

سب بیبیاں کہتی تھیں یہ کیا کرتی ہو ارشاد
دنیا میں سدا گود تمہاری رہے آباد
دشمن کو بھی خالق نہ دکھائے غم اولاد
برباد ہوں ہاتھوں سے انھیں کے ستم ایجاد
ہو رنج کا قاتل شہ امام دو جہاں ہوں
وہ دونوں پسر ماں کے سایے میں جواں ہوں

۷۵

وہ دن ہو کہ ان دونوں کا تم بیاہ رچاؤ
گرد ان کے پھرو آنکھوں سے سہرے کو لگاؤ
شادی کے انھیں خلعت شاہانہ پنھاؤ
دو چاند سی گھر میں دلھنیں بیاہ کے لاؤ
وہ کہتی تھی قسمت میں تو بربادی ہے لوگو
ماں ہو کے یہ وہ صدقے ہوں یہی شادی ہے لوگو

۷۶

میں شاد ہوں بیٹوں نے نکالے مرے ارمان
چہروں پہ سب شملوں کے کٹے پیچوں کی کیا شان
زینب کو چلے حق نے چڑھایا انھیں پروان
ان چہروں کے صدقے میں اور ان شیروں کے قربان
جاگے ہوئے ہیں شب کے گرے پڑتے ہیں دونوں
میداں میں تو دے بنے لڑتے ہیں دونوں

۷۷

تلواروں سے مجروح ہوں یا برچھیاں کھائیں
اس دم مرا دل دیتا ہے دونوں کو دعائیں
ممکن نہیں جیتے جو وہ میدان سے آئیں
لے آئے کوئی چھوٹے سے ہاتھوں کی بلائیں
ڈیوڑھی سے صدا اپنی سنائیں گی نہیں میں
چاہیں کہ بلاؤں سو بلاؤں گی نہیں میں

۷۸

یہ ذکر تھا جو شور اٹھا دشت وغا سے
کیا چھاتیوں پر برچھیاں ماری ہیں دغا سے
وہ قتل ہوئے شبیر الٰہی کے نواسے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو روز کے پیاسے
دیکھے انھیں کہہ دے کوئی حضرت کی بہن سے
پھولی سی زبانیں نکل آئی ہیں دہن سے

۷۹

ان شیروں نے لشکر کے نوداروں کو مارا
پامال پیادے کیے اسواروں کو مارا
لیکن کہا پسر سعد نے ہم خواروں کو مارا
ساونتوں کو پسپا کیا جراروں کو مارا
آئے تھے حمایت کو حسینؑ ابن علیؑ کی
ان چھوٹے سے ہاتھوں نے بڑی تیغ زنی کی

۸۰

ہاں اسلحے کو دونوں کے اب لوٹنے والو
پٹکوں کی گرہ کاٹ کے شمشیر نکالو
یہ تیغ ان دونوں کے قبضوں سے چھڑا لو
ان چھوٹے سے شملوں کو سرہانے سے اٹھا لو
اب کھینچے ہوئے تیغ دودم آئیں گے شبیرؑ
سر پیٹتے ان لاشوں کو لیجائیں گے شبیرؑ

۸۱

یہ سنتے ہی جتاں کو شبیرؑ پکارے
زینبؑ نے کہا خورد ہے دریا کے کنارے
دو زرد کو مرے بھائی سے بھا گئے دنیا سے سدھارے
لو گو مرے فرزندوں نے سر ہا سو تیغ دارے
التفات و کرم دونوں پہ فرماتے ہیں شبیرؑ
لاشوں کو اٹھانے کے لیے جاتے ہیں شبیرؑ

۸۲

اے بیبیو کیوں بیٹھی ہو خیمے میں تو جاؤ
دولہا ہیں وہ مسندیں جلدی سے بچھاؤ
میداں سے برات آئی ہے آنسو نہ بہاؤ
ڈیوڑھی پہ جو آئی ہو سواری تو بلاؤ
باجوں کا یہ غل ہے کہ سنائی نہیں دیتا
مجھ کو تو کچھ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا

۸۳

فضہ گئی اور پلٹی میدان سے آئی
حیدرؑ کے نواسوں نے تو جان اپنی گنوائی
رو کر یہ خبر زینبؑ بیکس کو سنائی
اب ہوتی ہے لاشوں کے اٹھانے پہ لڑائی
باندھیں ہیں صفیں شاہ کو آنے نہیں دیتے
معصوموں کے مردے بھی اٹھانے نہیں دیتے

۸۴

شبیرؑ بھی کھینچے ہوئے تلوار کھڑے ہیں
ہمشکل نبیؐ لڑنے کو تیار کھڑے ہیں
بپھرے ہوئے عباسؑ علمدار کھڑے ہیں
قاسمؑ بھی سنبھالے ہوئے ہتھیار کھڑے ہیں
یہ کہتے ہیں جس طرح سے دو گے ابھی لیں گے
وہ کہتے ہیں سروں کے یہ لاشوں کو نہ دیں گے

۸۵

یہ سنتے ہی خیمے میں تلاطم ہوا اک بار
چلائی کہ بس صدقے ہو یا سید ابرار
در پہ گئی گھبرائی ہوئی زینبؑ ناچار
بھجواؤ مجھے بچوں کی لاشیں نہیں درکار
زخمی ہوئے گر آپ تو مر جاؤں گی بھائی
سر پیٹتی ڈیوڑھی سے نکل آؤں گی بھائی

۸۶

تم کو علی اکبرؑ کی قسم خیمے میں آؤ
صدقے کیے بیٹے مجھے تم شکل دکھاؤ
لاشے جو اٹھانے نہیں دیتے نہ اٹھاؤ
میداں سے بھتیجوں کو مرے پھیر کے لاؤ
کس واسطے حضرت چلے آتے نہیں گھر میں
جو دیتے ہیں صدقہ وہ لاتے نہیں گھر میں

۸۷

معلوم ہوا مارے گئے برچھیاں کھا کر
میں ان کو نہ رکھ چھوڑتی چھاتی سے لگا کر
بچے نہیں جو ماں سے لپٹ جائیں گے آ کر
آتے بھی مرے پاس تو سوتے وہیں جا کر
خوں میں انھیں سرشار نہ دیکھا تو برا تھا
گر آخری دیدار نہ دیکھا تو نہ دیکھا

۸۸

میں بچوں کے دیدار کی طالب نہیں زنہار
تم چار جواں اور ادھر لاکھ ستمگار
صدقے کروں حضرت پہ جو کچھ ایسے ہوں دلدار
ہمشکل پیمبرؐ سے کہو کھینچیں نہ تلوار
تم سے کہیں بانو کے خجالت نہ ہو مجھ کو
خاتون قیامت سے ندامت نہ ہو مجھ کو

۸۹

چلا کے یہ بانوئے علی اکبرؑ کو پکاری
جی بھر کے جو کرنے کی نہیں گریہ و زاری
بے لاشے لیے رن سے نہ تم آئیو واری
مر جائیں گی صدمے سے پھوپھی جان تمھاری
پامال ہوں لاشے یہ گوارا نہیں کب ہے
ماں بچوں کا دیدار نہ دیکھے تو غضب ہے

۹۰

تھا ماں کے جو رونے سے کلیجہ تہ و بالا
آنکھوں سے بہے اشک مگر دل کو سنبھالا
منہ پردے سے گھبرا کے سکینہؑ نے نکالا
بولی کہ لیے آتے ہیں لاشے شہ والا
اک لاش کو وہ آپ بصد یاس لیے ہیں
اک لاش کو آغوش میں عباسؑ لیے ہیں

۹۱

زینبؑ کو لیے یاں بیاں گھر میں گئیں باہم
داخل ہوئے لاشوں کو لیے سرور عالمؑ
سر کھولدیے سب نے بچھا کر صف ماتم
غل پڑ گیا حیدرؑ کے نواسے ہوئے بیدم
حیران تھی کچھ منہ سے نہ کرسکتی تھی زینبؑ
سب روتے تھے ایک ایک کا منہ تکتی تھی زینبؑ

۹۲

کہتی تھی کبھی ہنس کے کیسی ہے یہ فریاد
اکبرؑ سے اصغرؑ سے بچے جیتا رہے سجادؑ
تم سب کو ہے کس بات کا غم میں تو ہوئی شاد
گھر میں نہ ہوئی تو نہ ہوئی ایک مری اولاد
سب مل کے عبث ہوش مرے کھوتے ہو لوگو
بھائی تو مرے خیر سے کیوں روتے ہو لوگو

۹۳

سر کھولے ہیں کیوں سب لے پچھ آتا ہے وسواس
اکبرؑ سا پسر جیتا ہے میں تو نہیں بے آس
بس ہے یہ کرو بھائی کو آنے دو مرے پاس
قاسمؑ تو سلامت ہے جو بیٹوں سے ہوئی یاس
منہ ڈھانپ کے ہو کیوں یہ کوئی رونے کی جا ہے
ماموں پہ وہ صدقے ہوئے خوش ہونے کی جا ہے

۹۴

کہنے کو کہا یہ کہ آنسو نکل آئے
لاشے وہیں لاکر شہ بیکس نے لٹائے
سب بیبیوں نے پیٹ کے سر اشک بہائے
زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکائے
تعظیم کو اٹھتے ہوئے گرنے لگی زینبؑ
گرد پسر فاطمہؑ پھرنے لگی زینبؑ

۹۵

سونپے تھے زینبؑ سے پٹ کر شہ دلگیر
لاشوں کو کرو پیار جو ہے خاطر شبیرؑ
فرمایا کہ میں بھی خدا ہے مری ہمشیر
اک دم میں چلے جائیں گے یہ کشتۂ شمشیر
ان لاشوں کو تو گاڑ دیں ابھی کہ ہم
پھر بیٹوں کا دیدار کہاں اور کہاں ہم

۹۶

بس آگے نہ دے طول انیسؔ جگر افگار
اس مرثیہ کا دیکھے صلہ احمد مختارؐ
بیتاب ہے دل سینے میں اور چشم ہے خونبار
محروم رہے کوئی وہ ایسی نہیں سرکار
غم کیا ہے ترے قدر شناس ابن علیؑ ہیں
فیاض دو عالم ہیں سخی ابن سخی ہیں

سلام

۱	مجرائی صدقے ہوں اس درگاہ پر / فوق ہے جس کے گدا کو شاہ پر
۲	خاصگان کبریا ہیں پنجتنؑ / ہے انہیں بندوں کا حق اللہ پر
۳	مدتوں حرؑ جو بھٹکا پھرا / مل گئی جنت جب آیا راہ پر
۴	بخشش و ہمت عطا و عدل و داد / ختم ہے آل رسول اللہؐ پر
۵	چہرۂ اکبرؑ کی کیا تشبیہ دوں / چھائیاں ہیں صاف روئے ماہ پر
قطعہ	لاشۂ بے سر پڑا تھا قبلہ رو / دھوپ تھی خیر النساؑ کے ماہ پر

طائرانِ کربلا و نیکو تھا	۷	سایۂ شہپر سے کیے تھے شاہ پر
جب بندھا سہرا تو قاسمؑ نے کہا	۸	موت عاشق ہے ہمارے بیاہ پر

قطعہ

جب چلے شہ بہرِ استقبالِ حر	۹	غل تھا صدقے سیدِ ذی جاہ پر
حر نے بیٹے سے کہا اے نورِ عین	۱۰	سر کو رکھ دے چل کے پائے شاہ پر
چاہ پیاسے تک نہیں آتا کبھی	۱۱	دوڑ کر جاتا ہے پیاسا چاہ پر
دھوپ میں روکی جو حضرت نے سپر	۱۲	آگیا بدلی کا ٹکڑا ماہ پر

قطعہ

شاہ کہتے تھے کہ فانی ہے جہاں	۱۳	لوگ کیوں مرتے ہیں جب جاہ پر
مال ہے کیا گر کوئی مانگے تو ہم	۱۴	جان دیتے ہیں خدا کی راہ پر
پیاس فاقے بیکسی ایذائے قید	۱۵	ظلم تھے آلِ رسولؐ اللہ پر

قطعہ

جب سپر پر الالم آئے علیؑ	۱۶	طعنہ زن تھا روئے روشن ماہ پر
کہتی تھیں پریاں سلیمانؑ کی قسم	۱۷	حضرتِ یوسفؑ کھڑے ہیں چاہ پر
اہلِ دولت سے نہیں مطلب انیسؔ	۱۸	یاں توکل ہے سدا اللہ پر

رباعی

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں	خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
ہوں باعثِ نغمہ سنجیِ بلبل ہوں	کھولے کبھی منھ جو زباں بند کروں

رباعی

مشکِ ختنِ نظم کہاں بند کروں	مہکے گی یہ آپ اس کو جہاں بند کروں
ہیں نازکشِ سخن وہاں بزم کے لوگ	دل ان کے کھلیں کب جو زباں بند کروں

رباعی

مضمونِ انیسؔ کا نہ چہرہ اترا	اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشہ اترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی	تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اترا

مرثیہ ۱

غل ہے اعدا میں کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں
آفتابِ فلکِ فتح و ظفر آتے ہیں
شور ہے بحرِ شجاعت کے گہر آتے ہیں
دیکھ لے لڑنے کو دو تشنہ جگر آتے ہیں
آج طلعت میں مہینا ہے سرافراز یکا
ہاں جوانوں یہی ہنگام ہے جانباز یکا

۲

وقتِ غفلت نہیں اے غازیو ہشیار رہو
آمد آمد ہے دلیروں کی خبردار رہو
کھینچ لو تیغ کو خوں ریزی پہ تیار رہو
صف جمائے ہوئے آمادۂ پیکار رہو
ایک کی لمار تو کچھ برچھیوں والے جاویں
اور دریا پہ سواروں کے رسالے جاویں

۳

اے علمدار نشانوں کے پھریرے کھولو
برچھیاں ہاتھوں میں تم برچھیوں والو تولو
ہاں کماندار سواروں کے تم آگے ہو لو
سرکرو جنگ تو حاکم سے جو چاہو سو لو
غلغلہ روم تلک اس لشکرِ جرار کا ہے
امتحاں آج دلیرانِ نمودار کا ہے

۴

دیکھیں خوں پیاسوں کا کون آج بہا دیتا ہے
برچھیاں کون کلیجوں میں چبھا دیتا ہے
کون ہنگامِ وغا جان لڑا دیتا ہے
کون انھیں مار کے گھوڑوں سے گرا دیتا ہے
آج سر ہوتی ہے کس سے یہ لڑائی دیکھیں
لوٹتا کون ہے زینبؑ کی کمائی دیکھیں

۵

سنتے ہیں رن تو ہیں چھوٹے پہ نہایت ہیں جری
کس طرح ان سے بھلا ہوئیگا سر بر کوئی
کر چکے ہیں انھیں تسلیم دعا سبطِ نبیؐ
پوتے جعفرؑ کے ہیں یہ اور ہیں سبطینِ علیؑ
ان میں جوہر اسد اللہ کی شمشیر کا ہے
دونوں شیروں میں اثر فاطمہؑ کے شیر کا ہے

۶

جراتِ شیرِ خدا آج وہ دکھلا دیں گے
چاند سے سینوں پہ شمشیر و سناں کھا دینگے
برق دم تیغے ہر غول میں چمکا دیں گے
مار کے ہتھوں کو میدان میں مر جاویں گے
اس پہ بھولو نہ کہ دو روز کے پیاسے ہیں وہ
خوف کی جا ہے کہ حیدرؑ کے نواسے ہیں وہ

۷

لاکھ کم سن ہیں کہ لاکھوں پہ وہ ہیں دو دلیر
آگے جب فوج کو رکھ لیں گے بزورِ شمشیر
کیوں نہ ہوں صاحبِ شمشیر ہیں شیروں کے شیر
دم میں کر دیویں گے لشکر کے زبردستوں کو زیر
قوتِ دستِ علیؑ ہاتھوں سے گر لیونگے
ورقِ دفترِ عالم کو الٹ دیونگے

۸

ذکر یہ تھا کہ اٹھا اک طرف گرد و غبار
پڑ گیا غل کہ وہ آ پہونچے علیؑ کے دلدار
چاند سے عونؑ و محمدؑ نظر آئے اک بار
کبھی اس حسن کے انساں نہیں دیکھے زنہار
کیا اڑاتے ہوئے رہوار چلے آتے ہیں
جعفرؑ و حیدرِ کرار چلے آتے ہیں

۹

واہ رے شوکت و اقبال زہے حشمت و جاہ
ایک ہے غیرتِ خورشید تو اک غیرتِ ماہ
کیا صفا چہرے پہ دونوں کے ہے سبحان اللہ
دیکھا جاتا نہیں چہروں کی طرف بھر کے نگاہ
غیرتِ یوسف و رشکِ ملک و حور ہیں یہ
خور تو اسپِ فلک سیر ہیں اور نور ہیں یہ

۱۰
دیکھو پیشانیاں کس حسن سے ہیں جلوہ نما
روشنی میں ہیں کہیں ماہ دو ہفتہ سے سوا
صفحۂ قمر ہیں یا آئینۂ نور خدا
لوح محفوظ ہیں اور ان میں نہیں فرق ذرا
اہل ایماں کو تو ایماں کے برابر ہیں یہ
مصحف پاک بہر رو سے کے ہمسر ہیں یہ

۱۱
گیسو دونوں کی پیشانی و ابرو پہ خیال
جن کے پرتو سے منور ہے یہ میدان قتال
صاف دو بدر نظر آتے ہیں اور چار ہلال
حیف ہے ایسے جو خورشید پہ آجائے زوال
پردۂ خاک میں جس وقت نہاں ہوئیں گے
کیا حسین ابن علی تڑپیں گے اور دیکھیں گے

۱۲
جلوہ گر قطرے عرق کے ہیں یہ پیشانیوں پر
قطرے شبنم کے ہیں گلبرگ پہ یاقوت تر
لوح الماس پہ یا نصب نگینے ہیں یہ گوہر
ٹوٹ کر گرتے ہیں یا توں سے بیاں اختر
نہیں قطروں کا پسینے کے یہ جلوہ دیکھا
آج بالائے قمر عقد ثریا دیکھا

۱۳
زیر پیشانی جو ہیں ابرو خمدار عیاں
دل سے کہتی ہے جگر گوشۂ زہرا قرباں
ان کمانوں کی زہے قدر زہے شوکت شان
کیوں خمیدہ نہ ہو تیر قد شبیر مثل کمان
اتنی سی عمر میں دنیا سے روانہ ہونگے
بے خطا آج یہ تیروں کا نشانہ ہونگے

۱۴
ہے ہر اک موئے مژہ ناخن شہباز اجل
کہیں ہم نشتر سر تیز انھیں یا برچھی کے پھل
مرغ دل جس سے ہوئے جاتے ہیں زخمی ہر پل
کوئی تشبیہ نہیں ہے مگر ان سے افضل
بسکہ نور نظر زینب دل گیر ہیں یہ
نگہ مردم بد بیں کے لیے تیر ہیں یہ

۱۵
دونوں کے کانوں میں آتی ہے یہ زینب کی صدا
تین دن سے نہیں پانی مرے بھائی کو ملا
اے مرے لاڈلو تم نے ہے مرا شیر پیا
اسلئے تم سے یہ رکھتی ہوں بجھا بجھا
آب شمشیر سے پیاس اپنی بجھانا پیارو
طرف نہر نہ جانا یہ نہ جانا پیارو

۱۶
صبح عید جو عارض ہیں تو گیسو شب قدر
پوچھو شبیر سے دونوں کے رخ پاک کی قدر
یا نہاں ہوتے ہیں ابر کے ٹکڑے میں بدر
رخ نہیں عارض یہ صدا بنت علی کے بر صدر
آئینے سے کہیں شفاف یہ رخسارے ہیں
صفحۂ نور ہیں خورشید ہیں مہ پارے ہیں

۱۷
جلوہ گر صورت خورشید ہیں روئے روشن
اور صراحی سے گلو ہیں جو تہ سیب ذقن
تختۂ گلشن فردوس ہیں دونوں کے دہن
ان گلوں میں بھی عجب طرح کی ہے صوت حسن
کبھی تلواروں کے بھی ایسے نہ گلے ہوئینگے
پر کوئی دم میں یہ تیغوں کے تلے ہوئینگے

۱۸
صورت جعفر طیار ہیں شانے تیار
دونوں کس شان سے شانوں پہ رکھے ہیں تلوار
ذرہ کوئی کے نہ پہنچے ید بیضا نثار
دیکھے جاتے ہیں رخ شبیر کے شانے ہر بار
تیر بیداد کے شانوں پہ نشانے ہوں گے
خنجر و تیغ سے صد چاک یہ شانے ہونگے

۱۹
تین دن گزرے کہ کھانا نہیں پہونچا ہے بہم
دیکھو زیرِ شکم ناف کا اُن کے عالم
سیر ہیں صبر و قناعت سے مگر اُن کے شکم
ہیں یہ گردابِ یمِ نصرت و اقبال و حشم
آئینے کو شکمِ صاف پہ صدقے کیجے
نافۂ مشکِ ختن ناف پہ صدقے کیجے

۲۰
قلمِ کاتبِ قدرت ہیں یہ دونوں کے قد
پاک ہیں سروِ گلستانِ رسولِ امجد
راست ہیں جوں الفِ اول اللہ احد
ان کو دیکھے تو ہو شمشاد کو قمری سے حسد
مرتبے کیوں نہ ہوں آفاق میں برتر اُن کے
رایتِ دینِ نبی ہیں قدِ انور اُن کے

۲۱
دونوں کے حسن کی اک سمت کہتی مدح و ثنا
واہ وا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اک طرف غل تھا کہ ہتھیاروں کو دیکھو تو ذرا
کس قدر ان کے سلاحِ عربی سے زیبا
جیسے دونوں کے ہیں قد بوٹے سے چھوٹے چھوٹے
اسلحے بھی ہیں اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے

۲۲
پیچے قبضوں میں وہ ہیں کہ نہیں جن کی پناہ
کاٹ ایسا ہے کہ ضرب اُن کی جو بیٹھے ناگاہ
سرِ دشمن کے لئے ہیں یہ تنِ قہرِ الٰہ
کوہِ آہن ہو تو کٹ جائے مثالِ پرِ کاہ
فلکِ پیر انہیں تینوں کا تو ڈر رکھتا ہے
روز وہ رخ پہ سپرِ خور کی سپر رکھتا ہے

۲۳
اتنے میں گھوڑے بڑھا کر یہ پکارے وہ دلیر
ہوئے دعویٰ جسے وہ میان سے کھینچے شمشیر
غافلو کرتے ہو کس واسطے اب جنگ میں دیر
گو ہزاروں ہوں پہ ڈرتے نہیں روباہوں سے شیر
اب نہ سر کے لیے ہے نہ اماں تن کے لیے
بچے قہرِ خدا ہیں صفِ دشمن کے لیے

۲۴
خلق میں حرب ہے نانا کی ہمارے مشہور
ایک دم میں حرمِ کعبہ سے بت کر دیے دور
جس نے صفین میں کیے قتل ہزاروں مقہور
جنگِ خندق کو کیا فتح محمد کے حضور
عمرو کو قتل کیا تیغ سے کیا عنتر کو
جنگِ خیبر میں اکھاڑا تھا درِ خیبر کو

۲۵
دادا ہے جعفرِ طیار سا ضرغامِ وغا
ماموں شبیر سا مظلوم غریب الغربا
تھا جو دنیا میں محمد رسول دوسرا
حاملِ رنج و محن مالکِ تسلیم و رضا
ہم سے ہمسر کوئی عالی نسبی میں کب ہے
فاطمہ بنتِ نبی نانی ہے ماں زینب ہے

۲۶
کس کا رتبہ ہے یہ جو کچھ ہے شرافت ہم میں
بخدا فاتحِ خیبر کی ہے جرأت ہم میں
شانِ جعفر ہے تو حمزہ کی ہے شوکت ہم میں
شیرِ یزدانِ شہِ مرداں کی ہے طاقت ہم میں
کوئی ہم شیروں کی تلوار کو سہ سکتا ہے
دو بدو ہم سے جہاں میں کوئی لڑ سکتا ہے

۲۷
جوں علی دولتِ تیغ زنی رکھتے ہیں
دلِ بے کینہ میں خلقِ حسنی رکھتے ہیں
ہاتھ میں قوتِ خیبر شکنی رکھتے ہیں
طبع میں حلمِ حسینِ مدنی رکھتے ہیں
صاف باطن ہیں دغا کی نہیں باتیں ہم میں
بچے ہیں سارے بزرگوں کی صفاتیں ہم میں

۲۸

نقشۂ اسپ و دشمن کو مٹا دیتے ہیں
کوہ کو پاؤں کی ٹھوکر سے ہٹا دیتے ہیں
شر پہ تیغ سے ناری کو جلا دیتے ہیں
ایک للکار میں ضیغم کو بھگا دیتے ہیں
منقلب رب جلی ضرب ہے ہم شیروں کی
ضرب شیر خدا ضرب ہے ہم شیروں کی

۲۹

لاکھ خط بھیج کے ماموں کو بلایا تم نے
شہ کو شہزادے سے بے وجہ پھرایا تم نے
فصل گرما میں وطن ان سے چھڑایا تم نے
بے گنہ دلبر زہرا کو ستایا تم نے
نہر سے پیاسے کو قطرہ نہ دیا پانی کا
طور ہوتا ہے جہاں میں یہی مہمانی کا

۳۰

خوف حق ہے نہ پیمبر کا ادب کرتے ہو
کوشش قتل شہنشاہ عرب کرتے ہو
بیعت اس فخر دو عالم سے طلب کرتے ہو
پانی دیتے نہیں سید کو غضب کرتے ہو
اک نبی زادے پہ یہ ظلم کی طغیانی ہے
اور اس پر تمہیں دعوائے مسلمانی ہے

۳۱

ذبح سے عون و محمد نے کی جب گفتار
گھوڑے چمکا کے ہلانے لگے نیزوں کو سوار
قتل پر پیاسوں کے آمادہ ہوئے ظلم شعار
تیر اندازوں نے چلوں سے ملائے سوفار
تیغیں کڑوں سے نکلنے لگیں قزاقوں کی
دور تک چھا گئی میداں میں گھٹا ڈھالوں کی

۳۲

رعد کی طرح سے گرجا دل جنگ و جدل
نکلے ہر صف سے جوانان قوی الہیکل
صورت برق چمکنے لگے تلواروں کے پھل
شام کی فوج کا دو پیاسوں پہ ہوا اژدہا دل
زینب خستہ جگر خیمے میں گھبرانے لگی
گریۂ فاطمۂ زہرا کی صدا آنے لگی

۳۳

دونوں پیاسوں پہ آ دھمکی یورش اہل جفا
بیبیوں سے کہا زینب نے بصد درد و بکا
اور ادھر تھا حرم شہ میں تلاطم برپا
میرے بیٹے مرے ماں جائے پہ ہوتے ہیں فدا
پیاس میں ہونٹوں سے ہاتھوں کی صفائی دیکھو
چلو لوگو مرے بچوں کی لڑائی دیکھو

۳۴

بیبیوں سے کہا زینب نے جو رو رو کر یہ مقال
زینب زار تو آگے ہوئی کھولے ہوئے بال
صف ماتم سے وہ گھبرا کے اٹھیں سب فی الحال
پیچھے روتی چلی ہر ایک بصد رنج و ملال
پہنچی ڈیوڑھی پہ تو میداں کا یہ نقشہ دیکھا
دونوں معصوموں پہ کفار کا نرغا دیکھا

۳۵

حال یہ دیکھ کے زینب کا ہوا حال تباہ
پھر دعا حق سے یہ کرنے لگی با نالہ و آہ
رنگ فق ہو گیا دل پر ہوا صدمہ جانکاہ
دیکھیو عزت مرے فرزندوں کی یا بار الٰہ
صدقے ماموں پہ وہ دونوں کے پیاسے ہو جائیں
ذبح میں فخر نہ حیدر کے نواسے ہو جائیں

۳۶

تیرے محبوب کے پیارے کے مددگار ہیں یہ
تیرے بندے ہیں غلام شہ ابرار ہیں یہ
ہو کے پیاسے ہیں مصیبت میں گرفتار ہیں یہ
اہل کیں لاکھوں ہیں اور دو جگر افگار ہیں یہ
ان کے ہاتھوں سے یہ لشکر تہ و بالا ہو جائے
خلق میں دونوں کی جانبازی کا شہرہ ہو جائے

۳۷

تو اگر چاہے تو دے پل پہ بیٹوں کو ظفر
ہو ترا فضل تو قطرہ ابھی ہو جائے گہر
بخش دے دو دم میں تو بندی کے شجاعت کا اثر
نام آفاق میں کر جائیں مرے نورِ نظر
عونِ بیجاں جو جدا مجھ سے محمدؐ ہو جائے
پسرِ فاطمہؑ زہراؑ کی بلا رد ہو جائے

۳۸

اتنے میں جا پڑی سرور پہ نظر زینبؑ کی
دیکھتی کیا ہے کہ روتے ہیں دل و جانِ نبیؐ
سامنے ہیں جو کھڑے اکبرؑ و عباسؑ علیؑ
دم بدم رو رو کے فرماتے ہیں اتنے یہی
خالی دو آگے سے نرغوں کے صفِ ناری کو
جاؤ دو روز کے پیاسوں کی مددگاری کو

۳۹

یہ سخن سبطِ محمدؐ سے جو زینبؑ نے سنا
رو کے چلائی کہ اے بھائی یہ کیا تم نے کہا
کیا یہ تدبیر ہے مجھ سے تو کہو بہرِ خدا
بھیجتے ہو انہیں کیوں جانبِ میدانِ وغا
گئے گر اکبرؑ و عباسؑ تو غم کھاؤں گی
نکلے سر پیٹتی خیمے سے نکل آؤں گی

۴۰

دو یہاں بھی ہیں اُن کے لڑکپن پہ نہ جاؤ اصلا
پشت پر اُن کی مدد کے لئے ہیں شیرِ خدا
ہاں مگر پیاسے کئی دن کے ہیں وہ ماہ لقا
کیجئے بہرِ خدا بچوں کے حق میں دعا
دم بہ دم تیرِ اجل پہ مرے چڑھتے ہیں
آج فرزند مرے پہلے پہل لڑتے ہیں

۴۱

یاں تو شبیرؑ سے کر لی تھی یہ زینبؑ گفتار
اور ادھر عونؑ و محمدؐ نے اٹھائے تلوار
یا علیؑ کہہ کے جو لیں میاں سے تیغیں اک بار
خوف کے مارے لگے کانپنے سب ظلم شعار
صف کی صف ہو گئی مسمار ستمگاروں کی
بجلیاں فوج پہ گرنے لگیں تلواروں کی

۴۲

جس طرف پھرتے ہوئے رن میں کھنچے تھے وہ شیر
مارے تلواروں کے کر دیتے تھے وہ لاشوں کے ڈھیر
پیش آ جاتا تھا گر کوئی زبردست دلیر
دونوں تشنہ دہن شجاعت سے اسے کرتے تھے زیر
عزم بالجزم تھے کیا فاطمہؑ کے پیاروں کے
پھونکی تھی جون سے دم بند تھے غداروں کے

۴۳

میمنے والوں پہ جا پڑتا تھا گر عونؑ جری
حملہ ور میسرے کی صف پہ محمدؐ تھا کبھی
سب پہ ہر ایک کے تھا نام حسینؑ ابنِ علیؑ
دونوں کے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے شقی
تیر تھے گھوڑے جھپٹتے تھے جدھر جاتے تھے
بے لڑے کتنے عدو سہم کے مر جاتے تھے

۴۴

حملہ ور عونؑ پہ ہوتا تھا اگر کوئی سوار
مار لیتا تھا محمدؐ اسے بڑھ کر اک بار
کرتا تھا کوئی محمدؐ پہ اگر نیزے کا وار
عونؑ تب اس کو لگاتا تھا جھپٹ کر تلوار
ایک سے ایک سوا جنگ میں کد کرتا تھا
پر مدد اس کی تو وہ اس کی مدد کرتا تھا

۴۵

ایک نے پیچھے سے گر سرِ دشمن کاٹا
دوسرے نے اسے بڑھ کر مع توسن کاٹا
تیغ سے دونوں نے جس جس کا سر و تن کاٹا
مع خود و زرہ و مغفر و جوشن کاٹا
جا پڑے رن سے سردار کو جس جا دیکھا
مارا دو لاکھ میں اس کو جسے یکتا دیکھا

۴۶

آگے ان شیروں سے ہوتے تھے جو سرگرم نبرد
گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی تھی بیابان میں گرد
برق شمشیر سے جل جل کے وہ ہو جاتے تھے سرد
ہر طرف خاک پہ بسمل تھے ہزاروں نامرد
قتل کر ڈالا سواروں کا رسالہ دم میں
کر دیا پیاسوں نے لشکر تہ و بالا دم میں

۴۷

نیزہ بازی کا جو شہرہ آگیا دونوں کو خیال
دو میں نکلے ادھر سے بھی سپاہ جنگ و جدال
نیزہ بازوں پہ گرے چھوٹی سی شیروں کو سنبھال
آگے عقبیٰ میں تب زینب دلگیر کے لال
ایک پر عون دلاور نے اٹھایا گھوڑا
ایک شامی پہ محمد نے بڑھایا گھوڑا

۴۸

جاتی تھی تا سر گردوں جو سنانوں کی جھلک
سامنے گھوڑوں کے شرمندہ تھی بجلی کی چمک
آنکھ خورشید کی ہر مرتبہ جاتی تھی جھپک
تھرتھراتی تھی زمیں رن کی لرزتے تھے فلک
جب یہ للکار کے نیزوں کو گھماں دیتے تھے
آہنی ڈھالوں میں سینے وہ چھپا لیتے تھے

۴۹

یہ جھکاتے تھے چھاتی اپنی بھی جھکے وہ خونخوار
اڑتی تھیں نیزوں کی انیوں سے جوانیاں ہر بار
وہ طرف دونوں بے بس چلنے لگے نیزوں کے وار
خاک پر گرتی تھیں چنگاریاں بے حد و شمار
قتل پر ان کے تو خونخوار کمر کستے تھے
پر یہ کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے

۵۰

دیر تک دونوں سے لڑتے رہے زینب کے پسر
آگے جب غیظ میں کہنے لگے وہ نیک سیر
آن کا وار ان پہ چلا اور نہ اِن کا آن پہ
دیکھو اے ظالموں ہم دونوں کے نیزوں کا اثر
یک بیک پھرتی سے اس طرح ہلائے نیزے
دونوں خونخواروں کے سینوں میں اتر آئے نیزے

۵۱

بسکہ تھے زور میں یکتا وہ علیؑ کے دلدار
نیزوں سے پھر انہیں پھینکا سوئے چرخ دوار
دونوں کو نیزوں کی نوکوں پہ اٹھایا اک بار
جب لگے گرنے تو دونوں نے لگائی تلوار
برچھیاں کھینچ پہ حیران تھے ستمگر رن میں
چار ٹکڑے ہوئے دونوں کے برابر رن میں

۵۲

اس صفائی سے ہوئے قتل جو دونوں خونخوار
الاماں کی ہوئی فوج ستم آرا میں پکار
کیا صفوں نے تکبیر کا نعرہ ایک بار
جھک گئے خاک پہ سجدے کو امام ابرار
لیں شاباش کہیں واہ کا غل برپا تھا
عرش تک زمزمۂ اللہ کا غل برپا تھا

۵۳

پھر کماں داروں پہ شیروں نے اڑائے گھوڑے
سب نے رخ پھیر کے میداں سے بڑھائے گھوڑے
قدر اندازوں میں یوں تیر در آئے گھوڑے
پیچھے بد کیشوں کے دونوں نے اٹھائے گھوڑے
سم کے چپ گئے تھے گوشوں میں سر کش کتنے
گر گئے رن میں خطاکاروں کے ترکش کتنے

۵۴

تھی عجب طرح کی میدان میں اس دم ہلچل
گھوڑوں کی ٹاپوں سے تھراتا تھا سارا جنگل
بھاگتے پھرتے تھے ہر سمت سوار اور پیدل
گرم تھا دشت بلا خیز بہ شکل مشتعل
ہر اک سے جو بھاگتے تھے جواں لشکر کے
ایک پہ ایک گرا پڑتا تھا مارے ڈر کے

۵۵
دونوں لڑکوں سے جو بر آ نہ سکے اہلِ خطا
غل یہ سن کر ہوئے بیتاب امامِ دوسرا
تب محمدؐ کی دوہائی لگے دینے اعدا
بھانجوں کو درِ خیمہ سے یہ دی بڑھ کے صدا
سر لعینوں کے نہ اب تن سے اتارو پیارو
کلمہ گویوں کو محمدؐ کے نہ مارو پیارو

۵۶
روک لو ہاتھوں کو اب تم کو پیمبرؐ کی قسم
تم کو زہراؑ کی قسم ہے تمہیں حیدرؑ کی قسم
بخشے پیاں میں کرو تمہیں شبرؑ کی قسم
اب نہ قتل ان کو کرو تم کو مرے سر کی قسم
جس سوا جاتا ہوں للہ نہ تاخیر کرو
بخشوانے کی گنہگاروں کے تدبیر کرو

۵۷
اے مرے پیارو کرو ماموں کے کہنے پہ عمل
استغاثے کی صدا سے ہے مرا دل بے کل
نہ لڑو اب نہ لڑو ظالموں سے میرے بدل
لیں ایسا نہ ہو آوے مرے وعدے میں خلل
میرے نانا سے مدد کرتے ہیں شکوا میرا
اب ہے نزدیک کہ پھٹ جائے کلیجا میرا

۵۸
پہونچی میداں میں جو آوازِ شہنشاہِ امم
ماموں چلاتے ہیں رو رو کے بصد درد و الم
بھائی سے بھائی یہ کہنے لگا با دیدۂ نم
اماں غش ہو گئیں ہیں خیمے میں شاید اس دم
تیغِ غم سے دلِ ناشاد پہ چلتا ہوگا
ماں کی الفت ہے کلیجہ نہ سنبھلتا ہوگا

۵۹
رو دیا چھوٹے کے سن کر یہ بڑے کی گفتار
گھر گئے لاکھ سواروں میں علیؑ کے دلدار
یک بیک ٹوٹ پڑے ان پہ ہزاروں خونخوار
برچھیاں چل گئیں ہونے لگے تلواروں کے وار
دل میں دونوں کے بھری تھی جو ہوائے شبیرؑ
تھا یہ ہر زخم پہ نعرہ کہ فدائے شبیرؑ

۶۰
ایک تو پیاسے تھے دو روز کے وہ نیک خصال
چھاتیاں ہو گئیں تیروں سے سراپا غربال
زخم کھائے جو بدن پر تو ہوئے اور نڈھال
خوں میں لال ہوئے زینبِ دلگیر کے لال
منہ پھرا کر کبھی ماموں کو صدا دیتے تھے
ضعف سے سر کبھی ہرنوں پہ جھکا دیتے تھے

۶۱
زخم شمشیروں کے تھے پھول سے رخساروں پر
رخ پہ لٹکی تھیں کمانوں سی بھویں کٹ کٹ کر
خون میں ڈوبی تھیں سنبل سی وہ زلفیں بکھر
سیکڑوں جسم پہ تھے زخمِ سنان و خنجر
پاؤں ہر دم جو رکابوں سے نکل جاتے تھے
یا حسینؑ ابنِ علیؑ کہہ کے سنبھل جاتے تھے

۶۲
غش میں گھوڑوں پہ کبھی جھومتے تھے دونوں جری
ناگہاں عون کے اک شامی نے ماری برچھی
غیظ میں آن کے ہونٹوں کو چباتے تھے کبھی
ساتھ ہی سر پہ محمدؑ کے بھی اک تیغ لگی
اس طرف خاک پہ گھوڑے سے وہ معصوم گرے
ہاں کلیجے کو پکڑ کر شہِ مظلوم گرے

۶۳
خیمے کی ڈیوڑھی سے زینبؑ یہ پکاری ناگاہ
کیا غضب ہو گیا کیوں روئے امامِ ذیجاہ
خیر تو ہے علی اکبرؑ کہو مجھ سے للہ
رو کے ہمشکلِ پیمبرؐ نے کہا کیا کہوں آہ
گر پڑے برجِ شرافت کے ستارے رن میں
اے پھوپھی قتل ہوئے آپ کے پیارے رن میں

٦٤
یہ خبر سنتے ہی تھرا سے گئی زینبؑ زار
جھک کے سجدے میں کہا میں تری قدرت کے نثار
دوڑ گیا رنگ مگر روئی نہ وہ سینہ فگار
سر کو جھکا کیا پیش رسول مختار
صدقے زہراؑ کی کمائی پہ کمائی میری
شکر کرتی ہوں کہ امید بر آئی میری

٦٥
ہاں تو زینبؑ نے کیا شکر جناب احدی
ساتھ اکبرؑ بھی تھے اور قاسمؑ و عباسؑ علی
اور چلے رن کی طرف روتے ہوئے سبط نبیؐ
پہنچے میداں میں جو شبیرؑ تو آواز یہ دی
پسر فاطمہؑ زہراؑ کو سنبھالو پیارو
کوچ کرتے ہو تو دیدار دکھا لو پیارو

٦٦
کیا پردیس میں ماموں سے کنارا تم نے
خاک پر گر کے نہ ہم کو بھی پکارا تم نے
برچھیاں کھا گئے دم بھی نہ مارا تم نے
ہائے تکلیف مری کی نہ گوارا تم نے
کس نے تیروں کو سینے سے نکالا ہوگا
کس نے گرتے ہوئے گودی میں سنبھالا ہوگا

٦٧
ڈھونڈتے پھرتے تھے میداں میں امام دوسرا
ناگہاں آئی یہ خاتون قیامت کی صدا
بھانجوں کے کہیں لاشوں کا نہ ملتا تھا پتا
ادھر آؤ ادھر آؤ ادھر آؤ بیٹا
نزع تیغوں سے ہیں دو روز کے پیاسے میرے
میری گودی میں تڑپتے ہیں نواسے میرے

٦٨
دیتے ہیں ساقیٔ کوثر انھیں جام کوثر
واہ کیا اہل وفا ہیں مری زینبؑ کے پسر
پھیر لیتے ہیں منہ اس پانی سے یہ تشنہ جگر
کہتے ہیں ماموں تو پیاسے ہیں ابھی ہم کیوں کر
یاد ہے ان کی ابھی تشنہ دہانی ہم کو
شاہ بن زہر سے بدتر ہے یہ پانی ہم کو

٦٩
ماں کی آواز پہ دوڑے جو شہنشاہ زمن
غرق زخم سے گلزار ہیں دونوں کے بدن
دیکھا دم توڑتے ہیں خاک پہ وہ تشنہ دہن
ہچکیاں لیتے ہیں کھولے ہوئے غنچے سے دہن
خوں میں رنگ رخ پہ اللہ کے گل بوٹے ہیں
پیٹ چھوٹے سے ہاتھوں سے نہیں چھوٹے ہیں

٧٠
گر کے لاشوں پہ یہ چلائے امام دوسرا
غش میں ہیں دونوں نے سنی شہ کے جو آنے کی صدا
کھول دو آنکھوں کو اے بھانجو ماموں آیا
کھول کر آنکھوں کو دیکھا رخ شاہ شہدا
بولے شاہ اس نگہ یاس پہ قربان حسینؑ
اس محبت پہ اور اس پیاس پہ قربان حسینؑ

٧١
جوڑ کے ہاتھوں کو کہنے لگے وہ گل اندام
آپ آقا ہیں دو عالم میں یہ فدوی ہیں غلام
فرط الفت سے نہ فرمایئے مولا یہ کلام
بس ہے تو آپ پہ قربان ہوں یا شاہ انام
کر دیا آپ کے الطاف نے نامی ہم کو
فخر ہے اکبرؑ و اصغرؑ کی غلامی ہم کو

٧٢
شاہ سے عونؑ و محمدؑ نے یہ کی جب تقریر
پھر یہ کہنے لگے دونوں سے امام دلگیر
خوب چھاتی سے لگا کر انھیں روئے شبیرؑ
کچھ وصیت کرو مادر کو کہ ہے وقت اخیر
نام محسن ماں کا یہ صدمہ ہوا ان پیاروں پر
اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخساروں پر

۷۳

بھر کے دونوں نے دم سرد یہ سرور سے کہا / جس گھڑی خیمے سے ہم چلنے لگے تھے سہا
ہم سے اماں نے بہت کہا تھا یہ بصد درد و بکا / دودھ تو بخشو کہ ہم ہوتے ہیں اب تم سے جدا
رو کے بولیں یقین یہ دولت نہیں دنیا کی تھیں / پیاسے مر جاؤ گے تب دودھ میں بخشوں گی تمہیں

۷۴

کوئی ارشاد نہ مادر کا بجا لایا ہم نے / زخم بےکس جنھیں سینے پہ کھایا ہم نے
بہر امداد کسی کو نہ بلایا ہم نے / آپ شاہد ہیں کہ پانی نہیں پایا ہم نے
خون میں اور خاک میں ہم دونوں کے تن لتھڑے رہے / اب تلک پیاس ہے گرمی سے جگر جلتے رہے

۷۵

شکر صد شکر کہ اپنا تو ہوا خوب انجام / گر اماں کی غریبی پہ ہے رونے کا مقام
آپ جب جائیے گا خیمے میں یا شاہ انام / ان کو ہم دونوں کی جانب سے یہ دیجئے گا پیام
مر گئے ہم نہ رکھو آس ہماری اماں / دودھ بخشو تو سمجھے ہیں سب ہماری اماں

۷۶

دے کے مادر کو یہ پیغام بصد درد و بکا / [illegible] حسرت سے سوئے قاسم و اکبر دیکھا
رو کے وہ بولے کہ کیا فکر ہے ہم تم پہ فدا / ان سے تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ دونوں نے کہا
آ مرے دم ہم پہ یہ اے بھائیو احسان کرو / ماموں صاحب پہ اٹھا کر ہمیں قربان کرو

۷۷

کہتے یہ دونوں نے منہ شاہ کے قدموں پہ ملے / [illegible] شبیر نے چومے وہ مراق سے گلے
یک بیک آنکھیں بھی پتھرا گئیں سکتے بھی ڈھلے / شاہ چلائے کہ اے بھائی تم دنیا سے چلے
نیاؤ وفاداری میں کامل تھے وہ صفدر دونوں / مر گئے شاہ کے قدموں پہ تڑپ کر دونوں

۷۸

بھائیوں کے لیے سر پیٹ کے اکبر روئے / قاسم نوجواں خاک اڑا کر روئے
گر کے ان لاشوں پہ عباس دلاور روئے / آسماں ہل گئے اس درد سے سرور روئے
تھے یہ منظور عون کے بکار کسی چلاتے تھے / کبھی لاشے سے محمد کے لپٹ جاتے تھے

۷۹

کبھی کہتے تھے کہ اس داغ سے مر جاؤں گا / شکل اب زینب بےکس کو نہ دکھلاؤں گا
جب تلک جیتا ہوں سب لاشوں کا غم کھاؤں گا / ہائے اب تم سا ہوادار میں کہاں پاؤں گا
دم بدم نانا کو فریاد کروں گا پیارو / زیر خنجر بھی تمہیں یاد کروں گا پیارو

۸۰

واسطے ماموں کے جانوں کو گنوایا ہے سب / تین دن پیاس میں پانی بھی نہ پایا ہے سب
گھر کو ویران کیا جنگل کو بسایا ہے سب / میری تنہائی کا کچھ دھیان نہ آیا ہے سب
خلد میں جا کے مجھے بھول نہ جانا پیارو / اپنے نانا کو مرا حال سنانا پیارو

۸۱

کہیو تم گل کے مددگار رہو جاؤ نانا / اپنے فرزند کو آفت سے چھڑا دو نانا
قید سے زینب بےکس کو بچاؤ نانا / خلد کے رہنے سے اب ہاتھ اٹھا دو نانا
ثانی زہرا کی کمائی پہ زوال آتا ہے / آپ کا چمن لا ہوا باغ لٹا جاتا ہے

۸۲

بین یہ کرتے تھے لاشوں پہ امام دو جہاں
ہائے اے میرے خوزادو میں تمھارے قربان
ناگہاں آئی یہ آواز بصد آہ و فغاں
مڑ کے حضرت نے جو دیکھا تو یہ دیکھا ساماں
فضہ گھبرائی ہوئی رن میں چلی آتی ہے
ادب ہاتھوں پہ زہراؑ کی ردا لاتی ہے

۸۳

پہونچی فضہ جو قریب خلف شیر خدا
آپ کی خواہر غمگیں نے کہا ہے شاہا
دے کے زہراؑ کی ردا بولی بصد درد و بکا
میرے بیٹوں نے ہے دنیا میں مجھے شاد کیا
خلد میں انکو بشارت سے دکھیو بھائی
اس ردا کا مرے بچوں کو کفن دو بھائی

۸۴

سن کے یہ خون دل آنکھوں سے بہایا شہ نے
ان پہ جب چادر زہراؑ کو اوڑھایا شہ نے
دونوں لاشوں کو پھر اک جا پہ لٹایا شہ نے
شانے فرزندوں کے ہلا کر یہ سنایا شہ نے
سر فدا کر کے جو ماموں پہ گئے ہیں پیارو
لو یہ خلعت تمہیں مادر نے دیئے ہیں پیارو

۸۵

روک خامہ کو انیسؔ اب نہیں تاب رقم
ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگ بصد درد و الم
ہے مجلسوں میں بپا شور فغان و ماتم
ہو گئے یہ مرثیہ مقبول شہنشاہ امم
دل مرا اور کسی شغل میں مصروف نہ ہو
جیتے جی مرثیہ کہنا مرا موقوف نہ ہو

رباعی

برتر ہے ملائک کا بشر سے پایا
سدرہ سے پکارتے ہیں جبرئیل امیں
پر سب نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا
ہم نے بھی جو پایا اسی در سے پایا

رباعی

ایمان پایا علیؑ کے در سے پایا
طوبیٰ کو فخر بہشت آرام لحد
رتبہ پایا تو اس بشر سے پایا
جو کچھ پایا علیؑ کے گھر سے پایا

رباعی

کیا حرؑ نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا
تھی آرزو بہشت و آب کوثر
کیا رتبہ شاہ بحر و بر سے پایا
وہ باپ سے پایا یہ پسر سے پایا

رباعی

یزداں کو جلا دیدۂ تر سے پایا
یہ لطف اٹھایا نہ کسی شادی میں
دامن کو بھرا ہوا گھر سے پایا
جو حظ غم شاہ بحر و بر میں پایا

رباعی

فیاض علیؑ کو ہر بشر سے پایا
واں رہتا ہے باب خیبر وا آٹھ پہر
ہاتھوں کو کشادہ بحر و بر سے پایا
حق سے مانگا علیؑ کے گھر سے پایا

مرثیہ ١

دشتِ جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے
شیر کی طرح سے دریا کے کنارے آئے
غل پڑا برجِ شرافت کے ستارے آئے
جنگ کو لاکھوں سے وہ پیاس کے مارے آئے
اِن کا نانا ہے علیؑ صاحبِ شمشیر ہیں یہ
ہاں خبردار کہ لڑکے نہیں دو شیر ہیں یہ

٢

حسن توام ہیں پہ شجاعت کے دھنی ہیں دونوں
سروِ بستانِ امامِ مدنی ہیں دونوں
بھوکے پیاسے ہیں پہ ہمت کے غنی ہیں دونوں
دیکھو آمادۂ شمشیر زنی ہیں دونوں
ڈھالیں شانوں پہ ہیں اور ہاتھوں میں شمشیریں ہیں
جعفر و حیدرِ کرار کی تصویریں ہیں

٣

ابھی کیا عمر ہی ہیں ان دونوں کی اور کیا سن و سال
اے خوشا حشمت و اقبال زہے جاہ و جلال
کھیل کے دن ہیں مگر جان پہ کھیلے ہیں یہ لال
پیاس کا کچھ نہیں صدمہ ہے نہ مرنے کا خیال
جوں علیؑ جنگ میں سبقت ہی فرماتے ہیں
پیچھے توں کے ہر مرتبہ رہ جاتے ہیں

٤

کس میں ہے ایسی بزرگی جو نسب اِن کا ہے
فخرِ عالم ہیں یہ ثانی کوئی کب اِن کا ہے
دبدبہ روم سے تا بہ عرب اِن کا ہے
صف شکن صاحبِ شمشیر لقب اِن کا ہے
طفل اس سن میں نہیں صاحبِ ہمت ہوتے
گر جواں ہوتے یہ لڑکے تو قیامت ہوتے

٥

حال پر زینبؑ بےکس کے ہے رونے کا مقام
یوں لٹا دیوے یہ دولت ہے اسی بی بی کا کام
رنج سے بیٹوں کے ہو جاتی ہے ماں بےآرام
کوئی چھاتی سے جدا کرتا ہے ایسے گلفام
غم سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا ہوگا
کس طرح آپ کو زینبؑ نے سنبھالا ہوگا

٦

پر تعجب ہے ہمیں اور یہ حسرت کی ہے جا
مر گئی ہوگی تڑپ کر تو عجب کیا اس کا
اُس کے رونے کی بھی اس وقت نہیں سنتے صدا
ایک بولا کہ وہ بھائی کی ہے عاشق بخدا
اُس کا بس ہوتا تو اپنی بھی فدا جاں کرتی
لاکھ بیٹوں کو وہ شبیرؑ پہ قرباں کرتی

٧

ذکر رونے کا ہے کیا وہ ہے علیؑ کی بیٹی
اُس کو بھائی سے زیادہ نہیں پیارا کوئی
ماں سگی باپ سگی بھائی کی آپ سگی
ہے یہ منظور کہ بچ جائے دل و جانِ نبیؐ
غم نہیں اس کا کہ گھر کی مرے بربادی ہے
ہے تو فرزندوں کا ماتم پہ آئے شادی ہے

٨

اور دنیا میں کسی ماں نے یہ دل پایا ہے
خلعتِ فاخرہ خوش ہو ہو کے پہنایا ہے
آپ دولہا سا بنا کر انہیں بھجوایا ہے
ڈیوڑھی تک آ کے کئی بار یہ سمجھایا ہے
گر خدا فضل کرے جنگ کو سر کر آنا
اور خبردار جو آؤ گے تو مر کر آنا

٩

دیکھو سمجھاتی ہوں جو کچھ اسے سنتے جاؤ
جوہرِ تیغِ علیؑ دشمنوں کو دکھلاؤ
کہیں میدان سے نہ پھر خیمے میں جیتے آؤ
زخم اس بھوک میں ہنس ہنس کے بدن پر کھاؤ
آپ پڑے سے جو کچھ کندے کا دیکھوں گی میں
گر قدم پیچھے ہٹا دودھ نہ بخشوں گی میں

۱۹
یاں تو سر کھولے ہوئے کرتی تھی زینبؑ یہ دعا
سیکڑوں تیغیں کھنچیں تیروں کا منھ پڑنے لگا
دونوں لڑکوں پہ وہاں شام کا بادل امڈا
تیغ کھینچ کے بھائی نے یہ بھائی سے کہا
لاکھ آفت اگر افلاک سے ٹوٹے بھائی
رو میں مہتاب کی طرح ساتھ نہ چھوٹے بھائی

۲۰
بانکپن تلواروں کی ہیں اور پڑھی نادِ علیؑ
اس کو بیجاں کیا جس شامی کی تیغ ان پہ چلی
گھس گئے فوج میں وہ دونوں شجاعِ ازلی
وار جس پر کیا سر سے نہ اجل اُس کے ٹلی
تیغ چمکا کے جدھر شیر سے بھر پڑتے تھے
لگے یاں تک کہ دو صاحب گرتے تھے

۲۱
گھیر لیتے تھے اگر ایک کو مل کر اعدا
اس پہ کرتے تھے سوار آن کے جس دم نرغا
دوسرا دوڑ کے کر دیتا تھا ان کو پسپا
کہتا تھا وہ کہ نہ گھبرائیو میں آ پہونچا
مہلت اعدا کو نہ چھوٹا نہ بڑا دیتا تھا
بھائی بھائی کے لیے جان لڑا دیتا تھا

۲۲
جا لی دیتا تھا کوئی جنگ میں گر عون کا وار
زد پہ آ جاتا تھا دونوں کے اگر کوئی سوار
مارتا تھا اسے تب بڑھ کے محمدؐ تلوار
ایک دو کرتا تھا تو دوسرا کر دیتا تھا چار
تن میں طاقت نہ تھی ہمت سے فقط لڑتے تھے
پیاسے ایسے تھے کہ گھوڑوں سے گرے پڑتے تھے

۲۳
چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے اس وقت کہا
ماموں کے واسطے لے چلتے جو پانی ملتا
بھائی دیکھو تو کہ لہراتا ہے کیسا دریا
نہر میں چل کے بس اب ڈال دو گھوڑے بھیا
تم ہو پیاسے شہِ عالم بھی بہت پیاسے ہیں
اماں بھی پیاسی ہیں اور ہم بھی بہت پیاسے ہیں

۲۴
آگ سی بھڑکی ہے جلتا ہے کلیجا بھائی
شانے بھی جھک گئے دم رکنے لگا پہونچا بھائی
اب تو لڑنے کی بھی طاقت نہیں اصلا بھائی
اہلِ کیں دور ہیں نزدیک ہے دریا بھائی
پانی پینے کا تو ملتی نہیں دھیان آجاوے
ہاتھ منھ دھو لیں ذرا جلد کہ تو جان آجاوے

۲۵
عون کہنے لگا بھائی کا یہ سن سن کے بیاں
بولا جاتا نہیں یہ خشک ہے میری بھی زباں
اے محمدؐ میں تری پیاس کے اوپر قرباں
جانا دریا پہ مناسب نہیں لیکن اس آن
گو کہ ہم پیاسے اسی مرنے میں سوا ہوویں گی
اماں صاحب جو سنیں گی تو خفا ہوویں گی

۲۶
ہاتھ منھ دھویا اگر نہر پہ جا کر تو کیا
جائیں دریا پہ تو ہم چشموں میں ہوگا چرچا
ہاتھ اب جان سے دھونا ہے مناسب بھیا
رہ گئے پیاسے نہ سبطینِ علیؑ اعلیٰ
لبِ زہرا تو ہوا خشک وہ شاداب ہوئے
ماموں پیاسا رہا اور بھانجے سیراب ہوئے

۲۷
علی اصغرؑ کو ہے گو تشنہ دہانی کا خیال
کھولے منھ پانی کا کرتا ہے اشارے سے سوال
پیاس کی گرمی سے گہوارے میں کیسا ہے نڈھال
دیکھا جاتا نہیں یہ بالی سکینہؑ کا ہے حال
حرف پانی کا زباں سے نہ نکالو بھائی
اپنا منھ نہر کی جانب سے پھرا لو بھائی

۲۸

کہا گھبرا کے محمدؐ نے کہ اے نیک صفات
ورنہ جب تک نہ پہنچیں شاہِ رفیع الدرجات
ماموں کے پانی پلانے کو کہی تھی یہ بات
خاک کچھ بھی ہیں ہاتھ آئے اگر آبِ حیات
آبرو دیں گے نہ گو بھوکے پیاسے ہیں ہم
حضرتِ ساقیِ کوثر کے نواسے ہیں ہم

۲۹

بھائی سے کر رہا تھا یہ ابھی باتیں بھائی
دونوں بچوں پہ گھٹا فوجِ ستم کی چھائی
چار جانب سے جو پھر فوج سمٹ کر آئی
گھر گئے سیدِ معصوم کے وہ شیدائی
پیچ کھائے سے کٹ کٹ گئے شمشیروں سے
چھوٹی سی چھاتیاں مجروح ہوئیں تیروں سے

۳۰

زخمی سینوں پہ لگے جب کہ ستم کے نیزے
ہوئی اعدا میں خوشی فتح کے نقارے بجے
گردنیں جھک گئیں غش کھا کے وہ معصوم گرے
شور تھا کاٹ لو معصوموں کے سر خنجر سے
گریں سنتے بھی تو سنتا نہ سخن دونوں کے
شہ کو دکھلا دو تڑپتے ہوئے تن دونوں کے

۳۱

اک لعیں دوڑ گیا خیمۂ سرور کے قریں
بھانجے قتل ہوئے ان کو خبر ہے کہ نہیں
ہاتھ اٹھا کر یہ پکارا کہ کہاں ہیں شہِ دیں
کہو زینبؑ سے کہ سر کٹوں کے بیٹے وہ حزیں
وہ تو مارے گئے بیٹوں کو کہاں پائے گی
رن میں اب بھائی کے بدلے کسے بھجوائے گی

۳۲

وہ تڑپتے ہیں پڑے خاک پہ دونوں گلرو
زخم پھٹ پھٹ گئے ہیں خاک پہ بہتا ہے لہو
کھینچتا ہے عمرِ سعد پکڑ کر گیسو
شمر اب کاٹتا ہے دونوں کے خنجر سے گلو
ستمِ نو کی یہ لشکر نے بنا ڈالی ہے
سر تو کٹوا چکے اب لاشوں کی پامالی ہے

۳۳

سن کے یہ غل شہِ مظلوم نے رو رو کے کہا
اُڑ گیا سنتے ہی یہ رنگ رخِ زینبؑ کا
بھانجے قتل ہوئے ہائے غضب وا ویلا
نکلے خیمے سے شہِ تشنہ دہن ننگے پا
تھامے ہاتھوں سے جگر جانبِ جنگاہ چلے
قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ بھی ہمراہ چلے

۳۴

بھانجوں کے لیے بیتاب تھا دل روتے تھے شاہ
رو کے فرماتے تھے دے داد مری یا ربّاہ
تیغ تھی ہاتھوں میں اور آنکھوں میں عالم تھا سیاہ
بھانجوں کو مرے بیجاں کیا بے جرم و گناہ
ہائے جن بیٹوں کی اب زینبؑ ناشاد ہوئی
دخترِ فاطمہؑ پردیس میں برباد ہوئی

۳۵

پہونچے لاشوں پہ جو دونوں کے جنابِ شبیرؑ
چاند سے سینوں میں معصوموں کے پیوست ہیں تیر
دیکھا بیدم ہیں پڑے خاک پہ دو ماہِ منیر
کہیں نیزوں کے جراحت کہیں زخمِ شمشیر
پیاس میں سوکھی جو ہیں جسم سے جانیں باہر
برگِ گل سی نکل آئی ہیں زبانیں باہر

۳۶

شاہ نے خاک سے رو رو کے اٹھائے لاشے
ڈال کر گھوڑے پہ خیمے میں جو لائے لاشے
منہ پہ منہ رکھ دیا چھاتی سے لگائے لاشے
بولی زینبؑ مرے فرزندوں کے آئے لاشے
غم نہیں اس کا کہ یہ لاڈلے بیجان ہوئے
عید ہے آج کہ بھائی پہ یہ قربان ہوئے

۳۷

دیکھ کر لاشوں کو یہ بیبیوں سے کی گفتار
بھائی کے قدموں پہ ہیں ان پہ مجھے آتا ہے پیار
وہی دونوں نے کیا کر گئے تھے جو اقرار
مرے فرزندوں کے لاشوں پہ کرو جگر نثار
حق نے کیا مرتبہ ان دونوں کو امداد کیا
دودھ تو بخشوں کہ بیٹوں نے مجھے شاد کیا

۳۸

سن کے یہ غل ہوا رونے کا حرم میں برپا
چھاتیاں پیٹتی تھیں بیبیاں باندھے حلقا
کہتے تھے لپٹے ہوئے لاشوں سے شاہ شہدا
اے مرے بھانجو زہرا کا پسر تم پہ فدا
تشنہ کامی کا بڑا رنج اٹھایا تم نے
ہائے پانی بھی دم مرگ نہ پایا تم نے

۳۹

بولی زینب مجھے وسواس ہے اے بھائی جاں
ہاتھ مردوں کے لگاؤ نہ ہیں تم پر قرباں
ہوئے حضرت کی بلا لے کے یہ دونوں بیجاں
سو غلام ایسے فدا آپ پہ یا شاہ زماں
جو وفادار ہیں آقا پہ فدا ہوتے ہیں
آپ صدقے گئی کیوں آپ کے لیے روتے ہیں

۴۰

رو کے حضرت نے یہ فرمایا کہ بہنا بہ خدا
ٹکڑے دو میرے کلیجے کے ہوئے آج جدا
دونوں معصوموں پہ واللہ ترحم کی ہے جا
پیار بھی کر لو انھیں دودھ بھی بخشو بہنا
اشک آنکھوں سے دم نزع پڑے بہتے تھے
ماں کو مرتے ہوئے دیکھا نہ یہی کہتے تھے

۴۱

یہ جو شہ نے کہا ٹکڑے ہوا زینب کا جگر
گر پڑی خاک پہ لاشوں کی بلائیں لے کر
دونوں فرزندوں کے قدموں پہ کبھی رکھتی تھی سر
کبھی کہتی تھی مرے پیارو میں صدقے تم پر
کیسی جرأت سے لڑے واہ بڑا کام کیا
سرخرو آپ ہوئے اور مرا نام کیا

۴۲

جلد موت آ گئی دولھا بھی نہ بننے پائے
چاند سے چہروں پہ سہرے نہ بندھے دکھلائے
گھر سے بھوکے گئے تھے زخم بدن پر کھائے
مجھ سے ملنے کے لیے خوں میں نہا کر آئے
ہائے زندہ تمھیں اے پیارو نہ دیکھا ماں نے
دودھ بخشانے کو کہتے تھے سو بخشا ماں نے

۴۳

کر کے یہ خاک پہ غش ہو گئی زینب اک بار
لے گئے بھانجوں کی لاشیں امام ابرار
کر انیس اب تو خدا سے یہ دعا با دل زار
بخش دے جرم گذشتہ کو مرے یا غفار
اس گنہگار پہ کر رحم علی کا صدقہ
واسطہ حضرت زہرا کا نبی کا صدقہ

سلام

۱
بین اے مجرئی قاسم کی دولھن کیا جانے
بیاہی اک شب کی رنڈاپے کا چلن کیا جانے

۲
دم جو گھٹتا تو یہی کہتی تھی گھبرائی رو رو
کیوں مجھے چھوڑ گئے ابن حسن کیا جانے

نمبر		
۳	چین رستے میں دکھاتی تو فرماتے تھے شاہ	ہم سا غربت زدہ آرام وطن کیا جانے
۴	لاشۂ شبیرؑ سے آتی تھی صدا مقتل میں	کب میسر ہمیں ہووے گا کفن کیا جانے
۵	عمر بھر دیکھی نہ جس نے غل و زنجیر کی شکل	وہ بھلا سلسلۂ طوق و رسن کیا جانے
۶	باغ چلنے کو کوئی کہتا تو کہتے سجادؑ	مرغ بے بال بھلا سیر چمن کیا جانے
۷	کتنی تھی پیاس کی شدت یہ سکینہؑ روئی	ہوگا کب پانی سے تر خشک دہن کیا جانے
۸	داغ اصغرؑ کا کوئی بانوؑ کے دل سے پوچھے	چھد گیا کس کا جگر تیر فگن کیا جانے
۹	کہا زینبؑ نے کہ شبیرؑ سا بھائی نہ رہا	کیوں سلامت رہی دنیا میں بہن کیا جانے
۱۰	رات کو بیاہ ہوا صبح کو کٹوایا گلا	لطف شادی کا بھلا ابن حسنؑ کیا جانے
۱۱	تیر کے درد کو کیا باپ سے کہتا اصغرؑ	بے زباں ہووے جو بچہ وہ سخن کیا جانے
۱۲	قتل کے وقت یہی کہتے تھے دل سے مسلمؑ	کیا کریں شاہ سے یہ عہد شکن کیا جانے
۱۳	ردِّ دعوت نہیں کرنے کا پسر زہراؑ کا	اس عداوت کو وہ سلطان زمن کیا جانے
۱۴	زخمی شبیرؑ نے اکبرؑ کو جو دیکھا تو کہا	ٹکڑے کب تیغوں سے ہوگا مرا تن کیا جانے
۱۵	قید زنداں کی سکینہؑ متحمل نہ ہوئی	نازپرور وہ غم و رنج و محن کیا جانے
۱۶	شہ نے ملبوس جو مانگا تو یہ زینبؑ نے کہا	زیب تن ہوتا ہے کیوں رخت کہن کیا جانے
۱۷	بولے شہ پانی تو ملتا نہیں مرنے کے بھی بعد	کوئی دے گا کہ نہ دے گا کفن کیا جانے
۱۸	دم خفہ ہوتا تو کہتی تھی سکینہؑ رو رو	کب کھلے گی مری گردن سے رسن کیا جانے
۱۹	اہل کیں کہتے تھے [illegible]	کیا جگر رکھتے ہیں ہفتاد و دو تن کیا جانے
۲۰	[illegible] تو فرمانے لگے جعفرؑ [illegible]	ہم سے سرگشتہ ہے کیوں چرخ کہن کیا جانے
۲۱	لاشۂ شبیرؑ پہ زہراؑ نے کہا رو رو کر	قبلہ رو خاک پہ کس کا ہے یہ تن کیا جانے
۲۲	کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیس	مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

تمام شد

مرثیہ

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے
ریحان یہی راحت یہی روح یہی ہے

۲

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے
وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
آبادیِ کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

۳

یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پرنور مکاں رہتا ہے جس سے
وہ در ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کم تر نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے
کوئی بھی نہ شاد دیتے ہیں اس لال کے بدلے

۴

دولت یہی شوکت یہی اجلال یہی ہے
ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی نقد یہی مال یہی ہے
گوہر یہی یاقوت یہی لال یہی ہے
دل بند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے

۵

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے
تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر قوت دل راحت جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

۶

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے
وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ بس ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے
وہ در ہے یہ دُرِ جان لڑی رہتی ہے جس سے
آرام جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
بڑھتا ہے جدھر رشتۂ جاں ساتھ ہے اس کے

۷

مالک کے بھرے گھر کے اجڑ جانے کو پوچھو
گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا
بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

۸

اب رخصت اکبر ہے شہ تشنہ دہاں سے
فرزند بچھڑتا ہے امام دو جہاں سے
پیری میں چھڑاتا ہے فلک تازہ جواں سے
کس فصل میں درپیش ہے فرقت دل و جاں سے
آئی ہے اجل گود کا پالا نہیں جاتا
غمبار ہے لیکن یہ سنبھالا نہیں جاتا

۹

فرماتے ہیں فرزند سے آنکھوں کو چرا کر
دیکھ آؤ ذرا مادر ناشاد کو جا کر
کہتا ہے وہ ناشاد جواں اشک بہا کر
اماں سے گئے تھے ہیں سناں سینے پہ کھا کر
کہنا نیزہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا
سب چھوٹ گیا آپ کو چھوڑا نہیں جاتا

۱۰

مولا یہ غلام اب ہمہ تن ہے رضا کا
ثمرہ ہے علمدار دلاور کی وفا کا
مشتاق ہے یہ خشک گلا آبِ بقا کا
کچھ کام تو خادم سے بھی ہو راہِ خدا کا
اس خاک کا ذرہ ہو جو خورشید وہی ہے
جو آج مرے زندۂ جاوید وہی ہے

۱۱

جینے پہ مرے عشقِ خدا جس کو نہیں ہے
خاک اس زر و گوہر پہ بقا جس کو نہیں ہے
پتھر ہے محبت کا مزا جس کو نہیں ہے
شقی ہے سعادت کی فنا جس کو نہیں ہے
ادنیٰ ہو تو اعلیٰ ہو گدا ہو تو غنی ہو
حقا یہ اُسی کا ہے جو قسمت کا دھنی ہو

۱۲

ڈوبے گا جو حیدر کے سفینے میں نہیں ہے
دل مردہ ہے گر درد بھی سینے میں نہیں ہے
نام اس کا شجاعت کے نگینے میں نہیں ہے
مرنے میں جو لذت ہے وہ جینے میں نہیں ہے
سر دینے کی لذت کوئی سرداروں سے پوچھے
زخموں کا مزا شہ کے نمک خواروں سے پوچھے

۱۳

پھر موت ہے گر عمر ہو لاکھ برس کی
واماندوں کو آتی ہے یہ آوازِ جرس کی
بلبل سے اب اٹھتی نہیں تکلیف قفس کی
ایذا ہے مسافر کو فقط چند نفس کی
اس دن کے سوا توشۂ عقبیٰ نہ ملے گا
ڈھونڈے گا تو پھر قافلہ ایسا نہ ملے گا

۱۴

دوری نہیں کچھ عمر سفر ہو لی ہے کوتاہ
سالک ہے وہی راہِ رضا سے جو ہو آگاہ
ہمت ہو تو کٹ جاتی ہے خوبی سے کڑی راہ
آ سیل کی صورت تجھے کوثر کی ہے گر چاہ
جاتا ہے وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے
دن بھر میں کہاں مہر پہونچتا ہے کہاں سے

۱۵

کوتاہیِ قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے
سر دیں گے دمِ تیغ ارادہ تھا یہ شب سے
مجبور محمدؐ سے تجمل شاہِ عرب سے
تڑپا کیے اور کچھ نہ کہا پاسِ ادب سے
دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہو جہاں میں
قاسم تو ہو فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

۱۶

چھوٹے جو ہوں وہ جوہرِ شمشیر دکھائیں
عباسؑ علیؑ خوں میں سرِ نہر نہائیں
ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
بعد اُن کے بھی سر دینے کا ہم اذن نہ پائیں
فرزند فدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید
ہم حیدرِ کرار کے پوتے نہیں شاید

۱۷

بچپن میں ہمیں آپ نے شمشیر عطا کی
ہم شیر ہیں شیروں کے قسم شیرِ خدا کی
مٹ جائیں گے جوہر جو ہمیں نے نہ وغا کی
حرمت ہیں شجاعت کی تو عزت ہیں وفا کی
تیغوں میں کہاں میں رہیں ہتھیاروں سے کھیلے
بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے

۱۸

نے صبر میں حضرت سا کوئی ہے نہ رضا میں
یہ حوصلہ کس کا ہے کہ روئے نہ عزا میں
گھر آپ نے صدقے کیا سب راہِ خدا میں
لیجے مری امداد بھی اس رنج و بلا میں
گر عبد خدا کے ہیں تو ماں باپ ہیں مولا
دیجیے مجھے رخصت کہ سخی آپ ہیں مولا

۱۹

اے سالک منہاج علی راہ دکھا دے
دروازۂ رحمت مجھے للہ دکھا دے
مشتاق ہوں جس در کا وہ درگاہ دکھا دے
دربار شہنشاہ فلک جاہ دکھا دے
واں پہونچیں جہاں عرش بھی پایہ نہیں رکھتا
ہم سائے میں اس کے ہوں جو سایہ نہیں رکھتا

۲۰

یہ کہہ کے جو قدموں پہ گرا وہ مہ انور
ہیں مانع تقبیل سعادت نہیں دلبر
سر چھاتی سے لپٹا کے یہ کہنے لگے سرور
جو تم سے بن آئے وہ کرو اے علی اکبر
یہ سنتے ہی دنیا سے گزر جائے گی زینب
رونا مجھے اس کا ہے کہ مر جائے گی زینب

۲۱

عمر اس نے گنوائی ہے محبت میں تمہاری
اٹھارہ برس کاٹے ہیں الفت میں تمہاری
سب ہیں پہ وہ عاشق ہے حقیقت میں تمہاری
کیونکر اسے صبر آئے گا فرقت میں تمہاری
اللہ ہی چاہے تو نہ حائل کوئی شے ہو
یہ مرحلہ ایسا ہے کہ دو باتوں میں طے ہو

۲۲

بسم اللہ اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ
روکوں گا نہ میں شوق سے پھر برچھیاں کھاؤ
ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ
آب دم شمشیر سے پیاس اپنی بجھاؤ
دل اب کہیں دنیا سے گذرنے میں نہ ہووے
ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہووے

۲۳

شہرت ہے جواب دیجیے سر راہ خدا میں
آبادی ہے لٹ جائے جو گھر راہ خدا میں
سو تیغ سے بہتر ہے ضرر راہ خدا میں
ہو عید جو قربان ہو پسر راہ خدا میں
اک یہ بھی عطا ہے کہ بنے کام ہمارا
دولت تو اسی کی ہے سب اور نام ہمارا

۲۴

یہ سن کے گیا خیمے میں وہ صاحب توقیر
لپٹا کے گلے کہنے لگی شاہ کی ہمشیر
الفت سے پھری گرد پسر بانوئے دلگیر
سنولا گئی ہے دھوپ میں یہ چاند سی تصویر
دو دن سے اس آفت میں نہیں سوئے ہو بیٹا
آنکھوں پہ ورم کیسا ہے کیا روئے ہو بیٹا

۲۵

حضرت کی تو ہے خیر کہو اے مرے دلبر
اب خیر کہاں لٹ گیا سب شاہ کا لشکر
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ بولا وہ دلاور
نے آپ کے بیٹے نہ بھتیجا نہ برادر
تھوڑے بچا پایا تھا جنھیں وہ بھی بچھڑے ہیں
مظلوم پدر لاکھ سواروں میں گھرے ہیں

۲۶

اک ہم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے
فوجوں کے ہٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے
اظہار جوانمردی جد کر نہیں سکتے
بے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے
دربار میں سر دینے کی باری نہیں آتی
سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی

۲۷

رخصت نہیں ماں دیں نہ پھوپھی دیں نہ پدر دیں
دم بھر میں یہ میدان وغا لاشوں سے بھر دیں
مجبور ہیں کیونکر قدم شاہ پہ سر دیں
سرکش جو بڑھے آتے ہیں پسپا انھیں کر دیں
اندوہ و مصیبت کی صفیں ہٹ نہیں سکتیں
وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتیں

۲۸
جائیں گے کدھر جب نہ رہے سید عالی
نے دوست نہ ہمدرد نہ مولی نہ موالی
کیسی یہ مصیبت فلک پیر نے ڈالی
یہ آج کا جینا نہیں وہ حال سے خالی
یا کوہ میں یا دشت کے میداں میں مریں گے
یا بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں مریں گے

۲۹
الفت میں بگڑتا ہے بنا کام ہمارا
اب صفحۂ ہستی سے مٹا نام ہمارا
شہرہ تھا بہت روم سے تا شام ہمارا
آغاز تو وہ اور یہ انجام ہمارا
یہ منزل اندوہ و بلا کاٹ کے مرتے
گر شرع نہ ہوتا تو گلا کاٹ کے مرتے

۳۰
سرور کے شیدائی طرب خلد میں پہنچے
دنیا سے بصد عیش و طرب خلد میں پہنچے
پُر راحت و آرام ہے جب خلد میں پہنچے
اے وائے ہمیں رہ گئے سب خلد میں پہنچے
اک ہم میں کوئی رونے والا ہی نہ ہوتا
اے کاش پھوپھی نے ہمیں پالا ہی نہ ہوتا

۳۱
کس کو ہے نظر تشنہ دہانی پہ ہماری
دے گا نہ کوئی نذر بھی پانی پہ ہماری
رونے کا سبب ہے مرتبہ دانی پہ ہماری
جیتے رہے خاک ایسی جوانی پہ ہماری
جو جان نہ فدا ہوئے گا دنیا میں رہے گا
مانع ہوئے ماں باپ یہ کوئی نہ کہے گا

۳۲
ہتھیار کدھر پھینکیں کہاں چھپنے کو جائیں
کس بن میں رہیں کون سے جنگل کو بسائیں
تنہا ہیں سفارش کے لیے کس کو بلائیں
امداد کریں شیر خدا فاطمہ آئیں
اعجاز ہو تو کام مرا بند نہ ہوگا
یوں تو کوئی رخصت پہ رضامند نہ ہوگا

۳۳
زینب نے کہا کس پہ یہ غصہ ہے میں واری
کچھ منہ سے کہا میں نے کہ مادر نے تمہاری
کیا وجہ ہے کس بات پہ ہے گریہ و زاری
تیغ لیجیے ہتھیار طلب کیجیے سواری
انصاف کرو صدقے گئی اہل وفا ہو
رو دیں تو پدر پالنے والی سے خفا ہو

۳۴
کیوں کاٹو گلا غصے سے کیوں ہونٹ چباؤ
میں شہ سے دلا دوں گی رضا شوق سے جاؤ
مر جاؤں گی سر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ
ہو رنج کی بلائیں تو میں لے لوں ادھر آؤ
تقصیر ہمیں سے ہوئی تو جانے دو بیٹا
الجھی ہوئی زلفوں کو تو سلجھانے دو بیٹا

۳۵
بانو نے کہا تو انھیں یوں کون منائے
غصہ بھی اٹھائے وہی جو ناز اٹھائے
سمجھی ہیں یہ حضرت سے خفا ہو کے ہیں آئے
اس پردے میں پیغام جدائی بھی ہیں لائے
کچھ ان کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بھائی کی باتیں
میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں

۳۶
باتوں کا یہ غنچہ تھا کہ رخصت کا ہوا غل
رانڈوں میں شہیدوں کی مصیبت کا ہوا غل
آفت کی پڑی کوک قیامت کا ہوا غل
اس شور میں اکبر کی بھی رخصت کا ہوا غل
گھبرا گئے سجاد جو ہیں چونک کے غش سے
سمجھے کہ سفر ہو گیا اصغر کا عطش سے

۳۷
فضہ سے کہا کیا ہوا کیسی ہے یہ زاری
سر پیٹ کے وہ خادمۂ خاص پکاری
شبیر اکیلے ہیں غضب ہو گیا واری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبر کی سواری
ماں خاک اڑاتی ہیں پھوپھی غش میں پڑی ہیں
سب بیبیاں حلقہ کیے گرد اُن کے کھڑی ہیں

۳۸
فرمایا عصا لاؤ کہ برادر سے مل آئیں
غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئیں
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئیں
شبیر کے پیارے سے علی اکبر سے مل آئیں
بھائی کا نہیں کوچ یہ رخصت ہے نبی کی
ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہے نبی کی

۳۹
فضہ نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا
بستر سے اٹھا کانپ کے وہ گیسوؤں والا
خم ہو گیا تھا درد کمر سے قد بالا
تھرا کے پڑا پاؤں کہیں اور کہیں ڈالا
اشک آنکھوں سے بہتے تھے گریباں تھا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر

۴۰
آواز حزیں تھی کہ مری جان برادر
بیمار برادر ترے قربان برادر
ہم آتے ہیں ٹھہرے رہو اک آن برادر
ذی قدر برادر مرے ذی شان برادر
ہم رو چکے تھے تم ہمیں روتے ہوئے جاؤ
بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ

۴۱
عابد کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبر
آنکھوں کو ملا ہاتھوں سے قدموں پہ ملا سر
سجاد نے فرمایا کلیجے سے لگا کر
گردن میں مری ڈال دو باہوں کو برادر
شانے کے قریب زلف معنبر رہے بھائی
چہرہ مرے چہرے کے برابر رہے بھائی

۴۲
اے روشنی خانۂ زہرا ترے صدقے
اے باپ کے عاشق مرے شیدا ترے صدقے
اے تشنہ لب اے بیکس و تنہا ترے صدقے
اے رہ رو فردوس معلی ترے صدقے
گھر آج اجڑتا ہے لٹے جاتے ہیں بھائی
ہم قافلہ والوں سے بچھڑے جاتے ہیں بھائی

۴۳
غربت میں مبارک تمھیں ہمراہی شبیر
کیا دیجیے واماندوں کو دکھلاتی ہے تقدیر
مرنے کی اجازت نہیں دیتے شہ دلگیر
تب کیا مجھے آئی کہ پڑی پاؤں میں زنجیر
لٹ جائے گا گھر بعد شہنشاہ زمن کے
ہیہات گلا ہوئے گا حلقے میں رسن کے

۴۴
اے اکبر مہرو تجھے پاؤں گا کہاں میں
اے صفدر خوش خو تجھے پاؤں گا کہاں میں
اے زینت پہلو تجھے پاؤں گا کہاں میں
اے قوت بازو تجھے پاؤں گا کہاں میں
بے غسل و کفن آپ تو میداں میں رہیں گے
ہم بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں رہیں گے

۴۵
بھیا یہ نقاہت مری اور بوجھ یہ گھر کا
کیا زور ہے جو حکم تپ جاں دو بستر کا
عمو کا سہارا نہ تمھارا نہ پدر کا
غربت تو یہ اور سامنا اس لشکر شر کا
گھر جلنے میں رہنے کا نہیں ہوش کسی کو
بچوں کو سنبھالوں گا کہ ناموس نبی کو

۴۶
اے راحتِ جاں یاور و غم خوار ہمارے
پہلے نہ چلی حلق پہ تلوار ہمارے
دلدار و مددگار و پرستار ہمارے
افسوس ہوئے تم نہ عزادار ہمارے
ملتے ہیں کہاں ساتھ کے کھیلے ہوئے بھائی
فریاد کہ ہم آج اکیلے ہوئے بھائی

۴۷
اللہ ری ان بھائیوں کی گریہ و زاری
ماں کہتی تھی قرباں میں الفت کے تمہاری
جس طرح برستا ہے کبھی ابرِ بہاری
بس صبر کرو تپ میں غش آجائے گا واری
سہرا اسد اللہ کی جانی کو دکھائے
بھائی کا خدا داغ نہ بھائی کو دکھائے

۴۸
غش آنے لگا جب تو کہا بھائی سے رو کر
آہستہ کہا جاتے ہیں بھائی سوئے کوثر
کچھ ہم سے وصیت تو کرو اے علی اکبرؑ
پانی جو ملے یاد ہمیں بھیجو برادر
مرقد بھی پسر قبلہ و کعبہ سے قریں ہو
تربت مری پائینِ مزارِ شہِ دیں ہو

۴۹
اس معرکے سے جب ہو وطن آپ کا جانا
کہنا کہ بہن پھر گیا ہائے زمانا
صغرا کو کئی بار کلیجے سے لگانا
وعدہ تو کیا تھا پہ نہ تم تک ہوا آنا
شبیرؑ پہ فوجوں کی گھٹا چھا گئی صغراؑ
آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آگئی صغراؑ

۵۰
یہ کہہ کے پھوپھی پاس گئے اکبرؑ دلگیر
منہ دیکھ کے مادر کا یہ کی یاس سے تقریر
ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ بحل کیجیے تقصیر
دودھ آپ بھی بخشیں تو ملے عزت و توقیر
اس مژدے سے تن میں مرے جان آگئی اماں
دو روز کی یہ پیاس ابھی بجھ جائے گی اماں

۵۱
زینبؑ نے کہا میں ہوں رضامند و ثنا خواں
ماں بولی میں ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے قرباں
تقصیر تری کچھ نہیں اے اکبرِ ذی شاں
لو دودھ بھی بخشا تمہیں ماں نے بدل و جاں
آگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی ماں
یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی ماں

۵۲
یہ سن کے تڑپنے جو لگی زینبؑ ناشاد
جس وقت چلا خیمے سے وہ غیرتِ شمشاد
ہے ہے علی اکبرؑ کی ہوئی رانڈوں میں فریاد
غل تھا کہ ہوا خیمہ کی اب ہوئی برباد
یوں گرد حرم روتے تھے اس سرو رواں کے
جس طرح کے ماتم ہو جنازے پہ جواں کے

۵۳
فضہ نے جو پردہ درِ دولت کا اٹھایا
ذروں پہ جو پڑنے لگا اس مہ کا سایا
خورشید نہیں برجِ شرف سے نکل آیا
چلائی زمیں سب سے فزوں ہے مرا پایا
میں رتبے میں ہوں چرخِ چہارم سے زیادہ
خورشید مرے پاس ہیں انجم سے زیادہ

۵۴
بستی مری اس نور سے ہے طورِ تجلّی
دامن ہے مرا حور و ملائک کا مصلّیٰ
بھاری ہے ترازو نے فلک سے مرا پلّا
بچھیرہ مرے جس کو علیؑ سے ہے تولّا
تا حشر ہے یہ فیضِ شہنشاہِ ہدیٰ کا
تسبیح مری ہوئے گی اور ذکر خدا کا

پہونچے جو قریب شہ کے تو کی عرض کہ حضرت	۵۵	اقبال سے مولا کے ملی جنگ کی رخصت
فرمایا کہ یہ دیتی ہے چہرے کی بشاشت		مسعود و مبارک سفر گلشن جنت
مرضی ہو تو یہ پیر بھی دے ساتھ تمہارا		ہم جائیں گے ہم کھائے ہوئے ہاتھ تمہارا
اکبر نے کہا آپ سلامت رہیں آقا	۵۶	دنیا کا شرف دولت دیں عزت عقبا
کوثر کی نہ خواہش ہے نہ جنت کی تمنا		ہوں میں فقط آب دم شمشیر کا پیاسا
توقیر ملے خلق میں ماں باپ کے آگے		مشتاق ہوں اس کا کہ مروں آپ کے آگے
نام آپ کے بابا کا ہے کونین میں شاہا	۵۷	یٰسین کہا حق نے کہا ہے کہیں طٰہٰ
جو آپ نے طفلی میں کہا اس کو نباہا		چاہا وہی مولا نے جو اللہ نے چاہا
قربان مجھے کیجئے یہ تمنائے دلی ہے		میراث خلیل آپ کو حصہ میں ملی ہے
فرمایا الا اے پسر عاقل و دانا	۵۸	ہے ذات خدا قادر و قیوم و توانا
جو آیا ہے اک دن اسے درپیش ہے جانا		آگے کوئی پیچھے کوئی ہوتا ہے روانا
وقفہ کبھی دن کا ہے تو عرصہ کبھی شب کا		جب طے ہوئی منزل تو مکاں ایک ہے سب کا
تھی صبح کہ احباب مسافر ہوئے سارے	۵۹	دن دوپہر آیا تھا کہ عباس سدھارے
اب جاتے ہو تم بعد زوال اے مرے پیارے		عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمہارے
تم اور نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے		روتے ہیں ہم اس پر کہ حسینی کا سفر ہے
اک ہم ہیں کہ اس پیاس میں کام آئے ہیں سب کے	۶۰	لاشے ہیں یہ آئے شجاعان عرب کے
فاقے سے کئی روز کے جاگے ہوئے شب کے		ہوتا تھا یہ ثابت کہ غش آیا ہے گلاب کے
اعدا نے جہاں دوست کو مارا وہیں پہونچے		میداں میں ہیں جس نے پکارا وہیں پہونچے
اتنا بھی کوئی اب نہیں اے اکبر مہرو	۶۱	جب تیروں سے غربال کریں جسم جفا جو
تلواروں سے مجروح ہو سر تیروں سے پہلو		گھوڑے سے اتارے تو کوئی تھام کے بازو
پامال ہمیں لشکر نا اہل کرے گا		پر خیر یہ مشکل بھی خدا سہل کرے گا
ہر طرح گذر جائے گی اے اکبر ذی جاہ	۶۲	پر الفت اولاد سے عاجز ہے بشر آہ
کچھ جان چلی جاتی ہے تن سے ترے ہمراہ		غش آتا ہے گرتے ہیں سنبھالو ہمیں للہ
جس پاس پسر ہو وہ جواں بخت ہے بیٹا		یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہے بیٹا
کس طرح سنبھالوں کہ دل زار نہ تڑپے	۶۳	کچھ دل کی کہوں قلب جو اک بار نہ تڑپے
اس طرح کوئی مرغ گرفتار نہ تڑپے		یوں مرتے ہوئے صاحب آزار نہ تڑپے
تازہ غم محبوب خدا ہو گیا مجھ کو		اب تک تو میں اچھا تھا یہ کیا ہو گیا مجھ کو

۶۴
گذری نہیں اس طرح کی ایذا کبھی دل پر
برچھی کبھی سینے پہ ہے نیزہ کبھی دل پر
اے لال یہ صدمہ نہیں پہونچا کبھی دل پر
گردوں سے کلیجے پہ کلیجا کبھی دل پر
اب اشکوں کی ندی بھی بہائی نہیں جاتی
وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

۶۵
لو چھاتی سے لپٹو کہ قرار آئے جگر کو
حضرت نے کہا چھاتی سے لپٹا کے پسر کو
فرزند نے خم ہو کے رکھا پاؤں پہ سر کو
برباد کیے جاتے ہو اکبر مرے گھر کو
منظور یہ تھا ساتھ مروں ساتھ فدا ہوں
پر خیر سدھارو کہ میں راضی برضا ہوں

۶۶
رخصت ہوئے جب شہ سے علی اکبر ذیشاں
وہ رخش کی چھل بل وہ ضیائے رخ تاباں
گوشے پہ چھپے وہ آپ کھلا رحل پہ قرآں
اک برق چمکتی ہوئی پہونچی سر میداں
زردی رخ خورشید پہ چھائی نظر آئی
پرتو سے زمیں رن کی طلائی نظر آئی

۶۷
سب دشت بسا پھولوں سے بو تن کی جو پھیلی
نور ایسا جہاں چادر مہتاب بھی میلی
فردوس میں لہرائیں خدا جن سے کے [illegible]
گیسو وہ کہ مجنوں ہو جنہیں دیکھ کے لیلی
اک عشق ہے ہونٹوں سے حلاوت طلبوں کو
گر دیکھے تو جا نا کرے شیریں بھی لبوں کو

۶۸
آنکھوں سے جب آہوئے چینی و ختائی
مردم کے لیے فخر ہے یاں نا مرسائی
دونوں نے یہ چتون یہ سیاہی نہیں پائی
شیروں کو تپ آتی ہے دم چشم نمائی
ہاں کچھ گل بادام حقیقت نہیں رکھتا
نرگس وہ کہے گا جو بصارت نہیں رکھتا

۶۹
دیوانی ہوں پریاں نظر آئے جو یہ رفتار
تھم تھم کے اٹھاتے ہیں قدم مردم دیدار
گو شوق شہادت ہے پہ عجلت نہیں زنہار
پہونچا نہ سلیماں سے کبھی مور کو آزار
ما رحم سدا اس ضعیفوں کا قوی کو
دیکھا ہے کبھی شیر کی آہستہ روی کو

۷۰
جنبش [illegible] سے یہ [illegible] کو نہیں یارا
دشمن کے لیے تیغ ہے ابرو کا اشارا
سجدے کا نشاں ہے کہ چمکتا ہے ستارا
پلکیں بھی ہیں خونریزی اعدا پہ صف آرا
خال ایسے کہ اختر بھی شرماتے ہیں جن سے
آنکھیں وہ ہرن شیر دبک جاتے ہیں جن سے

۷۱
وہ شان وہ شوکت وہ [illegible] وہ ملالت
طینت میں کرم طبع میں انصاف عدالت
چھپتے ہیں کہیں جوہر شمشیر اصالت
اقبال علیؑ شان شہنشاہ رسالت
دیکھا تو وہ رخ [illegible] کہ سراج کو دیکھا
زلفوں کو جو دیکھا شب معراج کو دیکھا

۷۲
جو رخ میں صباحت وہ کہاں نور سحر میں
تابندہ وہ [illegible] حلقہ [illegible] کی بر میں
چشم اسد اللہ کا سب رعب نظر میں
کیا بندش ہے سپر لب پہ [illegible] تیغ کمر میں
شوکت اسد اللہ کی تصویر بنی کی
داؤد کی [illegible] وہ زرہ بھی نظر [illegible] بنی کی

۷۳
بھیگی ہیں مسیں سبزۂ خط بھی ہے نمودار
وہ فصل شباب اور وہ رنگ گل رخسار
گویا کہ خضر آب بقا کے ہیں طلب گار
دندان وہ سب الماس ہے لب لعل گہر بار
یاں جوڑے ہوئے ہاتھ فصاحت بھی کھڑی ہے
تقریر مسلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے

۷۴
کس حسن سے لب پر ہے ستائش اب وجد کی
نعرہ ہے کہ حیدر نے رسولوں کی مدد کی
اعدا کو دکھاتے ہیں دغا بدر و احد کی
توڑا ہے در قلعہ کو شدت میں رمد کی
گردش کبھی دی اور کبھی اونچا کیا سر سے
ہلکا تھا وہ در دست مبارک میں سپر سے

۷۵
تھا فوج کو خندق سے اترنے میں تامل
جب تک نہ گئی فوج نبی قلعہ میں بالکل
خندق کا اسی در کو بہادر نے کیا پل
تھامے رہے اک ہاتھ سے در صاحب دلدل
وہ پائے مبارک تھے ہوا پر نہ زمیں پر
مولا کے قدم تھے پر جبریل امیں پر

۷۶
تقسیم غنیمت سے ہوئی جب کہ فراغت
فولاد ہوا موم زہے زور ولایت
پھر توڑ کے اس در کو لگے بانٹنے حضرت
کس میں تھی سوا بازوئے احمد کے یہ طاقت
سب ٹکڑے برابر تھے عجب بذل و کرم تھا
تولا تو نہ جو بھر یہ زیادہ نہ وہ کم تھا

۷۷
آغاز رجز تھا کہ ہوئی تیروں کی بوچھار
تلوار کا کھنچنا تھا کہ تھا فوج میں رہوار
شہزادۂ عالم نے بھی لی میان سے تلوار
رہوار کی چل پھر میں صفیں پس گئیں دو چار
اس شان سے تخت دل شیر صمد آیا
گویا صف آہو پہ یکایک اسد آیا

۷۸
ال چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے
طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اڑ گئے تن سے
آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
غل تھا یہ جری نسل ید اللہ لڑے گا
تر ہوگی زمیں خون سے وہ رن آج پڑے گا

۷۹
تلوار تھی جب تار کی یا قہر خدا تھی
بجلی جو ادھر تھی تو ادھر سیل فنا تھی
سر تھا تو الگ تھا جو کمر تھی تو جدا تھی
تلوار بھی یوں سر پہ جب آئی تو قضا تھی
بے سر ہوئی وہ صف جو نظر جس پہ گئی اس کی
چاٹا جو لہو اور برش بڑھ گئی اس کی

۸۰
جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اس کو
جو آگے بڑھا غول سے بے جاں کیا اس کو
مجمع تھا جدھر دم میں پریشاں کیا اس کو
بخشی جسے جاں بندۂ احسان کیا اس کو
بے سر تھا ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی
مارا اسے دشمن ارنہ تھا نسل میں جس کی

۸۱
کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی
جب ہجوم کے ڈھالوں کی گھٹا آئی تھی کالی
دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر بلالی
ملتا تھا نشاں رن میں نہ صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینھ آج برستا ہے سروں کا

٨٢

آفاق میں جن کی قدر اندازی کا تھا شور
یاں کوئی سرکش کوئی بدکیش ہے گور
ہاتھ اُن کے پیادوں کی طرح ہو گئے کمزور
کر دیتی تھی تابندگیِ برق دو دم کور
سوفار کو چلے سے ملانا گئے سو بھلے
رخ پھر گئے ہوں جب تو نشانہ کسے سوجھے

٨٣

کیا حرب تھی قربانِ جگر گوشۂ شبیرؑ
آیا جو کماں لے کے کمیں سے کوئی بے پیر
نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
گوشہ تھا نہ چلّہ تھا نہ حلقہ تھا نہ زہ گیر
جو دار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا
قبضے سے کماں ہاتھ کلائی سے جدا تھا

٨٤

یا شیرِ خدا کہہ کے جب اعدا میں در آئے
یوں غیظ و غضب میں ادھر آئے ادھر آئے
انبار تن و سر کے دو دستہ نظر آئے
جیسے صفِ آہو کی طرف شیرِ نر آئے
جانوں کو بچاتے تھے پیادے بھی نہ ہٹ کر
گر پڑتے تھے گھوڑوں سے بھی اسوار الٹ کر

٨٥

کٹ کٹ کے ہر ایک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی گاہ جگر پر
برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پر
مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
زیں سے گئی جو مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

٨٦

نے خود نہ چہرہ نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ
نے حلق نہ سینہ نہ کمر چھوڑتی تھی وہ
نے ہاتھ نہ بیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ
نے خوں نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ
آجاتی تھی آواز زرہ ضرب کی زد سے
غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اٹھنے کی زرہ سے

٨٧

یوں شامیوں میں شب تھی ادھر نور کا تڑکا
تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا
قرنا کی وہ آواز وہ کڑکیتوں کا کڑکا
اک غل تھا کہ دو لاکھ پہ بھاری ہے یہ لڑکا
تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق اس میں نہیں ہے
سر جسم سے اڑ جائیں گے فرق اس میں نہیں ہے

٨٨

اللہ ری زباں آوری تیغِ بلا نوش
گھاٹ ایسا کہ ڈر سے لبِ دریا بھی تھے خاموش
زرہیں ہمہ تن چشم تھیں ڈھالیں ہمہ تن گوش
باڑھ ایسی کہ تھیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
کٹتے تھے گلے تیز زبانی سے اسی کی
دریا بھی تھے چکر میں روانی سے اسی کی

٨٩

ناہیں وہ کہ شہ رگ کسی گردن میں نہ چھوڑیں
جوہر وہ کہ حلقہ کسی جوشن میں نہ چھوڑیں
دشمن کا گلا قلعۂ آہن میں نہ چھوڑیں
بٹے وہ قیامت کے لہو تن میں نہ چھوڑیں
سہ وہ ہے کہ دم سے شطِ خوں بہتی ہے جس کے
قبضہ وہ ہے قبضہ میں ظفر رہتی ہے جس کے

٩٠

بدلی کی طرح شام کی جب فوج گھر آئی
دعویٰ تھا مگر بھول گئے ہرزہ درائی
پھر تیغ نے بجلی صفِ اعدا پہ گرائی
چلاتے تھے بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے
یہ مرگِ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

۹۱

شمشیر کے اک جزو سے ہے شیر جو ہم نام
تھم جاتی ہے بجلی مگر اس کو نہیں آرام
رعب اس نے یہ پایا ہے کہ تھراتے ہیں اندام
گیتی کو الٹ دے یہ قیامت ہے وہ صمصام
مریخ لرزتا ہے تو جوہر سے اسی کے
شیروں کو چڑھی رہتی ہے تپ ڈر سے اسی کے

۹۲

چار آئینہ یوں کٹتے تھے اک ایک جواں کے
سہمے تھے کمانداروں کے دل خوف سے جاں کے
جس طرح کہ مہتاب میں ٹکڑے ہوں کتاں کے
چلہ نہ کھنچا تھا کہ یہ تھی سر پہ کماں کے
چلاتے تھے سب مثل اجل آتی ہے یہ تو
بجلی سے بھی جلدی کہیں چل جاتی ہے یہ تو

۹۳

اس نے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا
یہ شیر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
اڑتا ہوا سر بیچ میں اس غول کے آیا
حق جس کی طرف وہ زبردست رہا ہے
سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

۹۴

ہم چشم تھا ابروے حسینوں کے خم اس کا
ناگن بھی اترتا ہی نہ تھا چڑھ کے سم اس کا
اللہ ری چمک برق بھی بھرتی تھی دم اس کا
ہر ہاتھ میں ہاتھ اس کا تو بازو قلم اس کا
جوہر کی چمک ایسی نہ ہیروں کے نگوں میں
یوں دوڑتی تھی تن میں لہو جیسے رگوں میں

۹۵

اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمن جاں پر
ترکش پہ کبھی سر سے کبھی گاہ کماں پر
گہ سر پہ کبھی ڈھال پہ اور گاہ سناں پر
کس طرح بھلا ذکر برش لاؤں زباں پر
دل سے کہیں جینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے
دم بند ہے ڈر سے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

۹۶

لوہے سے اسی تیغ کے آئینہ سے گر
پائے نہیں اب تک کسی جوہر نے یہ جوہر
عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے سر
ذکر اس کی برش کا جو مسافر کے ہو لب پر
قطاع طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جائے
کیسی ہی کڑی راہ ہو اک آن میں کٹ جائے

۹۷

معشوق کو عاشق سے جدا کرتی تھی شمشیر
بھکتی تھی جدھر حشر بپا کرتی تھی شمشیر
ہر آن حق اکبر کا ادا کرتی تھی شمشیر
جب اٹھتا تھا سر جسم سے جدا کرتی تھی شمشیر
مریخ بھی دل باختہ تھا سامنے اس کے
گردوں سپر انداختہ تھا سامنے اس کے

۹۸

ہل چل میں یہ صف گرتی تھی جب صف پہ ادھر کی
بھولا ہوا تھا باپ محبت کو پسر کی
نہ ہوش تھا تن کا نہ خبر تیغ و سپر کی
بھاگے تو یہ سمجھے کہ مہم پاؤں نے سر کی
ورنہ تو لہو تیغ کی گردن پہ نہ ہوتا
کرتے نہ مدد پاؤں تو سر تن پہ نہ ہوتا

۹۹

سو سو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا
زخم کھا کے بھی جرار کو ہٹتے نہیں دیکھا
یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
گھوڑے کو کسی باگ پہ پلٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اٹھا برچھیوں پر آتا ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سمجھتا ہے گھوڑا

۱۰۹

رستم کی طرح اپنے تہوّر پہ تھا غرّا
بدکار جہاں حسن لیاقت سے معرّا
خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرّا
گردن تھی ازل سے تہِ شمشیر تبرّا
پرہول ہو رستہ وہ سیہ رو جو گزر جائے
صورت وہ کہ عفریت بھی جسے دیکھ کے ڈر جائے

۱۱۰

وہ خود کہ شمشیر سے بھی جس کا نہ آتے پار
اژدر تو خود اور مار سیہ نیزہ خوں خوار
چار آئینہ اک قلعہ فولاد کی دیوار
وہ گرز گراں سر جو کرے کوہ کو مسمار
خنجر وہ کہ مریخ کا رنگ اڑتا تھا جس سے
ڈھال ایسی کہ تلوار کا منہ مڑتا تھا جس سے

۱۱۱

کافر نے رجز پڑھ کے تکاور کو نکالا
اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا
اکبر بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
گردن کو لڑائے ہوئے تھا کالے سے کالا
پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشت وغا میں
چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

۱۱۲

ہر طعن میں یاں مڑ گئے واں اڑ گئے رہوار
چوٹیں جو کئی کھا کے جھجکنے لگا غدّار
نقطہ پہ سمٹنے میں وہ پھرنے میں پرکار
نیزے کو اڑا لے گیا نیزے سے وہ جرّار
کیا بند سے کٹ دل عقدہ کشا پر
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی دانہ ہوا پر

۱۱۳

قبضے میں کمان لے کے بڑھا سرکش بے پیر
پنجہ تھا کہ سرپنجۂ ضرغام عدو گیر
سر پر تھا عقاب علی اکبر صفت تیر
غل تھا کہ زہے زور جگر گوشۂ شبیر
یا دیکھی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
یا چشم خورشید میں دیکھا مہ نو کو

۱۱۴

پھر گرز گراں شیر کو غدار نے مارا
چمکا جو تبر زیں ملک الموت پکارا
اس ضرب کو رد کر کے بڑھا شاہ کا پیارا
لو قطع ہے اب نخل حیات ستم آرا
شیروں کے جگر کانپ گئے خوف سے بن میں
دو ٹکڑے ہوا گرز گراں ایک تبر میں

۱۱۵

خفت ہوئی جھٹکے کی غلام نے جو کھائے
روباہ ظفر شیر پہ کس طرح سے پائے
پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چبائے
پھر گرد سے خس اڑ کے اگر عرش پہ چھائے
یاں سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اسفل کبھی اعلیٰ کے مقابل نہیں ہوتا

۱۱۶

اکبر نے کہا خیر تھکا گر ہے تو دم لے
دم لے کے بس اب میان سے شمشیر دو دم لے
بے تیر بڑھے وار کریں ہم تو قسم ہے
کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے حملے
ناخن جو نہ ہو عقدۂ مشکل نہیں کھلتا
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا

۱۱۷

مرغوب ہے درہم کی نہ دینار کی جھنکار
دلچسپ نہیں ظرف طلا کار کی جھنکار
بھاتی ہے نہ زنجیر کی [illegible] تار کی جھنکار
کانوں کو بھلی لگتی ہے تلوار کی جھنکار
وارفتہ اسی کی ہے زرہ ڈھال اسی کی
سنتے ہیں گلے جس سے وہ ہے چال اسی کی

۱۱۸

بے ہول عمل نیزۂ حقّی کا ہلانا
گرز حشط بازو ان دوش پہ لانا
کرتی ہے کہاں تیز سفاہت کا نشانا
تو ہے کوئی گر تیغ کے سامنے ہے زمانا
ایسا کوئی منصف ہے عرب میں نہ عجم میں
جس تیغ کی تلوار تو ہے فیصلہ دم میں

۱۱۹

خوشتر ہے خم اس کا خم ابروئے صنم سے
پایا ہے رہِ راست کو تلوار کے خم سے
بت اس نے نکالے ہیں اشارے میں حرم سے
سیکھے کوئی آتش نفسی تیغِ دو دم سے
دشمن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہے اس کو
سیفی کی دعا وردِ زباں رہتی ہے اس کو

۱۲۰

تلوار سے کاٹا کیے کفارِ عرب سب
سرتا بقدم عمرو بھی تھا جسم مرکب
دنیا سے جہنم کو گئے عنتر و مرحب
ظلمت نہ رہی کفر کی وہ قتل ہوا جب
نصرت بھی ہے ہمراہ تیغِ جلی حق کے ولی کی
اللہ نے کی آپ ثنا ضرب علیؑ کی

۱۲۱

سر سبز کیا گلشنِ اسلام اسی نے
شاہوں کو دیے موت کے پیغام اسی نے
کعبے سے جدا کر دیے اصنام اسی نے
قبضہ میں کیا روم سے تا شام اسی نے
کانپا کیے خاقانِ جہاں حرب سے اس کی
جاری ہوا سکے کا چلن ضرب سے اس کی

۱۲۲

آفاق میں ہر دبدبہ شاہی کا اسی سے
اقبال چمکتا ہے سپاہی کا اسی سے
آغاز ہے ملکوں کی تباہی کا اسی سے
پھیلا ہے عمل شیرِ الٰہی کا اسی سے
بادآں کو نہ بھولی کوئی دم تیغ علیؑ کی
جبریل بھی کھاتے ہیں قسم تیغ علیؑ کی

۱۲۳

چار آئینہ مردوں کے لیے دفعِ ضرر ہے
گر ہاتھ کی زینت ہے سگے زیبِ کمر ہے
جوہر ہیں زرہ قبضۂ شمشیر سپر ہے
رکھ لیجیے پہلو میں تو آرامِ جگر ہے
خوش قد ہے خوش اسلوب ہے خوش شکل حسیں ہے
جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہے

۱۲۴

جب تیز کی شمشیر زباں اس کو دکھائی
تلوار علم کر کے جو ڈھال اس نے اٹھائی
ٹھنڈا تو ہوا تھا پہ حرارت بھی کچھ آئی
معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی
خورشید ہوا زرد اڑی گرد پہ بن کی
گھوڑے کی تگاپو سے زمیں ہل گئی رن کی

۱۲۵

شبدیز کو اکبر نے بھی کاوے پہ لگایا
منہ کھولے ہوئے شیر پہ حملے کو سگ آیا
واں سے بھی تڑپ کر قریب تیز تگ آیا
پر دب کے الگ ہٹ کے گیا اور الگ آیا
لاتی تھی اجل کھینچ کے شمشیر کے منہ پر
آسکتا ہے روباہ کہیں شیر کے منہ پر

۱۲۶

اکبر نے صدا دی کہ ٹھہر سامنے آکر
مردانہ دکھا وار حریفانہ دغا کر
کیوں منہ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر
پھر اپنے رسالے کے جوانوں سے حیا کر
نا داں ہے تمیزِ حق و باطل نہیں رکھتا
تو اپنے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا

۱۲۷
یہ خوف کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے — بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے — بچے سے نہ شیروں کے شکار آ کے نکل جائے
یک جا صفت سایۂ آہو نہیں ثابت — سیماب ٹھہر جاتا ہے پر تو نہیں ثابت

۱۲۸
تجھ سا تو جواں لشکرِ بدخو میں نہیں ہے — ہاں زور پہ شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے — فوجیں ہیں ادھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے
ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں — کیا تجھ کو کہیں گے جو صفیں باندھے کھڑے ہیں

۱۲۹
نیزے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا — کیوں میں نے کماں چھین لی اور تیر تمھارا
اک ضرب تبر تھی کہ ہوا گرز دو پارا — لڑنے پہ تبرا ہے ترے او ستم آرا
آ تیغ جوانان خوش اقبال کے اوپر — چہرے کو چھپاتا ہے جلو ڈال کے منھ پر

۱۳۰
یہ سن کے بڑے غیظ و غضب میں وہ دہل آیا — اکبر نے کہا آ کہ مقام اجل آیا
بارے بجرأت و ہمت میں پچل آیا — بس روک لے بوتے کہ فرس منھ کے بل آیا
یہ چھوٹنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے — گر پڑتا ہے جلدی تری کچھ اصل نہیں ہے

۱۳۱
تلواریں کھنچیں برچھیاں جنبش میں علم اٹھے — گھوڑوں کے تگ و پو میں برابر قدم اٹھے
نظارہ کو گردوں پہ ملائک بہم اٹھے — گر گر کے ادھر خاک پہ شاہِ امم اٹھے
اکبر جو مقابل ہوئے اس ضال و مضل سے — شبیر قریب آ گئے بیتابیٔ دل سے

۱۳۲
چلائے کہ اے میرے بہادر ترے قرباں — یہ پیاس کی روزی کی یہ دھوپ یہ میداں
کچھ یہ تو جنوں سے بھی قوی تر ہے مری جاں — اس دیو پہ اللہ ظفر دے تمھیں اس آن
کیا پیاس بہت ہے کہ پکارا نہیں جد کو — اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو

۱۳۳
رونے لگے اکبر یہ صدا سن کے پدر کی — جوڑے ہوئے ہاتھوں کو رخِ شہ پہ نظر کی
کی عرض دعا بس ہے شہِ جن و بشر کی — اس وقت نہیں پیاس قسم آپ کے سر کی
غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہے — اس جنگل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہے

۱۳۴
تشویش نہ فرمائیے میں نے اسے مارا — آیا ہے تو جاتا ہے کہاں یہ ستم آرا
مرحب کی طرح طول میں کرتا ہوں دو پارا — اللہ کی تائید ہے مولا کا سہارا
دل آپ بڑھائیں گے تو بڑھ بڑھ کے لڑوں گا — اس دیو سے میں سورۂ جن پڑھ کے لڑوں گا

۱۳۵
ہر چند سن اس کا ہے زیادہ مرے سن سے — پانی بھی لبوں تک نہیں پہونچا کئی دن سے
بیزار ہے جن و ملک و انس کو ان سے — ہم وہ ہیں کہ جانبر نہ ہوئے دیو بھی جن سے
آ جائے سے اژدر بھی چرائے ہیں دم اب تک — مشہور ہے افسانۂ خیبر و علم اب تک

۱۳۶

خادم کی لڑائی نہیں کچھ قابلِ تعریف
غم یہ ہے کہ مولا کو نہایت ہوئی تکلیف
آقا کے کرم سے ہے بہت پیاس میں تخفیف
ہے دھوپ کڑی سایہ میں لے جائیے تشریف
گردن سے پرے تیغ اب اس عربدہ جو کی
چھینٹیں نہ پڑیں قبلۂ عالم پہ لہو کی

۱۳۷

حضرت نے کہا خیر خدا حافظ و ناصر
یہ بیکس و بے پر ہے مدد کرنے کو حاضر
جرأت میں نہ تم کم ہو نہ میں صبر میں قاصر
دب جائے گا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ جو یہ کافر
تیور کہیں پھرتے ہیں شجاعانِ ازل کے
ادنیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ پوتے ہو علی کے

۱۳۸

ہاں دہنی طرف آنے نہ دیجو اسے زنہار
مغرور فن و روش پہ اپنے ہے یہ غدار
گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے ہوئے تلوار
خود منہ کے بل آئے گا جو خالی گئے دو وار
دشمن جو لڑے جم کے تو لڑنا ہی صواب ہے
ہاں تھام لو بائیں کہ زرہ اس کی خراب ہے

۱۳۹

یہ سن کے بڑھا جست کے وہ شبیر قرینہ
تو کہنہ وہ جو سست تھی زرہ کا قرینہ
پہونچا تہ بے زور تلے سینہ پہ سینہ
شہ زور یہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
یوں سینہ کشادہ تھے اس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کبھی شیر ہرن پر

۱۴۰

رجزانہ وہ دھاووں کا وہ وہ تلواروں کی جھنکار
مرحب تھا ادھر اور ادھر حیدرِ کرار
آفت کی لڑائی تھی قیامت کا ہر اک وار
تلوار پہ تلوار تھی رہوار پہ رہوار
بجلی کی تڑپ تھی تڑپ آتش نفسوں کی
اسواروں تک آجاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی

۱۴۱

مہمیز پہ مہمیز تھی اور کوڑے پہ کوڑا
کل پھر گئی جس باگ پہ جس نے جسے موڑا
ہر مرتبہ گھوندا اتنا تھا گھوڑے پہ گھوڑا
زخمی ہوئے پر کیت کو دونوں نے نہ چھوڑا
اس زور سے تیروں کی بھی یوں بان نہیں چلتیں
یوں جھوم کے چلتے تھے کہ پریاں نہیں چلتیں

۱۴۲

سن سے جو وہ تلوار گئی سن سے پھر آئی
وہ تیغ کے پھرے گئی جوشن سے پھر آئی
وہ خود سے لگتی ہوئی گردن سے پھر آئی
چھلہ سے خالی گئی تو سن سے پھر آئی
ہاں سعد علی کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں رد و بدل ایسی

۱۴۳

غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز
بس تھام لی اکبر نے عنانِ فرسِ تیز
شہزادے کے گھوڑے کے قریب آ گیا شبدیز
جھکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغِ شرر ریز
ہوش اڑ گئے اس بانیِ بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فرس پہ چالیس قدم کے

۱۴۴

تازی کی عنان چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا
گھوڑا جو گرا دشتِ ستم ہل گیا سارا
چاروں سم رہوار گئے صاف قضا را
بس چور ہوا ایسے کہ وہ کافرِ ستم آرا
دکھلا دیا صفدر نے جو ارشاد پدر تھا
نے پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

١٤٥

مصروف تھے رونے میں ادھر اکبرؑ دل گیر
تھراتے تھے ہاتھ اور زباں پر تھی یہ تقریر
بیتاب تھے تھامے ہوئے دل حضرتِ شبیرؑ
یہ سب تری تائید ہے اے مالکِ تقدیر
بیکس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہے
یارب یہ پسر تیسرے فاقے سے لڑا ہے

١٤٦

ہفتم سے ہے پانی کا تلاطم مرے گھر میں
دے صبر کہ بے تاب نہ ہوں ہجرِ پسر میں
نہ بحر میں پیاسوں کا ٹھکانا ہے نہ بر میں
لوٹا ہے بچے امتِ احمدؐ نے سفر میں
فرزندِ جواں باپ سے منہ موڑ رہا ہے
چھوٹا جو ہے گہوارے میں دم توڑ رہا ہے

١٤٧

طالب نہیں اس کا کہ سلامت یہ پھر آئے
خادم کے بزرگوں کا جو منصب ہے وہ پائے
مجروح تری راہ میں ہو برچھیاں کھائے
جرأت جو دکھائی ہے تو غربت بھی دکھائے
دنیا سے پرارمان سفر کرنے پہ رو دیں
سب پیر و جواں اس کے جواں مرنے پہ رو دیں

١٤٨

یہ کہہ کے علیؑ اکبرِ مہرو کو پکارے
ٹھہرو کہ پدر چوم لے ہاتھوں کو تمھارے
احسنت مرے شیر مرے پیاس کے مارے
خالی ہے علمدار کی جا اے مرے پیارے
جعفرؑ بھی کسی بل سے اسی ڈھب سے لڑے تھے
خیبر میں علیؑ بھی یونہیں مرحب سے لڑے تھے

١٤٩

بالیدہ ہوا شہؑ کی صدا سن کے وہ جرار
کی عرض شہادت کی دعا کا ہوں طلبگار
پھر اک بار پھرا رہے جھک جھک کے کئی بار
اب پیاس نے مارا مجھے یا سیّدِ ابرار
ہتھیار بھی سب گرم ہیں جلتا ہے جگر بھی
گرمی سے غش آتا ہے جھکا جاتا ہے سر بھی

١٥٠

قوت کا ہوا ضعف گھٹا زورِ جوانی
ہے دھوپ کڑی اے اسداللہؑ کے جانی
اب دیتی ہے پیغامِ اجل تشنہ دہانی
بہتان آئے زرہ پر جو چھڑک دے کوئی پانی
سنبھلوں تو بھگا دوں ابھی اس لشکرِ شر کو
ایسی ہو کوئی چیز کہ ٹھنڈک ہو جگر کو

١٥١

حضرت نے کہا پانی کا ملنا تو ہے دشوار
جلتی ہے زرہ گر تو اتار دو مرے دلدار
اب دور کرو خود سے کیا تم کو سروکار
کافی ہے لڑائی میں جو انمردکو تلوار
اپنے دو گھڑی ہو دھوپ میں آرام سپر سے
جو سینہ سپر ہو اسے کیا کام سپر سے

١٥٢

سننے کو کہا یہ ہوا دل تہ و بالا
بڑھ کے اُسے سونگھ کے وہ گیسوؤں والا
اک سیب زر و تازہ گریباں سے نکالا
فرزند میں جاں آگئی اے سیدِ والا
اعجاز ہاست... بشرِ خوش خو نے دکھایا
پانی کا اثر سیب کی خوشبو نے دکھایا

١٥٣

اس سیب میں بو کی ثنا کا کسے یارا
اٹھ جائے گر اس کی طرف انگشت اشارا
وہ عباس کی ہے بو سمجھا کے نہ سمجھا اس کا نظارا
اللہ ری لطافت کہ وہ ہو جائے دو پارا
بہتر کوئی سیب اس سے نہیں خلدِ بریں میں
وہ آج تک انسانی نے مزا اس شہ دیں کا

۱۵۴

تسلیم کی اور اسپ صبا دم کو اڑا کر
یاں بیٹھ گئے تھام کے دل سبط پیمبر
پھر ڈوب گیا فوج میں وہ شیر دلاور
واں شام کے بادل میں گھرا وہ مہِ انور
دشمن کی جو بوچھار ہوئی چھن گیا سینہ
روزن ہوئے اتنے کہ زرہ بن گیا سینہ

۱۵۵

لڑتے ہوئے تیغوں سے یہ ہمت کو نہ ہارے
صحرا میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے
مجروح نے اک نظر اس فوج کے مارے
پھر دیکھ گئے باپ کو پھر رن کو سدھارے
روکے نہ پدر قتل ہو لخت جگر ایسا
باپ ایسا ہو صابر تو جری ہو پسر ایسا

۱۵۶

زخمی تھے کہ پیشانیِ انور پہ لگا تیر
لکھا ہے کمیں میں تھا کوئی ظالم بے پیر
سب خوں سے بھری احمد مختار کی تصویر
برچھی جو لگی سینہ میں حالت ہوئی تغییر
اللہ رے شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
پھل اس نے جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا

۱۵۷

کٹتے جو بدن خوں سے وہ زرہوں میں بگڑ کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے
غش ہو گئے سر گردنِ رہوار پہ دھر کے
سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوئے سر کے
تلواریں تھیں [illegible] تھے یا سر پہ قضا تھا
جس ہاتھ سے زخمی تھے وہ پہونچے سے جدا تھا

۱۵۸

جس وقت ہوا دل پہ لگا زخم جگر کا
گرتے ہوئے گھوڑے سے خیال آیا پدر کا
سینے میں رکا آکے دم اس رشک قمر کا
چلائے کہ اب کوچ ہے دنیا سے پسر کا
بیکس کی مسافر کی مدد کیجیے بابا
اپنے علی اکبر کی خبر لیجیے بابا

۱۵۹

بیٹے کی صدا سن کے ہوا صدمۂ جانکاہ
معلوم ہوا جان چلی آہ کے ہمراہ
اک ہوک کلیجے میں اٹھی بیٹھ گئے شاہ
دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسد اللہ
ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا
صدمہ جو تمہارا تھا ہمیں دے گئے بیٹا

۱۶۰

چلائے بتاؤ علی اکبر کدھر آئیں
بیتاب ہے دل قلب میں لشکر کے در آئیں
ڈھونڈیں تمہیں اس بحر میں یا سوئے بر آئیں
تم آ نہیں سکتے تو ہمیں لاش پر آئیں
رنگ اڑ گیا تھا گیسوؤں پر گرد لگی تھی
تیورا کے جو سنبھلے تو بصارت میں کمی تھی

۱۶۱

بیٹا ہمیں پھر یا ابتا کہہ کے پکارو
ناشاد گرفتارِ بلا کہہ کے پکارو
مظلوم غریب الغربا کہہ کے پکارو
لب تشنہ و مجروح جفا کہہ کے پکارو
جو وقت معین ہے وہ ہرگز نہ ٹلے گا
خنجر ہی گردن پہ اسی طرح چلے گا

۱۶۲

مہرو علی اکبر علی اکبر عشقی اکبر
محرو علی اکبر علی اکبر عشقی اکبر
دلبر علی اکبر علی اکبر علی اکبر
خوش خو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
اس عمر کا پودا کوئی بے برگ نہ ہووے
تجھ سا کوئی دنیا میں جواں مرگ نہ ہووے

اٹھارہواں یہ سال یہ غربت یہ جوانی
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت یہ جوانی
کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربیؐ سے

۱۶۳
یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت یہ جوانی
گویا کہ حسینؑ آج بچھڑتا ہے نبیؐ سے

لے دی جو بتیابیِ دل لاشِ پسر پر
اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پر
ادبر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا

۱۶۴
جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں رخ پہ عرق خاک پہ گیسو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیرِ سہ پہلو
یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے

۱۶۵
پتھرائی ہوئی آنکھ کے تیغوں سے ابرو
چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کہ شہِ بحر و بر آلیں
اے روح توقف شہِ والا ادھر آلیں
ارمانِ دلِ زار پسر ہوش میں نکلے

۱۶۶
اے جان نہ گھبرا شہِ جن و بشر آلیں
اے موت ٹھہر جا پدر آلیں پدر آلیں
حسرت ہے کہ دم باپ کی آغوش میں نکلے

چلائے شہِ دیں علی اکبرؑ پدر آیا
تم ڈھونڈتے تھے اے مہِ انور پدر آیا
کچھ دل کی کرو بات ذرا ہوش میں آؤ

۱۶۷
اٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا
ناشاد پدر بے کس و بے پر پدر آیا
صدقے پدر آؤ مری آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں
کٹتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے ٹالوں
بہ بہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا

۱۶۸
گر دو نہ تو ہاتھوں سے بازو کو سنبھالوں
مرتے ہوئے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں
سینے سے کلیجہ نظر آتا ہے تمہارا

کچھ منہ سے تو بولو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
رخصت بھی تو ہو لو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
دولہا بھی اس آرام سے سوتے نہیں بیٹا

۱۶۹
آنکھوں کو تو کھولو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
لو باپ کو رو لو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
ہم روتے ہیں اور تم بھی روتے نہیں بیٹا

ہم آئے ہیں لو پاس ہمارا کرو بیٹا
کچھ کچھ تو مرے درد کا چارا کرو بیٹا
حوریں تمہیں گھیرے ہیں کہ مہمان نئے ہو

۱۷۰
اک آن کی تکلیف گوارا کرو بیٹا
بولا نہیں جاتا تو اشارا کرو بیٹا
بابا ہیں یہ کس سے کہ تم بھول گئے ہو

غش میں جو سنی باپ کی آواز پسر نے
لپٹا لیا چھاتی سے شہِ جن و بشر نے
فرمایا کہ قطرہ مرے جانی نہیں ملتا

۱۷۱
بس ہاتھوں کو پھیلا دیا اس رشکِ قمر نے
منہ کھول کے دکھلائی زباں تشنہ جگر نے
مجبور ہوں اکبر مجھے پانی نہیں ملتا

۱۷۲

کی عرض علیؑ آئے ہیں یا شاہِ خوش انجام
اک جام مجھے دے کے بصد شفقت و انعام
ہاتھوں میں ہیں کوثر کے چھلکتے ہوئے دو جام
فرماتے ہیں پی لے اسے اے اکبرِ گلفام
میں کہتا ہوں مجروح ہوں آوارۂ وطن ہوں
دونوں مجھے دیجے کہ بہت تشنہ دہن ہوں

۱۷۳

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ فرماتے ہیں حیدرؑ
گھبراؤ کہ نزدیک ہے اب چشمۂ کوثر
شبیرؑ بھی پیاسا ہے بہت اے مرے دلبر
حصہ یہ ترے باپ کا ہے اے علیؑ اکبر
دو دن سے اٹھاتے ہیں تعب تشنہ لبی کے
یہ تیسرا فاقہ ہے نواسے پہ نبیؐ کے

۱۷۴

یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو ہوئے جاری
کی عرض حضور آتی ہے زہراؑ کی سواری
منہ پھیر کے دیکھا سوئے صحرا کئی باری
پھر درد اٹھا سینے میں پھر غش ہوا طاری
لٹکے ہوئے آنکھوں کو مسافر ہوئے اکبرؑ
ہچکی کا بس آنا تھا کہ آخر ہوئے اکبرؑ

۱۷۵

لکھا ہے کہ نکلا علیؑ اکبر کا ادھر دم
سر کھولے تھیں پیچھے کئی سیدانیاں باہم
نکلی درِ خیمہ سے ادھر زینبؑ پُرغم
منہ پیٹتی تھی کوئی کوئی کرتی تھی ماتم
ہلتا تھا فلک نالہ و فریاد و بکا سے
اک حشر تھا ہے ہے علی اکبر کی صدا سے

۱۷۶

خورشید چھپا گرد اڑی زلزلہ آیا
پھیلی تھی جہاں دھوپ وہاں ہو گیا سایا
اک ابرِ سیہ دشتِ پُرآشوب میں چھایا
بجلی کو سیاہی میں چمکتا ہوا پایا
جو حشر کے آثار ہیں سارے نظر آئے
گرتے ہوئے مقتل میں ستارے نظر آئے

۱۷۷

محبوبِ الٰہی کے نواسی کا تھا یہ حال
کچھ چہرے پہ کچھ دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
سر پہ نہ ردا تھی نہ قصابہ تھا نہ رومال
ہر گام تھی بسمل کی تڑپ زخمیوں کی چال
اڑتا تھا مصیبت کا فلک زار و حزیں پر
تھی نصف ردا دوش پہ اور نصف زمیں پر

۱۷۸

چلاتی تھی جنگل کی مجھے راہ بتا دو
کس ابر میں پنہاں ہے مرا ماہ بتا دو
سیدانی ہوں رستہ مجھے للہ بتا دو
لاشے پہ کدھر ہو شہِ ذی جاہ بتا دو
آنکھوں میں بصارت بھی نہیں جاؤں کدھر کو
میں پہلے پہل ڈھونڈنے نکلی ہوں پسر کو

۱۷۹

زینبؑ کی صدا سنتے ہی دوڑے شہِ والا
فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا
ڈالا ہے جفا فرق پہ شمشیر سے ڈالا
اے بنتِ علیؑ مر گیا وہ گیسوؤں والا
گلشن ہے بدن کشتۂ شمشیر ہیں اکبرؑ
دیکھو کہ تہِ خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبرؑ

۱۸۰

خاموش انیسؔ آگے نہیں تابِ رقم کی
کیونکر کوئی روداد سنے اہلِ حرم کی
شق ہوتی ہے چھاتی دمِ تحریر قلم کی
حقا کہ نہایت نہیں شبیرؑ کے غم کی
مصروفِ بکا ایک زمانے میں رہے گا
ماتم علیؑ اکبر کا زمانے میں رہے گا

مرثیہ

۱

اب تو مرنے کے لئے جاتے ہیں اکبر
سوکھے ہوئے لب باپ کو دکھلاتے ہیں اکبر
مادر سے جدا ہونے کا غم کھاتے ہیں اکبر
شہ روتے ہیں سر پاؤں پہ ٹکاتے ہیں اکبر
کچھ بن نہیں آتا ہے شہِ جن و بشر کو
گہ دیکھتے ہیں بانو کو اور گاہ پسر کو

۲

دشوار ہے ہم شکلِ پیمبر کی جدائی
بانو کی یہ اٹھارہ برس کی ہے کمائی
فرماتے ہیں پہلے مجھے کیوں موت نہ آئی
حسرت بھی کوئی اس کی نکلنے نہیں پائی
پہلے علی اکبر سے یہ ناشاد مرے گی
کس طرح جواں بیٹے کو ماں صبر کرے گی

۳

ہے داغ عجب یہ فلکِ پیر دکھاتا
ہے شاہ کی پیری کا عصا ہاتھ سے جاتا
بابا سے برابر کے پسر کو ہے چھڑاتا
اک عمر کی دولت پہ زوال آج ہے آتا
ٹوٹا ہے فلک غم کا شہِ جن و بشر پر
خاموش ہیں پر برچھیاں چلتی ہیں جگر پر

۴

لب خشک ہیں تر اشکوں سے آنکھیں ہیں کمر خم
بانو کا جدا رنج ہے بیٹے کا جدا غم
قاسم کی جدائی کا قلق بھائی کا ماتم
ہیں سخت تردد میں شہنشاہِ دو عالم
بیٹے سے بچھڑتا ہے مصیبت یہ پڑی ہے
اک جان عجب طرح کی آفت میں پڑی ہے

۵

اکبر کی یہ ہے عرض کہ میداں کی رضا دو
بابا مری الفت کو بس اب دل سے اٹھا دو
رستہ مجھے فردوس کے جانے کا بتا دو
اماں سے بھی رخصت مجھے مرنے کی دلا دو
کٹوائے گا سر رن میں غلام آپ سے پہلے
زندہ ہے وہ بیٹا جو مرے باپ سے پہلے

۶

اب لطف ہے کیا جینے کا سب کٹ چکا لشکر
عباسِ علمدار گئے جانبِ کوثر
کام آئے پھوپی زاد ... چی زاد ...... برادر
نام اپنا ہو روشن جو کٹے شمع صفت سر
ہے للہ نہ اب آہ و بکا کیجیے بابا
اکبر کو بھی امت پہ فدا کیجیے بابا

۷

ہے میرے سوا کون جو ہو آپ پہ قرباں
فرماتے ہیں حضرت یہ نہ ہوگا کسی عنواں
عابد ہے سو بیمار ہے اصغر ہے سو ناداں
اے جانِ پدر پہلے نہیں ہونے دو بیجاں
جب لاش مری رن سے اٹھا لائیو بیٹا
پھر شوق سے مرنے کے لیے جائیو بیٹا

۸

بیکس کی رفاقت کو نہ چھوڑو مرے جانی
کو پیاس بہت ہے مجھے اے یوسفِ ثانی
پیری میں اٹھے گا نہ ترا داغِ جوانی
ہم نے بھی تو دو روز سے پایا نہیں پانی
بابا سے جدا ہونا گوارا نہ کرو تم
کوثر کے لیے ہم سے کنارا نہ کرو تم

۹

اس واسطے پالا تھا تجھے اے مرے دلدار
دم آنکھوں میں جب آئے تو دیکھیں ترا دیدار
معلوم پدر کے دمِ آخر ہو مددگار
مر جائیں تو تم قبر کرو باپ کی تیار
مختار ہو گھر بار کے مالک ہو جواں ہو
فرزند ہمیں سب سے کہیں [illegible] ہو

۱۰

ماں باپ کا مرنا تو ہے میراث مری جاں　سو باپ تو جیتا رہے فرزند ہو بے جاں
ہونے کا نہ مجھکو یہ گوارا کسی عنواں　مرنے کو تمھیں جانے دوں کہ سوئے میداں
تم جیتے رہو روح مری شاد رہے گی　اور بانوئے مغموم بھی آباد رہے گی

۱۱

سن کر یہ سخن شاہ کا رونے لگے اکبر　کی عرض کہ فریاد ہے یا سبط پیمبر
میں زندہ رہوں آپ کے تن سے کٹے سر　اے قبلۂ دیں ہو یہ گوارا مجھے کیونکر
حضرت کی جدائی کا نہ میں داغ سہوں گا　صدقے نہ ہوا گر تو کہیں کا نہ رہوں گا

۱۲

کہنے لگے سن کر یہ سخن سید ابرار　جیتا تری تقریر سے ہم ہو گئے لاچار
پھر گرنے لگا باپ کے قدموں پہ وہ دلدار　لپٹا کے گلے سے شہ والا نے کیا پیار
فرمایا کہ تڑپاؤ نہ مجھ سوختہ جاں کو　اچھا یہی مرضی ہے تو راضی کرو ماں کو

۱۳

بانو بھی کھڑی دور سے سنتی تھی یہ تقریر　سرور سے لگی کہنے کہ اے حضرت شبیر
کیا ذکر مرا کرتے ہو کیا ہوتی ہے تدبیر　شہ نے کہا بے آس ہمیں کر لی ہے تقدیر
آئی ہے خزاں باغ اجڑتا ہے ہمارا　فرزند جواں ہم سے بچھڑتا ہے ہمارا

۱۴

میں چاہتا ہوں لال رہے تیرا سلامت　بانو تری دولت پہ گر آئی ہے آفت
مجھ سے تو یہ رو کے نہیں جاتے کسی صورت　اب تم سے طلب کرتے ہیں یہ مرنے کی رخصت
کیونکر کہوں میں ایسی کمائی کو مٹا دو　تم چاہو رضا دو انھیں چاہو نہ رضا دو

۱۵

بانو نے کہا آپ کی کیا اس میں ہے مرضی　حضرت نے کہا جس میں ہو امت کی بھلائی
پیارے علی اکبر ہیں تو امت بھی ہے پیاری　صدقے گیا بھائی کو محبت ہے یہ ان کی
منظور ہے سر اپنا تہ تیغ دمروں میں　میدان میں پہلے علی اکبر کے مروں میں

۱۶

سن کر یہ سخن رونے لگی بانوئے ناشاد　چلائی کہ لٹتی ہوں میں فریاد ہے فریاد
دوڑو وارثو لوگو مرا گھر ہوتا ہے برباد　مر جاؤں تو ہوں قید غم و رنج سے آزاد
تدبیر کرو کچھ مرا گھر لٹتا ہے لوگو　پردیس میں مادر سے پسر چھٹتا ہے لوگو

۱۷

سرور سے مرا راج ہے اکبر سے ہے اقبال　وہ فاطمہ کا لال ہے یہ بانو کا ہے لال
بیٹے کو جو رخصت دوں تو ہے دل کا عجب حال　اور روکوں تو زہرا کا چمن ہوتا ہے پامال
ہر طرح کمر غم سے اکھڑ جائے گی میری　یا مانگ و یا کوکھ اجڑ جائے گی میری

۱۸

رو کر کہا اکبر نے کہ اے مادر غم خوار　مانگو یہ دعا زندہ رہیں سید ابرار
اب دودھ ہمیں بخشو کہ ہیں مرنے پہ تیار　اس پیاس میں ہیں جام شہادت کے طلبگار
کو کہا اپنی بچانے کا نہ ساماں کرو اماں　زہرا کے پسر پر ہمیں قرباں کرو اماں

۱۹
بانو نے کہا صبر تو آتا نہیں واری
مرجاؤں گی اے لال میں فرقت میں تمہاری
تم نے تو چھری ماں کے کلیجے پہ ہے ماری
تیر اب یہی مطلب ہے تو منگواؤ سواری
رہ میں کوئی حسرت تو نکالوں علی اکبر
آؤ تمہیں دولہا تو بنا لوں علی اکبر

۲۰
اکبر نے کہا اس سے ہے کیا فائدہ اس آن
اٹھ جائیں گے ہم خلق سے ناشاد پڑا ارمان
غم ہوگا زیادہ تمہیں یہ دیکھ کے اماں
بستر تو یہ ہے چاک کرو میرا گریبان
لے جاؤ نہ سہرا نہ دلہن چاہیے مجھ کو
اب گوشۂ قبر اور کفن چاہیے مجھ کو

۲۱
لاشے کے اٹھانے کا جو سامان ہو ..... میسر
یاد آؤں گا جس وقت تو رونا یہی کہہ کر
سہرا مرے تابوت پہ تم باندھیو مادر
ہے ہے مرے ناشاد گیا ارمان علی اکبر
باندھی ہے کمر گلشن ہستی سے سفر پر
بس ہے یہی شادی کہ تصدق ہوں پدر پر

۲۲
کہہ کر یہ سخن ماں کو کیا آخری مجرا
روتا ہوا ہم شکل نبیؐ خیمے سے نکلا
ناموس محمدؐ میں قیامت ہوئی برپا
شہ نے کہا اے لعل خدا کو تمہیں سونپا
فرقت تری قسمت مجھے دکھلاتی ہے بیٹا
مرجاتے نہیں جان چلی جاتی ہے بیٹا

۲۳
اکبر سوئے جنگاہ چلے چھیڑ کے رہوار
تھا مستعد جنگ زبس لشکر کفار
اور رہ گئے دل تھام کے در پر شہ ابرار
میداں میں پہنچنا تھا کہ چلنے لگی تلوار
تھے روکتے اُس فوج کے ریلے علی اکبر
لڑتے تھے ہزاروں سے اکیلے علی اکبر

۲۴
تھے غول زرہ پوشوں کے کھینچے ہوئے شمشیر
تانے ہوئے نیزوں کو پس پشت تھے بے پیر
پڑتے تھے کمیں گاہ سے باراں کی طرح تیر
اور بیچ میں تھے تیغ بکف اکبرؑ دلگیر
دکھلا دیا تھا جنگ شہنشاہ نجف کو
جب کرتے تھے حملہ تو الٹ دیتے تھے صف کو

۲۵
واں معرکہ آرا تھے جناب علی اکبر
غل ہوتا جو میداں میں تو کہتے تھے تڑپ کر
روتے تھے کھڑے سبط نبیؐ خیمے کے در پر
اے بار خدا مشکل ہے تصور یہ پیمبر
تو صبر عطا کر کہ نہ فریاد کروں میں
بھولوں علی اکبر کو تجھے یاد کروں میں

۲۶
یارب علی اکبر پہ ہے بچپن سے مرا پیار
اٹھارہ برس پالا ہے الفت سے ہوں ناچار
سو آگے مرے برچھیاں کھاتا ہے یہ دلدار
ہے مرگ جواں بیٹے کی شمشیر پہ دشوار
تیغوں سے بچانا جبھی میں اپنے جگر کو
کرتا ہوں فدا نانا کی امت پہ پسر کو

۲۷
تھی شہ کی وہ مشکل اور یہ تھا بانو کا نقشا
کہتی تھی کہ اے بیبیو ہے ہے میں کروں کیا
روتی تھی کھڑی تھامے ہوئے خیمہ کا پردا
آنکھوں سے نہ کچھ اب تو دکھائی نہیں دیتا
فرزند مرا گھر گیا ہے فوج ستم میں
اب منہ سے نکلتا ہے کلیجا کوئی دم میں

۲۸

پردے کو اٹھا کر کبھی سرِ در کو سناتی
ہے ماتا کی آنچ کلیجے کو جلاتی
اب خیمے سے سر ننگے ہوں میں بھی چلی جاتی
کچھ ایسا قلق ہے کہ پھٹی جاتی ہے چھاتی
زندہ علی اکبر کو میں پھر پاؤں گی صاحب
جیتا نہیں ملنے کا تو مر جاؤں گی صاحب

۲۹

فضہ سے یہ کہتی تھی کہ میداں کی طرف جا
کہیو کہ چلو خیمے میں واں حشر ہے برپا
احسان ترا ہوئے گا اکبر کو بلا لا
مادر کو اٹھا لوگے تو پھر آن کے لڑنا
صدمہ نہ جدائی کا اٹھا مر گئی بانو
جلدی چلو دنیا سے سفر کر گئی بانو

۳۰

یہ حشر تھا جو رن سے صدا آئی یہ ناگاہ
اکبر کی صدا سنتے ہی دوڑے شہ ذیجاہ
گھوڑے سے پسر گر پڑا جلد آیئے یا شاہ
مقتل میں نظر آیا نہ وہ چودھویں کا ماہ
گھبرائے ہوئے چاروں طرف پھرتے تھے شبیر
بسمل کی طرح اٹھتے تھے اور گرتے تھے شبیر

۳۱

دل پکڑے ہوئے ہاتھوں سے گہ نہر پہ جاتے
اعدا کو کبھی ہاتھ اٹھا کر یہ سناتے
روتے ہوئے جوں ابر کبھی واں سے پھر آتے
کیا بغض ہے لاشہ نہیں اکبر کا بتاتے
دریا میں جو لاشے کو بہایا ہو تو کہہ دو
اس چاند کو مٹی میں چھپایا ہو تو کہہ دو

۳۲

جو لاش نظر آتی تھی کہتے تھے یہ جھک کر
آتی نہ صدا کچھ تو یہ فرماتے تھے رو کر
قربان میں گر تم ہو تو بولو علی اکبر
آنکھوں سے بصارت بھی گئی وائے مقدر
صورت نظر آنے کی نہیں نورِ نظر کی
اب کون بتائے گا کوئی لاش پسر کی

۳۳

حضرت کے نہ لانے کو عدو کہتے تھے ہنس کر
تن ٹکڑے ہوا تیغوں سے خنجر سے کٹا سر
یا شاہ کسے ڈھونڈتے ہو مر گئے اکبر
مردے کا تفحص ہے عبث یا شہِ صفدر
جیتا تو نہ وہ ماہِ لقا ہاتھ لگے گا
لاشے پہ جو پہنچو گے تو کیا ہاتھ لگے گا

۳۴

سن کہتے تھے بیٹے کا پتہ مجھ کو بتا دو
جیتا ہے کہیں تو اسے چھاتی سے لگا دو
سید ہوں دعا دوں گا ہیں لاشہ ہی دکھا دو
اب یوسفِ گم گشتہ کو بابا سے ملا دو
مادر کو بھی اک عشق ہے اس نورِ نظر سے
بیٹا نہ ملے گا تو نکل آئے گی گھر سے

۳۵

اکبر کا پتا جبکہ کسی نے نہ بتایا
فرزند کو جنگل میں تڑپتا ہوا پایا
صحرا کو چلا حیدرِ کرار کا جایا
چلائے کہ کیا حال ہے بیٹا پدر آیا
اٹھارہ برس بعد ہمیں چھوڑتے ہو آہ
بیٹا پڑے اس خاک پہ دم توڑتے ہو آہ

۳۶

بیٹا میں تو آجاتا ہوں آواز سنا دو
برچھی کا کہاں زخم لگا مجھ کو دکھا دو
ہم آئے گلے ملنے کو ہاتھوں کو اٹھا دو
گر اٹھ نہیں سکتے تو مری گود میں آ دو
بچپن میں پھرا ہوں تمہیں کاندھے پہ چڑھا کر
جاؤں گا اب لاش کو چھاتی سے لگا کر

۳۷

آغوش میں یہ کہہ کے جو اکبرؑ کو اٹھایا
اور زخم کلیجے کا پسر کے نظر آیا
تب کوٹ کے چھاتی یہ شہِ دیں نے سنایا
یہ حال ہے فرزند کا فریاد خدایا
لوٹا ہے مجھے امت نے مکر و دغا سے
کاٹا ہے کلیجے کو مرے تیغ جفا سے

۳۸

اکبرؑ نے سنی غش میں جو یہ باپ کی زاری
بیتابیِ شبیرؑ پہ آنسو ہوئے جاری
رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہے ہماری
بچنے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری
اکبرؑ کو سکینہؑ کو برادر کو نہ دیکھا
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا

۳۹

یاں آئے ہیں لینے کو مرے خلد سے حیدرؑ
کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغرِ کوثر
دادی مری پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر
اور شور ہے حوروں میں کہ ہے ہے علی اکبرؑ
ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی
آتی ہے صدا گریۂ محبوبِ خدا کی

۴۰

یہ کہتے تھے جو درد ہوا چھاتی میں ناگاہ
آغوش میں بابا کے تڑپنے لگا وہ ماہ
اک آہ کی اور گلشنِ فردوس کی لی راہ
چلائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ذی جاہ
لب تشنہ جہاں سے سوئے کوثر گئے بیٹا
یہ باپ تو جیتا رہا تم مر گئے بیٹا

۴۱

اے لال کہاں سے تمھیں اب ڈھونڈ کے لاؤں
بتلاؤ تو کس منہ سے میں اب خیمے میں جاؤں
پوچھے جو تمھیں بانو تو میں کیا اس کو بتاؤں
مرنے کی خبر بیٹے کی کیا ماں کو سناؤں
ماتم میں ہمیں اپنے رلایا علی اکبرؑ
تم نے مرا لاشہ نہ اٹھایا علی اکبرؑ

۴۲

خاموش انیس اب کہ ہوئی شدتِ زاری
خامے کے بھی آنسو ہیں غمِ شاہ میں جاری
رو رو کے دعا مانگ کہ اے ایزدِ باری
کر رحم کہ مجھ پہ الم و رنج ہے طاری
میں واسطہ دیتا ہوں حسینؑ ابنِ علیؑ کا
محتاج نہ کیجو مجھے دنیا میں کسی کا

سلام

۱
غمِ حسینؑ میں رو مجرئی ثواب یہ ہے
سمجھ نہ اشک کو اشک بحرِ خوش آب یہ ہے

۲
لحد میں دیکھیو داغِ حسینؑ کی ضو کو
زوال جس کو نہیں ہے وہ آفتاب یہ ہے

۳
حسینؑ کہتے تھے کیونکر نہ روؤں اکبرؑ کو میں
خدا گواہ کہ لاکھوں میں انتخاب یہ ہے

۴
امام کہتے تھے مہماں تھا حشر مگر افسوس
ضیافت اس کی نہ کچھ ہو سکی حجاب یہ ہے

۵
رگڑ کے ایڑیاں قاسمؑ نے وقتِ نزع کہا
عدم کے ہیں سفری اپنا پا رکاب یہ ہے

۶
بہن کی لاش پہ رونے پکار کر نہ بنی
حیا و شرم اسے کہتے ہیں وہ حجاب یہ ہے

مصرع اول		مصرع ثانی
زمیں کو جہاز کے پانو سے کشتی تھی زہرا	۷	پیچھے نہ کچھ مرے بچے کا فرش خواب یہ ہے
سوال خط کیا قاصد نے جب تو شہ نے کہا	۸	جواب زیست سے ہم کو دیا جواب یہ ہے
ملا شہ ملک کو نہ گو ایک قطرۂ آب	۹	ہنوز خلق میں دریا کو پیچ و تاب یہ ہے
دکھا کے حاکم کو نذ کو شمر سے کہنے لگا	۱۰	بہن حسینؑ کی زینبؑ جگر کباب یہ ہے
سوال آپ جو کرتے تھے شہ تو دشمن دیں	۱۱	لگا کے تیر ستم کہتے تھے جواب یہ ہے
ملک یہ کہتے تھے گردوں پہ وقت قتل حسینؑ	۱۲	جفا و جور یہ ہے ظلم بے حساب یہ ہے
سوار دوش رسولؐ خدا کی چھاتی پر	۱۳	چڑھا ہے شمر زمانے کا انقلاب یہ ہے
پدر کو کھو کے پھر از ندہ کہتے تھے سجاد	۱۴	کہیں گے کیا بچے اہل وطن حجاب یہ ہے
چھپائے بالوں سے چہروں کو کہتی تھیں رانڈیں	۱۵	روا نہیں اب یہ بے پردہ بے نقاب یہ ہے
صفائی حسن کی اکبرؑ کے دیکھ بولے عدو	۱۶	نگہ ٹھہرتی نہیں رخ پہ آب و تاب یہ ہے
نہ سمجھو نقطۂ خال سیاہ ابرو پر	۱۷	کتاب حسن کی ایک بیت انتخاب یہ ہے
	قطعہ	
دم نبرد ندا شہ کو چرخ سے آئی	۱۸	کدھر خیال ہے کس فوج پر عتاب یہ ہے
حسینؑ ضرب ہے تیری ہماری ہاتھ کی ضرب	۱۹	علیؑ کے لال سے سر بر ہو کس کی تاب یہ ہے
	قطعہ	
رسولؐ کہتے تھے بازو پکڑ کے حیدرؑ کا	۲۰	خزینہ علم کا تو میں ہوں اور باب یہ ہے
جسے پہونچنا ہو مجھ تک وہ اس سے راہ کرے	۲۱	خطا کے اور ہیں رستے رہ صواب یہ ہے
لگا کے خون جبین ریش پر کہا شہ نے	۲۲	جہاں سے جاتے ہیں ہم آخری خضاب یہ ہے
یزید تخت کے اوپر ہوا اور نیزے سر شاہ	۲۳	انیس دیکھ زمانے کا انقلاب یہ ہے
	رباعی	
کس دن مضمون لو کا نقشہ اترا		پرزور معانی کا نہ چہرہ اترا
عبرت سے ہم اترے نئے مضموں پڑھ کر		ان کے لیے گویا من و سلویٰ اترا
	رباعی	
کانپا نہ جگر نہ دل نہ چہرا اترا		کس بحر میں بے خوف و خطر جا اترا
ساحل پہ نہ جبکہ ٹھہرے یاروں کے قدم		دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اترا

تمام شد

مرثیہ

سوئے مرنے کو ہم شکلِ نبی جاتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے میں تھراتا ہے
دولت بانوئے بیکس پہ زوال آتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے
ماں تڑپتی ہے شہِ جن و بشر روتے ہیں
کس جواں بیٹے سے ماں باپ جدا ہوتے ہیں

۲
کیا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
کرتے ہیں اپنی جوانی علی اکبرؑ برباد
ہوتی ہے دولتِ فرزندِ پیمبرؐ برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد
داغِ اولاد ہے یاں صبر کا مقدور نہیں
پہلے فرزند سے مرجائیں تو کچھ دور نہیں

۳
ماں کے بے جسم کی جاں باپ کا پیارا ہے پسر
روشنی گھر کی ہے اور آنکھ کا تارا ہے پسر
سر بسر زیورِ خوبی سے سنوارا ہے پسر
قوتِ دل ہے ضعیفی کا سہارا ہے پسر
ماں سے چھٹتا ہے پسر بیٹے سے ماں چھٹتی ہے
کوہِ غم گرتا ہے بابا کی کمر ٹوٹتی ہے

۴
کیا چمن فصلِ بہاری میں خزاں ہوتا ہے
نرگسِ چشم نگاہوں سے نہاں ہوتا ہے
باغِ عالم سے عجب سروِ رواں ہوتا ہے
خشک بے آبی سے کیا غنچۂ دہاں ہوتا ہے
قدسی پھاڑتے ہیں گریباں قبا گل کی طرح
ماں پریشاں کیے ہیں بالوں کو سنبل کی طرح

۵
ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے
تفرقہ چرخ ستمگر نے عجب ڈالا ہے
گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اجیالا ہے
کیا کریں صبر کلیجہ ہی تہ و بالا ہے
دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
روح ماں باپ کی قالب سے جدا ہوتی ہے

۶
داغِ اولاد نہیں آہ اٹھایا جاتا
درد وہ ہے کہ زباں پر نہیں لایا جاتا
ایسا بیٹا نہیں ہاتھوں سے گنوایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہیں کھایا جاتا
داغِ فرزند حسینؑ ابنِ علیؑ سے پوچھو
نوجواں بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

۷
داغِ یوسفؑ سے ہیں یعقوبؑ پیمبر آگاہ
آنکھیں روشن ہوئیں جب مل گیا وہ نورِ نگاہ
کہ جھکائی تھی کنوئیں دشت میں فرزند کی چاہ
یاں تو فرزند کے ملنے کی توقع نہیں آہ
دشت میں چار طرف ڈھونڈھتے جاویں گے حسینؑ
اپنے یوسفؑ کو بجز حشر نہ پاویں گے حسینؑ

۸
لے گئے ذبح کو جس وقت خلیلؑ اپنا پسر
ناگلا کٹتے ہوئے آئے نہ بیٹے کا نظر
باندھی الفت کے سبب آنکھوں پہ پٹی کس کر
ذبح یاں ہوگا پسر سامنے دیکھے گا پدر
بخدا ابنِ علیؑ صبر میں لاثانی ہے
واں تو دنبہ تھا یہاں بیٹے کی قربانی ہے

۹
سوچیں سب صاحبِ اولاد کہ کیا مشکل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے
نا کجا صبر کہ ماں باپ کا آخر دل ہے
زخم اکبرؑ نے نہیں کھائے پہ ماں بسمل ہے
بار جب سینے سے برچھی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووے گی

۱۰
باندھتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
شانے سے شانے پہ رکھتا ہے کماں وہ ضیغم
تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم میں نہیں دم
تیر غم لگتے ہیں مادر کے جگر پہ پیہم
تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہاں ساماں ہے
پارہ پارہ ہے جگر ماں کا پدر حیراں ہے

۱۱
ہوگا آنکھوں سے نہاں جس گھڑی وہ رشک قمر
ریش سنبل سی ہیں جو رخ پہ ادھر اور ادھر
ٹکڑے مانند کتاں ہوئے گا بابا کا جگر
خوں میں تر ہوں گی تو کیا ہوگی پریشاں مادر
پھر نہ ماں باپ کو آنکھوں سے نظر آئے گا
نور چشم ایسا سلامت جو نہ گھر آئے گا

۱۲
واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے
نوجواں بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے
اسکو راحت ہے تو ماں باپ کو بھی راحت ہے
زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے
اس کا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہم شکل نبی سا بیٹا

۱۳
ہیں مسیں بھیگتی اٹھارہ برس کا ہے سن
رنج میں کاٹی ہیں دکھ درد کی راتیں گن گن
منتیں مانی ہیں اور نے مرادوں کے ہیں دن
پالنے والے کو چین آئے گا کیونکر اس بن
ماں کو حسرت ہے دولھن بیاہ کے گھر لانے کی
فکر یاں ان کو جوانی میں ہے مرجانے کی

۱۴
ماں کو منظور ہے جاوے نہ کہیں نور نظر
باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برادر کا پسر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر
سیدھی ہو سکتی نہیں خم ہوئی جاتی ہے کمر
بھائی کے واسطے قاسم کی دولھن آئی ہے
پکڑے دامان قبا چھوٹی بہن روتی ہے

۱۵
ماں کو جانے کے لیے بانو کے جاتے ہیں کھڑے
ہاتھ جوڑے ہوئے گردن کو جھکائے ہیں کھڑے
شوق ہے جنگ کا ہتھیار لگائے ہیں کھڑے
ماں سے مرنے کے لیے آنکھ چرائے ہیں کھڑے
شاہ خاموش ہیں اور بول نہیں سکتے ہیں
کبھی بانو کا کبھی بیٹے کا منہ تکتے ہیں

۱۶
دل سے فرماتے ہیں یہ دیکھیے اب ہوتا ہے کیا
صبر کی جا نہیں ہوتا ہے پسر ماں سے جدا
بانو کہتی ہے کہ بیٹے کو نہیں دیتی رضا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا
جسم کانپے گا قلق ہوگا غش آجائے گا
حرف رخصت کا نہ بانو سے سنا جائے گا

۱۷
بانو کہتی تھی کہ کیا کہتے ہیں اکبر یا شاہ
دیکھتی ہوں کہ میں حضرت کی بھی حالت ہے تباہ
ان کے جو دل میں ہے کچھ آپ ہیں اس سے آگاہ
ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھ سے تو کہیے للہ
منہ سے کچھ کہتے نہیں باپ ادب کرتے ہیں
کون سی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہیں

۱۸
شاہ فرماتے ہیں بانو سے کہ اے نیک نہاد
پوچھو اکبر سے کہیں گے جو کچھ ان کی ہے مراد
نازاں ہوتی ہے ماں بیٹے کی بابا سے زیاد
حق نہ ماں باپ کو دکھلائے فراق اولاد
تھا مقدر میں کہ سب ہو دیں جدا ہم دیکھیں
اب بھی اٹھ جائیں جہاں سے تو نہ یہ غم دیکھیں

۱۹
سن کے یہ بانوؑ نے فرزند سے پوچھا رو رو
ہاتھ کیوں جوڑتے ہو ان ہاتھوں کے ماں صدقے ہو
کیا کیا چاہتے ہو ماں سے تو اے لال کہو
کہا اکبرؑ نے رضا مرنے کی اماں ہمیں دو
بس فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہوں گے ہم
دودھ بخشو ہمیں بابا پہ فدا ہوں گے ہم

۲۰
یہ سخن سنتے ہی فرزند سے ماں ہو گئی زرد
مردنی پھر گئی چہرے پہ اٹھا دل میں درد
دھیان آیا کہ چلا ہائے پسر بہسیر بسرد
دیکھ منہ بیٹے کا کہنے لگی بھر کر دمِ سرد
تم سے بچھڑوں گی تو واری میں ابھی مر جاؤں گی
پھر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مر جاؤں گی

۲۱
کہا اکبرؑ نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت
میرے بابا سے ہوئے بھائی بھتیجے رخصت
خیر مرنے کو نہ جاویں گے نہ دیجے رخصت
مجھکو بھی دھیان ہے یہ آپ سے لیجے رخصت
ماں سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے
بالے گھر میں ہیں ہم زور ہمارا کیا ہے

۲۲
سب نے قربان کیے زہرا کے پسر پر فرزند
میں نے چاہا تھا کہ ہو آپ کا بھی نام بلند
لٹ گئے کیسوں سے کس کس کے جگر کے پیوند
پہ تعجب ہے کہ آئی نہ مری بات پسند
آپ کہتی ہیں نہ جاؤ تو نہ جاویں گے ہم
اپنے ہمچشموں کو پھر منہ نہ دکھاویں گے ہم

۲۳
جائیے گا سوئے یثرب تو نہ جائے گا غلام
بیبیوں کو لوٹنے کو آئے گا جب لشکرِ شام
کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
قید ہم ہوں گے نہ لڑنے کا یہی ہے انجام
آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

۲۴
آج جو مرتے تو داخل شہدا میں ہوتے
لاش پہ سرکتے ملک ہائے علیؑ کے پوتے
پاس ہی باپ کے آرام سے رن میں سوتے
حشر تک ہم کو عزادار جہاں میں روتے
جو یہ منظور نہیں آپ کو منظور نہیں
اب بھی فرماؤ تو میدانِ وغا دور نہیں

۲۵
بولی ماں ہو گئے آزردہ میں واری بیٹا
باپ پیارا ہے تمہیں ماں نہیں پیاری بیٹا
گلہ آمیز یہ باتیں ہیں تمہاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہیں فکر ہماری بیٹا
پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

۲۶
علی اکبرؑ مری محنت کی طرف دھیان کرو
چھوڑ کر ماں کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
ماں واری مری بستی کو نہ ویران کرو
پھر خدا ہو جیو پہلے مجھے قربان کرو
میرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھا لو بیٹا

۲۷
ماں کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبرؑ
رکھ دی تلوار لگے کھولنے ہاتھوں سے کمر
اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخساروں پر
بانو گھبرا گئی ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر
لے کے بیٹے کی بلائیں کہا کیوں روتے ہو
نہیں روکوں گی میں کاہے کو خفا ہوتے ہو

رو کے کہنے لگے بیٹے سے امام خوش خو	۲۸	ماں تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہ ہو
پھر کہا بانو سے اب مرنے کی رخصت انہیں دو		تھا مقدر میں یہی صبر کرو شکر کرو
پر دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجہ میرا		آزماتا ہے وہ صبر کو مولا میرا
تم نے اٹھارہ برس کھینچے ہیں گو رنج و تعب	۲۹	بانو پُر خواہشِ تقدیر سے ناچار ہیں سب
اس کا ہیں کون ہوں تم کون ہو جو مرضیِ رب		زور کیا جس کی امانت تھی وہ کرتا ہے طلب
اب نہیں جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے		خلق میں داغ دکھانے کو یہیں آئے تھے
شہ نے سمجھایا تو بانو نے کہا یہ رو کر	۳۰	کیوں کمر کھولتے ہو غصے سے صدقے مادر
ماں سے چلتے ہوئے آزردہ نہ جاؤ اکبر		خیر جو مرضی ہو اچھا کرو دنیا سے سفر
اب تو راضی ہوئے مادر سے میں واری بیٹا		آگے آؤ کہ بلائیں لوں تمہاری بیٹا
سن کے ماں سے یہ سخن قدموں پہ فرزند گرا	۳۱	عرض کی آپ سے روٹھوں مرا مقدور ہے کیا
ماں نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا		جاؤ رخصت بھی کیا دودھ بھی تم کو بخشا
غم نہ کھانا کہ یہ ماں رو رو کے مر جائے گی		ساتھ تو باپ کا ماں کی بھی گزر جائے گی
کہہ کے یہ روئی جو اس بیٹے کو چھاتی سے لگا	۳۲	غل ہوا بانو نے دی مرنے کی اکبر کو رضا
خاک پر سیدِ سجاد نے سر دے پٹکا		رونے چلانے لگیں بہنیں کہ ہے ہے بھیا
کچھ زباں سے علی اصغر جو نہ کہہ سکتا تھا		جھولے سے رو رو کے بھائی کی طرف تکتا تھا
لٹتی تھی پیٹ کے سر زینبِ مضطر ہے ہے	۳۳	نوجوان مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
بانو لوٹی تھی برباد ہوا گھر ہے ہے		ہم سے پردیس میں چھوٹے علی اکبر ہے ہے
پاس کوئی نہیں تنہا شہِ مظلوم ہوئے		ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے
چھوڑ کر روتا انہیں خیمے سے اکبر نکلے	۳۴	پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
پر عجب حال سے ہم شکلِ پیمبر نکلے		مڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے
ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی		ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی
در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب	۳۵	جوڑ کر ہاتھ کہا شاہ سے یا حضرت آپ
فدوی اسوار ہو لے جائیں جو تشریف جناب		بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ میں تھاموں گا رکاب
باپ کے پاؤں کو گر ہاتھ لگایا تو کیا		کاندھے پہ چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا
تم ہو ہم صورتِ محبوبِ خدائے اکرم	۳۶	پاؤں اپنے لال تو آنکھوں سے لگاؤں یہ قدم
صبح تک کرتے تھے نانا کی زیارت ہر دم		ہم سے تم چھٹتے ہو اور تم سے بچھڑتے ہیں ہم
گھر میں اٹھارہ برس تک مرے مہماں رہے		باپ کو آخری خدمت کا نہ ارماں رہے

۳۷

کہا اکبر نے کہ ہیں آپ امام ابن امام
گو کہ ہم شکل محمد ہوں میں اے شاہ انام
یہ نہ فرمائیے ہوتا ہے گنہگار غلام
آپ ہیں جان نبی آپ کا عالی ہے مقام
قدر حضرت کی جو ہے میری وہ توقیر نہیں
اصل کے سامنے کچھ رتبۂ تصویر نہیں

۳۸

چاہا اکبر نے یہ کہہ کر کہ گریں قدموں پر
راوی کہتا ہے چڑھے گھوڑے پہ جس دم اکبر
شہ نے لپٹا لیا چھاتی سے پسر کو رو کر
گرے غش کھا کے کئی بار اور اٹھے سرور
گہ رکاب پسر تشنہ جگر تھامتے تھے
کبھی دل تھامتے تھے گاہ کمر تھامتے تھے

۳۹

کبھی گردن سے پشت گھوڑے کی کرتے تھے بکا
اے مرے قوت دل اے مری پیری کے عصا
کبھی کہتے تھے کہ بیٹا تری غربت پہ فدا
اے مرے راحت جاں اے مری آنکھوں کی ضیا
ہائے جی بھر کے نہ تجھکو مرے جانی دیکھا
اس ضعیفی میں ترا داغ جوانی دیکھا

۴۰

ہائے جانباز مرے ہائے مرے شیر جوان
تو نہیں جاتا ہے جاتی ہے مرے جسم سے جان
ہائے اے غنچہ دہن ہائے مرے سرو رواں
پاؤں یاری نہیں دیتے تجھے ڈھونڈوں گا کہاں
کون لے جائے گا مجھ تک مجھے تنہائی میں
آ گیا فرق ابھی سے مری بینائی میں

۴۱

تیرے چہرے کے تصدق تری زلفوں کے نثار
پھر مری چھاتی سے چھاتی کو لگا دو اک بار
جان بیتاب ہے بابا کی نہیں دل کو قرار
باپ مر جائے گا پھیرو نہ عنان رہوار
اپنی پیشانی پہ بوسے تو ذرا دینے دو
گرد گھوڑے کے تو بیٹا مجھے پھر لینے دو

۴۲

علی اکبر نے کہا دے کے محمد کی قسم
ساتھ خادم کے اگر آپ بڑھا دیں گے قدم
آپ صابر ہیں مناسب ہے تامل اس دم
خیمہ سے نکلیں گے سر پیٹتے سب اہل حرم
شہ نے فرمایا کہ قسمیں نہ دلاؤ بیٹا
خیر اللہ کو سونپا تمہیں جاؤ بیٹا

۴۳

کر کے تسلیم چلے جانب میدان اکبر
پیک نے جا کے یہ دی لشکر اعدا کو خبر
خاک پر گر پڑے شہ تھام کے ہاتھوں سے جگر
آن پہنچا خلف شیر الٰہی کا پسر
ہاں جوانو دم پیکار ہے ہشیار رہو
شیر آتا ہے اسی رخ کو خبردار رہو

۴۴

مورچے دابو رہو تیغ زنی پر تیار
ہاں کماندارو نہ چلے سے جدا ہوں سوفار
نیزہ بازو نہ کرو دیر بڑھاؤ رہوار
برچھیاں تانے رہو پیدلو کیجو نہ فرار
شہ کو فرزند کے لاشے پہ رلانا ہے ہمیں
آج تصویر محمد کو مٹانا ہے ہمیں

۴۵

کاٹنا ہے پسر فاطمہ کا نخل مراد
کوئی شمشیر کو پیارا نہیں اکبر سے زیاد
آج کر دینی ہے بانو کی کمائی برباد
سن لو بیٹے کے لیے کرتے ہیں اب تک فریاد
ختم ہے جنگ جو اس رشک قمر کو مارا
بخدا باپ کو مارا جو پسر کو مارا

۴۶

ذکر یہ تھا کہ زمیں رن کی ہوئی مطلعِ نور
طور تھا اسپِ فلک سیر تو وہ شعلۂ طور
آگیا صاف نظر حسنِ محمدؐ کا ظہور
مہر تھا ذرے سے کم اس کی تجلی کے حضور
صبحِ صادق کی سی پُرنور جبیں روشن تھی
کوسوں تک حسن کے پرتو سے زمیں روشن تھی

۴۷

سرنگوں جس سے سپر ہو وہ ابرو خمدار
نرگسی آنکھیں وہ جس پر دلِ مردم ہو نثار
تیرِ مژگاں وہ کہ اک پل میں کریں دل سے گذار
دیکھ کر دنگ ہو آئینہ صفائے رخسار
نسبت اس لب سے نہیں ذہن کا یہ صرف نہیں
دہنِ تنگ میں گنجائشِ یک حرف نہیں

۴۸

آب و تابِ دُرِ دنداں سے خجل دُرِ عدن
شعلۂ طور ہے پروانۂ شمعِ گردن
حق نے ہے آبِ لطافت سے بھرا چاہِ ذقن
سینہ ہے علمِ جنابِ احدی کا مخزن
قامتِ راست نشانِ اسد اللّٰہی ہے
دست و بازو سے عیاں شانِ یداللّٰہی ہے

۴۹

تیغ وہ ہے کہ کرے کوہ کو جوں کاہ قلم
صورتِ قوس ہے قبضے میں کماں مستحکم
نیزہ وہ دیکھ کے کانپے جسے مارِ ارقم
تیر ترکش کے نہیں مرغِ مناجات سے کم
بے سپر کاندھے پہ یا شب ہے قمر کے پیچھے
یا کوئی ابر کا ٹکڑا ہے قمر کے پیچھے

۵۰

باگ ہلنے کی نہیں اسپِ فلک سیر کو تاب
ڈالے کانٹے پہ جو دریا میں بشکلِ گرداب
ہو وہ گرم تو اڑ جائے مثالِ سیماب
یہ سبک رو ہے کہ ٹوٹے نہ کبھی سم سے حباب
نے زمیں اور قدم غرب سے تا شرق رہے
رشک سے نعل در آتش بھی سدا برق رہے

۵۱

ایسا راکب کہیں دیکھا ہے نہ ایسا اسوار
کوئی اس حسن سے مرنے نہیں آیا زنہار
خوش نما جسم پہ زیور کی طرح ہیں ہتھیار
پر خزاں ہوگئی اب باغِ جوانی کی بہار
خاک پر کاٹ کے تیغوں سے گرا دیویں گے
آج اس چاند کو مٹی میں ملا دیویں گے

۵۲

اُسے کیا سوجھے گا یہ نورِ نظر ہے جس کا
دل پہ کیا گذرے گی اُس کے یہ جگر ہے جس کا
ہوا اندھیرا اسے دنیا یہ قمر ہے جس کا
پوچھو اُس ماں کے کلیجے سے پسر ہے جس کا
در پہ خیمے کے کھڑی بیٹے کو تکتی ہوگی
آگ واں ماں کے کلیجے میں بھڑکتی ہوگی

۵۳

شمر اتنے میں پکارا کہ جوانو جاؤ
کہا اکبرؑ نے کہ موجود ہیں ہم بھی آؤ
سر ہم شکلِ نبیؐ کاٹ کے جلدی لاؤ
دخل کیا ہے جو اماں ہاتھ سے میرے پاؤ
کس طرح لڑتا ہے ہم شکلِ پیمبرؐ دیکھو
آج شمشیرِ حسینیؑ کے بھی جوہر دیکھو

۵۴

کہہ کے یہ فوج میں کودا وہ شجاعِ ازلی
تیر چلنے لگے نیزے چلے تلوار چلی
نعرہ زن تھا کہ انا ابن حسینؑ ابن علیؑ
برقِ شمشیرِ دو دم سے صفِ کفار جلی
سر قلم ہونے لگے افواجِ ستم عاری تھی
صفحۂ خاک پہ اک جدولِ خوں جاری تھی

۵۵

خرمن ہستی اعدا کو جلاتی تھی وہ برق
فرق پر جس کے چمکتی ہوئی جاتی تھی وہ برق
نار دوزخ کی زمانہ کو دکھاتی تھی وہ برق
صاف دو کر کے زمیں میں اتر آتی تھی وہ برق
کٹ گیا ہے یہ نہ شرم سے خم ایسا تھا
ڈر سے دم بند تھے کفار کے دم ایسا تھا

۵۶

خوں میں دنبالۂ تک آلودہ تھی وہ ناخن شیر
نہ گیا پیش زبردستوں کی ایسے ہوئے زیر
منصب حق تھی حقیقت میں بظاہر شمشیر
دشمن جاں بھی یہ کہتے تھے کہ اللہ رے دلیر
شور تھا ضرب یہ ہے کاٹ اسے کہتے ہیں
بازو کہتے ہیں اسے گھاٹ اسے کہتے ہیں

۵۷

آب شمشیر سے میداں میں اٹھا تھا طوفان
کشتی تن کو لعینوں کے نہ تھی جائے اماں
بحر خوں چار طرف دشت میں تھا موج زناں
تیغ کے گھاٹ جو اترا ہوا دوزخ کو رواں
کیا جگر ہیں جو ید اللہ کی اولاد کے ہیں
تیغ چلتی نہیں کیا ہاتھ بھی فولاد کے ہیں

۵۸

ناب جس تیغ کی تھی جادۂ صحرائے فنا
خم سے دوزخ کا نظر آتا تھا سیدھا رستا
موج زن آب میں تھا قہر خدا کا دریا
پشت پر فتح دم جنگ تھی قبضے میں قضا
گر پڑے کوہ پہ دو ٹکڑے برابر ہو دیں
کس سے وار اس کا رکے جس میں یہ جوہر ہو دیں

۵۹

مثل سیماب نہ اک جا پہ تھا مرکب کو قرار
واں صف جنگ تھی یاں شاہ کھڑے تھے ناچار
اڑ گئی تھی فوج پہ بجلی سی چمک کر تلوار
دل تڑپتا تھا جدائی تھی پسر کی دشوار
نہ بلایا ہے مجھے کام ایسا کوئی کرتا ہے
جلد آواز دو بیٹا کہ پدر مرتا ہے

۶۰

کان میں آئی نہ جب نعرۂ اکبر کی صدا
صوت تکبیر ہوئی بند یہ غضب قہر ہوا
رو کے شہ کہتے تھے مارے گئے ہے ہے بیٹا
نیزہ چھاتی پہ لگا حلق پہ تھا تیر لگا
جا کے جس غول پہ ہم شکل نبی لڑتے تھے
شاہ بے زخم لگے خاک پہ گر پڑتے تھے

۶۱

تن میں رعشہ مرے آیا ہے بصارت میں خلل
باگ رو کو مری جاں باپ کا دل ہے بیکل
لڑتے بھڑتے ہوئے کیا رن سے گئے دور نکل
آؤ اب دم تو بہت لڑ چکے بابا کے بدل
کیا ہمیں بھول گئے دھیان کدھر ہے بیٹا
کچھ پدر کے بھی کلیجے کی خبر ہے بیٹا

۶۲

ماں سے یہ کہہ گئے تھے آؤں گا پھر آپ کے پاس
مری جائے گی نہ توڑو مری جاں بانو کی آس
نگراں ہے در خیمہ سے وہ با حسرت و یاس
بہنیں بیتاب ہیں پھوپھیوں کے بجا ہیں نہ حواس
غل ہوا شاہ کے دلدار کو مارا ہم نے
پسر سید ابرار کو مارا ہم نے

۶۳

شور یہ سنتے ہی روتے ہوئے دوڑے شبیر
دل پہ اک ہاتھ تھا اور تھی یہ زباں پر تقریر
شیر کی طرح دھنسے فوج میں کھینچے شمشیر
نوجواں قتل ہوا میرا پسر بے تقصیر
عضو بیکار ہوئے گھٹ گئی طاقت میری
لوٹ لی نانا کی امت نے بضاعت میری

۶۴

ڈھونڈتے ڈھونڈتے لاشہ کو شہنشاہِ امم
لرزاں بیٹے کو دیکھا جو رگڑتے پیہم
آن پہنچے کہ پسر توڑتا تھا خاک پہ دم
مارے الفت کے لگانے لگے آنکھوں سے قدم
پیار سے گود میں زخمی کو کبھی لیتے تھے
خوں بھرے منہ پہ منہ اپنا کبھی رکھ دیتے تھے

۶۵

باپ کو بیٹے کا لاشہ نہ دکھاوے اللہ
ملتی تھی رن کی زمیں کرتے تھے اس درد سے آہ
گر کے فرزند کے پہلو میں تڑپنے لگے شاہ
متصل لب پہ تھا ہائے مرے غیرت ماہ
قدر کچھ امت احمد نے نہ جانی تیری
ہائے یہ حسن ترا ہائے جوانی تیری

۶۶

ہوش میں آن کے اکبر نے کہا بابا جان
کھنچتی ہیں تن کی رگیں اینٹھتی ہے منہ میں زباں
اب نہیں جینے کے ہم ہیں کوئی دم کے مہماں
جان پانی میں ہے اس وقت پہ ملتا ہے کہاں
لوگ حیوان کو نہیں پانی سے ترساتے ہیں
حیف ہے حلق سے ہم تشنہ دہاں جاتے ہیں

۶۷

شہ نے فرزند کا سر زانو پہ رکھ کر یہ کہا
کیا کروں میں علی اکبر نہیں پانی ملتا
اے مری جان تری پیاس کے صدقے بابا
خشک ہونٹوں سے زباں باپ کی چوسو بیٹا
دم تو ٹھہرے گا جو کم تشنہ دہانی ہو گی
کچھ تو تسکین تجھے اے یوسفِ ثانی ہو گی

۶۸

کر کے یہ منہ میں زباں دینے بیٹھے تھے شبیر
دم گلے میں جو رکا ہو گئی حالت تغییر
حلق اکبر پہ کسی شامی نے مارا اک تیر
شہ کی گودی میں تڑپنے لگا وہ ماہ منیر
شاہ چلائے نہ رحم اس کی جوانی پہ کیا
کیا ستم تو نے لعیں ظالم مرے جانی پہ کیا

۶۹

باتیں کرتا تھا مرے زانو پہ رکھے ہوئے سر
بے گنہ قتل کیا تم نے جواں میرا پسر
باپ سے بیٹے کو کہنے نہ دیا دردِ جگر
حق سے فریاد کروں گا میں بروزِ محشر
خونِ ناحق کا غریبوں کے سزا پاؤ گے
آج بے بس ہوں میں آخر کہاں جاؤ گے

۷۰

باپ یہ کہتا تھا اور توڑتا تھا دم بیٹا
شاہ کہتے تھے پسر مرتا ہے ہے ہے کروں کیا
حلق پر تیر تھا بند آنکھیں تھیں اور منہ تھا کھلا
چاہا کتنا کہ کریں تیر کو گردن سے جدا
ایسا تڑپے علی اکبر کہ سنبھالا نہ گیا
شہ سے الفت کے سبب تیر نکالا نہ گیا

۷۱

کچھ نہ بن آئی تھی حیراں تھے شہِ جن و بشر
بند تھی سانس زیادہ جو ہوا دردِ جگر
نہ نکل سکتا تھا پیکاں نہ سنبھلتا تھا جگر
مر گئے باپ کی گودی میں تڑپ کر اکبر
شاہ چلانے لگے بے آس ہوئے ہم بیٹا
باپ جیتا رہا تم ہو گئے بے دم بیٹا

۷۲

دیکھئے کیا ہیں پھرانے میں شہِ نیک خصال
کب ردا گر گئی سر سے نہیں اس کا بھی خیال
بانو خیمے سے چلی آتی ہے کھولے ہوئے بال
کوکھ پکڑے ہوئے چلاتی ہے ہے ہے مرے لال
کبھی منہ پیٹتی ہے ہاتھوں کو ملتی ہے کبھی
تھک کے ٹھوکر کبھی گرتی ہے سنبھلتی ہے کبھی

٧٣

کبھی چلاتی ہے اے فاطمہؑ کے راحت جاں
بھڑکی ہے آگ جگر میں مرے یا شاہِ زماں
تم کہاں روتے ہو صاحب مرا بچہ ہے کہاں
میری چھاتی سے لگا دو اسے تم پر قرباں
ہاتھ پھیلا کے کلیجے سے لگا لوں گی میں
مجھ سے روٹھے گا جو اکبرؑ تو منا لوں گی میں

٧٤

دخترِ فاطمہؑ پیچھے ہے کھلے سر آتی
پیچھے رو رو کے سکینہؑ ہے یہی چلاتی
بانوئے بیتاب ہے زینبؑ ہے پچھاڑیں کھاتی
ٹھہرو اماں کہ ردا ہوں میں تمھاری لاتی
ننھے بچوں سے بھی منہ موڑے چلی جاتی ہو
علی اصغرؑ کو کہاں چھوڑے چلی جاتی ہو

٧٥

چھوڑ کر لاش کو بیٹے کی اٹھے سرورِ دیں
کہا اکبرؑ گئے دنیا سے سوئے خلدِ بریں
آئے گھبرائے ہوئے زینبؑ بیکس کے قریں
ڈھونڈنے نکلی ہو جس کو اسے پاؤ گی نہیں
کیا مناسب ہے کہ پردے سے نکل کر رو دو
جلنے والے ہیں یہاں خیمے میں جا کر رو دو

٧٦

روکے بانو نے کہا مر گئے اکبرؑ ہے ہے
تشنہ لب جانبِ کوثر گئے اکبرؑ ہے ہے
ہائے بے آس مجھے کر گئے اکبرؑ ہے ہے
داغ سینے پہ مرے دھر گئے اکبرؑ ہے ہے
دن جو شادی کے قریب آئے تو ناشاد ہوئی
محنت اٹھارہ برس کی مری برباد ہوئی

٧٧

کیا تمنا تھی مجھے اور ستم کیا دیکھا
نہ دولھن دیکھی نہ بنتے ہوئے دولھا دیکھا
وائے قسمت کہ نہ فرزند کا سہرا دیکھا
بولے شہ شکر ہے جو دیکھا سو اچھا دیکھا
جب تلک جیتے ہیں کیا کیا نہ ستم دیکھیں گے
علی اصغرؑ کا بھی لاشہ ابھی ہم دیکھیں گے

٧٨

کہا بانو نے سنبھلتا نہیں سینے میں جگر
بولے حضرت کسے دیکھو گی کہاں ہیں اکبرؑ
لاشِ اکبرؑ تو مجھے دیکھنے دو ایک نظر
لاش پر بیٹے کی ماں کا نہیں جانا بہتر
بال کھولے ہوئے بلوے میں کدھر جاؤ گی
لاش فرزند کی دیکھو گی تو مر جاؤ گی

٧٩

بانو غش ہونے لگی سن کے یہ پُر درد سخن
ڈال کر دونوں پہ جلدی سے عبا کا دامن
ایسا پیٹی کہ گری خاک پہ حضرت کی بہن
گود میں لے کے سکینہؑ کو چلے شاہِ زمن
پہونچے جس وقت بصد آہ و بکا خیمے میں
شور ہے ہے علی اکبرؑ کا ہوا خیمے میں

٨٠

کوئی کہتی تھی کہ مارا گیا ہم شکل رسولؐ
کوئی کہتی تھی گرا گلشن شبیرؑ کا پھول
کوئی کہتی تھی کہ بیکس ہوا فرزند بتولؑ
بس انیسؔ جگر افگار مناسب نہیں طول
کر دعا حق سے کہ عاجز ہوں گنہگار ہوں میں
رحم کر مجھ پہ کہ سرور کا عزادار ہوں میں

سلام

۱ — حسینؑ یوں ہوئے اے ہمرہی وطن سے جدا
کہ جیسے بلبلِ ناشاد ہو چمن سے جدا

۲ — جہاں میں پائیں گے گھر اہلِ بیت کے مانع
صلۂ خدا سے جدا ہیں گے پنجتنؑ سے جدا

۳ — پہنے ہوئے تھے پاؤں میں سیدِ سجادؑ
چھلی تھی طوق سے گردن کمر رسن سے جدا

۴ — گلے میں دیکھ کے طوقِ حدید کہتے تھے
یہ آفتاب کہیں جلد ہو گہن سے جدا

۵ — وطن میں پھر کے سفر سے نہ جیتے جی آئے
عجب گھڑی تھی کہ اکبرؑ ہوئے بہن سے جدا

۶ — جہاں سے اٹھ گئے حسرت بھرے ہے قاسمؑ
جہاں میں کوئی بھی دولہا ہو دولہن سے جدا

۷ — گھرے رہے شہِ والا ستم کے نرغوں میں
نہ آفتاب ہوا دوپہر کرن سے جدا

۸ — گھڑی گھڑی کے شمرِ لعین گر نہ کھینچتا بازو
سکینہؑ ہوتی نہ لاشِ شہِ زمن سے جدا

۹ — حرم میں شور ہوا شمر نے کہا جس دم
کہ باندھو بانو و زینبؑ کو اک رسن سے جدا

۱۰ — شہیدِ ظلم ہیں دونوں نبیؐ کے لختِ جگر
غمِ حسینؑ نہیں ماتمِ حسنؑ سے جدا

۱۱ — نکالا گردنِ اصغرؑ سے تیر جب شہ نے
گلے سے بہنے لگا خوں جدا دہن سے جدا

۱۲ — سحر سے ظہر تلک کربلا میں جنگ ہوئی
سرِ حسینؑ ہوا وقتِ عصر تن سے جدا

۱۳ — سپاہِ شام سے نکلا جو خولی بولے ملک
وہ آفتابِ درخشاں ہوا گہن سے جدا

۱۴ — سکینہؑ مر گئی قیدِ ستم میں گھٹ گھٹ کے
گرہ چاند سی گردن ہوئی رسن سے جدا

۱۵ — رسولِ حق کو نواسے سے یہ محبت تھی
کہ منہ نہ کرتے تھے شبیرؑ کے دہن سے جدا

۱۶ — زمیں پہ گر کے پکارے شہِ امم ہیہات
نظر جو آگئے بھائی کے ہاتھ تن سے جدا

۱۷ — کڑی ہے مرگ کی منزل مسافرو ہشیار
کھلے گا حال یہ جب ہوگی روح تن سے جدا

۱۸ — فشارِ قبر کا گر خوف ہے تجھے تو انیسؔ
رہے نہ تربتِ خاکِ شفا کفن سے جدا

رباعی

اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا
ہر درد کے واسطے سریع التاثیر
بے سود انیسؔ ہر دوا کو دیکھا
دیکھا تو فقط خاکِ شفا کو دیکھا

مرثیہ ۱

غل آمدِ عباس کا ہے فوجِ ستم میں
روباہوں کو دھڑکا ہے کہ شیر آتا ہے ہم میں
سردار جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں غم میں
سب کہتے ہیں آفت ہوئی نازل کوئی دم میں
کون اس سے لڑے گا وہ شجاع ابن علی ہے
شوکت میں ہے جعفر تو شجاعت میں علی ہے

۲

جانباز ہے جرار ہے صفدر ہے وہ غازی
جرأت میں ہزاروں کے برابر ہے وہ غازی
بے شبہ و شک ثانیِ جعفر ہے وہ غازی
اے لشکریو رستمِ لشکر ہے وہ غازی
لاکھوں میں یہ اس سج کا جواں ہم میں نہیں ہے
ہم کیا ہیں کہ ایسا کوئی عالم میں نہیں ہے

۳

وہ شیرِ خدا دلبرِ ضرغامِ خدا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ ہمنامِ خدا ہے
دیندار ہے وابستۂ احکامِ خدا ہے
ضرب اس کی ہر ایک ضربتِ صمصامِ خدا ہے
تھراتے ہیں ساتوں طبق اس تیغ کے ڈر سے
نے کوہ سے رکتی ہے نہ جبریل کے پر سے

۴

اس ساز تیغ سے وقفہ ہمیں دم بھر نہ ملے گا
لاشے نظر آویں گے یہ لشکر نہ ملے گا
سر ہاتھ جو آوے گا تو پیکر نہ ملے گا
پیکر جو ملا سر تو افسر نہ ملے گا
آیا وہ سپہ جنگ تو کب ہوش رہیں گے
چار آئینے والے نہ زرہ پوش رہیں گے

۵

اس شیر کی شمشیر ہے مفتاحِ درِ فتح
بندوں کی طرح رہتا ہے قدموں پہ سرِ فتح
ہر گام پہ دیتی ہے شجاعت خبرِ فتح
آمد سے بہادر کی عیاں ہے اثرِ فتح
آئینۂ اجلال و حشم سینہ ہے اُس کا
اقبال بھی اک خادمِ دیرینہ ہے اُس کا

۶

ہاتھ آئی ہے خلق میں اس طرح کی توقیر
ہم پنجۂ دستِ احدی بازوئے شبیر
کیا قدرت اللہ ہے اللہ ری تقدیر
گر شیرِ خدا مصحفِ ناطق تو یہ تفسیر
بابا کی طرح صاحبِ شمشیر و علم ہیں
حرمت یہ علاوہ ہے کہ سقائے حرم ہیں

۷

الفت میں ہیں عباس و امامِ دو جہاں ایک
ان دونوں کے قالب تو ہیں دو اور ہے جاں ایک
دل ایک جگر ایک زباں ایک بیاں ایک
مرجائے جو ہو ایک کی آنکھوں سے نہاں ایک
سردار ہو ایسا جو ملازم ہو تو ایسا
آقا ہو تو ایسا ہو جو خادم ہو تو ایسا

۸

ہوشیار رہو نہر سے اے مورچے والو
ہاں چلّوں سے تیر اے قدر اندازو ملا لو
آمد ہے علمدار کی نیزوں کو سنبھالو
کھولو سپریں تیغ نیاموں سے نکالو
تیغ ان کے پدر کی سرِ مرحب پہ چلی ہے
عباس علی وارثِ شمشیرِ علی ہے

۹

جس طرح کہ خیبر میں لڑے فاتحِ خیبر
لاکھوں سے اسی طرح لڑے گا یہ دلاور
سر کر دی لڑائی جو اسے کر دیا بے سر
کٹ جائے گا زورِ بدنِ سبطِ پیمبر
ٹوٹے گی کمر ماتمِ سقائے حرم میں
مرجائے گا سردار علمدار کے غم میں

۱۰

زینت وہ علم کی تو علم اُس کا حشم ہے
وہ آیۂ رحمت ہے تو یہ ابرِ کرم ہے
شوکت میں وہ افضل نہ بزرگی میں یہ کم ہے
بے مثل علمدار ہے نایاب علم ہے
دونوں کا شرف سارے زمانے پہ عیاں ہے
اُس کا نشاں وہ ہے یہ حیدر کا نشاں ہے

۱۱

ہو ایک طرف جمع اگر ساری خدائی
جانیں نہ بچیں گی کہ غضب کی ہے لڑائی
عباسؑ سے ہونے کی نہیں عہدہ برآئی
اور شیر کی آمد کو یہ سمجھو اجل آئی
یہ لشکرِ رومی و عراقی نہ رہے گا
دو لاکھ جو اں میں کوئی باقی نہ رہے گا

۱۲

دیکھا جو عمر نے کہ تزلزل میں ہے لشکر
عباسؑ جو آتا ہے تو کس بات کا ہے ڈر
یوں کہنے لگا جا کے ہر اک صف کے برابر
اے غازیو کیوں کانپتے ہو خوف سے تھر تھر
فاقے سے کئی دن کے ہے اور تشنہ دہاں ہے
یاں لاکھ نمودار ہیں واں ایک جواں ہے

۱۳

کس کس سے لڑے گا اسد اللہ کا پیارا
یہ ننگ سپاہی نہیں کرنے کا گوارا
ہے لاکھ جوانوں کو ابھی ایک نے مارا
تلواروں سے ہاں روک لو دریا کا کنارا
اولادِ علیؑ سے جو اسی طرح ڈرو گے
کیونکر پسرِ فاطمہؑ کو ذبح کرو گے

۱۴

عباسؑ تو ہے حیدرِ صفدر کی نشانی
میداں میں وہ دکھلائے گا کیا زورِ جوانی
تصویرِ پیمبر ہے ابھی تم کو مٹانی
کھانا تو کہاں جس کو میسر نہیں پانی
تلواروں سے کاٹو سرِ عباسؑ علیؑ کو
بےکس کرو فرزندِ رسولِؐ عربی کو

۱۵

طالب ہو اگر زر کے تو لو درہم و دینار
باقی نہیں اب کوئی اگر ہے تو علمدار
بخت سرِ عباسؑ کی ہوں دینے کو تیار
ہاں غازیو توڑو کمرِ سیدِؑ ابرار
خالی ہو جو دنیا پسرِ شیرِ خدا سے
بھر دوں گا سواروں کی رکابوں کو طلا سے

۱۶

منظور نہیں راحتِ فرزندِ پیمبر
دیکھو تو تڑپتا ہے علمدارِ دلاور
اک عید ہو، بچھڑے جو برادر سے برادر
ہاتھوں سے کمر پکڑے چلے آتے ہیں سرور
تم لوگ انھیں لاش پہ آنے نہیں دیتے
عباسؑ کا مردہ بھی اٹھانے نہیں دیتے

۱۷

راضی ہوئے خونریزی پہ وہ زر کے طلبگار
تھے بیس ہزار اک صفِ اول میں کماندار
دریا کے کنارے پہ جمیں جا کے صفیں چار
اور اُن کے عقب برچھیاں تانے ہوئے خونخوار
دو اُن میں سوارانِ عراقی کے پرے تھے
تلواروں کو کھینچے ہوئے کاندھوں پہ دھرے تھے

۱۸

داہنی طرف اک فوج تھی بائیں طرف اک فوج
گھوڑے جو پھریرے تو نشانوں کو ملا اوج
نقارے تھے گھوڑوں پہ کہیں اک تو کہیں زوج
دریا کی طرح لشکرِ کیں مارتا تھا موج
تھا خوف نجوم اللہ رے چرخِ بریں کو
رہواروں کی ٹاپوں سے تزلزل تھا زمیں کو

[illegible]

۱۹

ہر سمت سے ڈھالوں کی گھٹا دشت میں چھائی
پوشیدہ تھی رہواروں کی ٹاپوں سے ترائی
جب دیکھا تو تلوار چمکتی نظر آئی
دریا نے بھی تھی پیاسوں سے شکل اپنی چھپائی
نیزوں سے وہ سب دشت نیستاں ہوا تھا
اک پیاسے سے لڑنے کا یہ ساماں ہوا تھا

۲۰

یہ کہہ کے سروہی کو پٹکتا تھا کوئی سنگ
چار آئینہ و خود و زرہ ہے مرا چو رنگ
یہ چلے گی جب سر پہ تو ٹھہرے گی تہ تنگ
عباسؑ کے ہاتھوں کو میں کاٹوں گا دم جنگ
شادی ہے کہ گھر ہوئے گا تاراج علیؑ کا
دنیا سے مٹا دوں گا نشاں آج علیؑ کا

۲۱

تھا نعرہ زناں فوج میں یوں شمر ستمگار
کھینچے ہوئے تلواریں رہو جنگ پہ تیار
ہاں غازیو ہاں ٹھہرے ہو ہشیار خبردار
آتا ہے وغا کو خلف حیدر کرار
بڑھ بڑھ کے نہ عباسؑ سے خوش اوقات سے لڑنا
اُس شیر سے لڑنا تو ذرا گھات سے لڑنا

۲۲

وہ دائیں طرف برچھیوں والوں پہ اگر آئے
رخ کر کے سواروں پہ اگر تیغ کو چمکائے
بائیں سے کمانداروں کی صف تیروں کو برسائے
پہلو سے پیادوں کا پرا جا کے پلٹ جائے
اس شیر کو دریا کی ہوا کھانے نہ دینا
اس قلعۂ آہن سے نکل جانے نہ دینا

۲۳

تھی فوج ادھر مستعد قتل علمدار
بیتاب تھے بسمل کی طرح سید ابرار
عباسؑ ادھر سج رہے تھے جنگ کے ہتھیار
بھائی کو سنبھالے ہوئے تھی زینبؑ ناچار
اٹھتے تھے کبھی اور کبھی غش ہوتے تھے شبیرؑ
زینبؑ کی تڑپ جاتی تھی جب روتے تھے شبیرؑ

۲۴

بھائی تھی صدقے ہو بہن جی کو سنبھالو
روٹھے ہوں جو عباسؑ دلاور تو منالو
شہ کہتے تھے بیتاب ہوں بھائی کو بلا لو
کہدو کہ ذرا بھائی کو چھاتی سے لگا لو
یہ کشتۂ اندوہ جدائی نہ بچے گا
جس کے لیے مرتے ہو وہ بھائی نہ بچے گا

۲۵

کیا مجھکو سنبھالے ہو بہن بھائی تلک جاؤ
منت کرو عباسؑ کا سر چھاتی سے لپٹاؤ
تم کو سر اکبرؑ کی قسم ہے اسے لاؤ
جی پانی کہاں غش ہے سکینہؑ کو بلا لاؤ
کچھ فکر نہیں جی سے گذر جائے گا شبیرؑ
یہ داغ ہے وہ داغ کہ مر جائے گا شبیرؑ

۲۶

زینبؑ وہ جواں ہے مری پیری کا سہارا
کوچ اس کا نہیں خلق سے ہے کوچ ہمارا
بچپن سے میں پیارا ہوں اسے وہ مجھے پیارا
کس طرح کریں صبر نہیں صبر کا یارا
یہ دولت بیدار ڈبوئی نہیں جاتی
تصویر علیؑ ہاتھ سے کھوئی نہیں جاتی

۲۷

اس بھائی کا مرنا مجھے خالق نہ دکھائے
عباسؑ جنازہ مرا کاندھے پہ اٹھائے
میں اس کو نہ روؤں وہ مری قبر بنائے
ہاتھوں سے علمدار مجھے گاڑنے جائے
ہم پیر ہیں جینے کی ہمیں آس کہاں ہے
قابل نہیں مرنے کے ابھی وہ تو جواں ہے

۲۸

پیکر سے تڑپتے تھے شہ بے کس و بے پر
پروانہ کی گرد شہ دیں پھرتی تھی خواہر
تھے مضطر و بیتاب حرم کھولے ہوئے سر
دیکھا کہ چلے آتے ہیں عباسؑ دلاور
رومال تو ہے آنکھوں پہ منہ اشکوں سے تر ہے
ذو جبر تو پس پشت ہے پہلو میں پسر ہے

۲۹

گودی میں ہیں مظلوم سکینہؑ کو سنبھالے
اور ننھے سے ہاتھوں کو وہ گردن میں ہے ڈالے
فرماتے ہیں بیٹے سے کہ اے نازوں کے پالے
کرتا ہے پدر تم کو سکینہؑ کے حوالے
دروازے پہ جا جا کے خبر لائیو بیٹا
شہزادی کو تم کمبل میں بہلائیو بیٹا

۳۰

سائے کی طرح تم نہ کبھی پاس سے جانا
ان ننھے سے قدموں کے تلے آنکھیں بچھانا
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو سدا سامنے آنا
یہ بیٹھے تو رومال کھڑے ہو کے ہلانا
گر قید ہو یہ بعد شہنشاہ زمن کے
رکھ دیجو گلا دوڑ کے حلقے میں رسن کے

۳۱

ان باتوں کو سن سن کے پسر کرتا تھا زاری
عباسؑ کے بھی اشک تھے رخساروں پہ جاری
کہتے تھے سکینہؑ سے میں صدقے مری پیاری
شفقت رہے اس پر یہ نشانی ہے ہماری
اک عبد وفادار خدام اپنا سمجھنا
تم بعد مرے اس کو غلام اپنا سمجھنا

۳۲

اشک آنکھوں میں بھر بھر کے یہ کہتی تھی وہ ناداں
میں آپ پہ اور آپ کے فرزند پہ قرباں
بھائی کو غلامی میں دیا واہ چچا جاں
کیا کہتے ہو کچھ یہ تو جدائی کا ہے ساماں
بابا کے بھی رونے کا کچھ پاس کرو گے
کیا ان کو یتیم اور ہمیں بے آس کرو گے

۳۳

بہلاتے تھے عباسؑ بصد اشک فشانی
کیوں روتی ہو تم یہ مرا مطلب نہیں جانی
عاشور کہیں جاتے ہیں تو دیتے ہیں نشانی
ہم نہر سے بی بی کے لیے لاتے ہیں پانی
وہ کہتی تھی اچھا ہے تو جلد آئیو عمو
کوثر پہ نہ پانی کو چلے جائیو عمو

۳۴

زینبؑ کی طرف دیکھ کے فرمانے لگے شاہ
در پیش تھا جس بات کا دھڑکا بخدا واللہ
لو بھائی کو تھا سو کر رخصتی ہے آہ
عباسؑ چلے مرنے تو ہم بھی ہیں سر راہ
خنجر کوئی رہ رہ کے لگاتا ہے جگر کو
تم دل کو سنبھالو میں پکڑتا ہوں کمر کو

۳۵

آپہنچا قریں شہ کے علمدار قضا را
آغوش مبارک سے سکینہؑ کو اتارا
قدموں پہ جھکا بھائی کے وہ بھائی کا پیارا
حضرت نے کہا چھوڑتے ہو ساتھ ہمارا
سر قدموں سے سرکاؤ میں قربان برادر
لو روؤ نہ اللہ نگہبان برادر

۳۶

آداب بجا لا کے تصدق ہوئے ذیشاں
غش ہو گئے صدمے سے شہ بے کس و بے آس
روتے ہوئے عباسؑ چلے گھر سے بصد یاس
سر کھولے ہوئے غول تھا رانڈوں کا چپ و راس
ٹوٹا تھا فلک زوجۂ عباسؑ حزیں پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

۳۷

چلاتی تھی بے بے مرے وارث مرے والی
دم لو کہ ذرا ہوش میں آ لیں شہِ عالی
لونڈی سے کے بھرے گھر کو کیے جاتے ہو خالی
مر جائے گی بعد آپ کے یہ پیٹنے والی
اک دم مرے پاس ٹھہرتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو تو جنّت مجھے کرتے ہوئے جاؤ

۳۸

مُڑ کر کہا عباسؑ نے باخاطرِ ناشاد
دنیا میں کیا حق نے تمہیں صاحبِ اولاد
صاحب ابھی لازم نہیں یہ نالہ و فریاد
کبریٰ تو ہوئی صبحِ شبِ عقد کو برباد
دیکھو گی جو اس کو تو کلیجہ نہ پھٹے گا
شہزادی کی خدمت میں رنڈاپا بھی کٹے گا

۳۹

فرما کے یہ دروازے پہ روتے ہوئے آئے
موزے قدمِ پاک میں خادم نے چڑھائے
اور بیٹھ گئے کرسی پہ ہتھیار لگائے
کرسی سے جو اٹھے تو سخن لب پہ یہ لائے
سب قصد سوئے لشکرِ کفار ہمارا
اصطبل سے لائے کوئی رہوار ہمارا

۴۰

حاضر ہوا شبدیز علمدار دلاور
وہ ساز کا عالم وہ گندھی چوٹیاں یکسر
جس طرح دلہن آتی ہے پہنے ہوئے زیور
جھولے پہ بجلی لگتی تھی کیا آہنی پاکھر
پانی جو نہ پہنچا تھا بہم تشنہ دہاں کو
غصے سے چباتا تھا دہانے میں زباں کو

۴۱

القصہ چڑھے گھوڑے پہ عباسِ علمدار
وہ چاند سی صورت وہ سجتے ہوئے ہتھیار
بجلی کی طرح کوند گیا دشت میں رہوار
سرتابہ قدم دبدبۂ حیدرِ کرار
تکتے تھے عدو بازوئے شاہِ مدنی کو
غل تھا کہ علی آئے ہیں خیبر شکنی کو

۴۲

یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
شانِ چمن قدرتِ باری نظر آئی
پنہاں ہوئی گرد اور گئی باری نظر آئی
آمد اسد اللہ کی ساری نظر آئی
آتا تھا جری ڈالے ہوئے گھوڑے کو رن میں
تھیں پھولوں کی لپٹیں کہ چلی آتی تھیں بن میں

۴۳

نورِ رخِ عباسؑ سے صحرا ہوا معمور
سایہ کی جگہ دھوپ تھی اور دھوپ کی جا نور
خورشیدِ فلک شرم سے تھا ابر میں مستور
اشجارِ بیابانِ ستم تھے شجرِ طور
ذرے کا بھی تھا اخترِ اقبال چمک پر
کرتے تھے حقارت سے نظر شمسِ فلک پر

۴۴

بیت ابروؤں کی مطلعِ دیوانِ علیؑ ہے
نرگس ہے کہ نرگسِ بستانِ علیؑ ہے
اس دیدۂ حق بیں پہ فدا جانِ عقیلی ہے
ابرو وہ تصدق ہے جو قربانِ علیؑ ہے
زیبا ہے اگر کعبۂ ایمان انہیں کہیے
گر کہیے تو سرچشمۂ عرفان انہیں کہیے

۴۵

رنگِ گلِ خورشید ہے رخسارۂ تاباں
ہے مہر تو ابرو کی ہے رحل پہ قرآں
تفسیر ہے خط اور ہے رخ مصحفِ ایماں
یا صفحۂ سیمیں پہ رقم ہے خطِ ریحاں
خالق نے دلِ شب میں جگہ دی ہے سحر کو
اس حسن سے دیکھا نہیں ہالے میں قمر کو

۴۶
درجِ گہرِ بحرِ فصاحت یہ دہاں ہے
اس لب میں ہے جو لعل میں وہ آب کہاں ہے
باغنچۂ سربستہ گلزارِ جناں ہے
ہیرے کی چمک گوہرِ دنداں سے عیاں ہے
تابندہ نہ کیونکر ہوں گہر ایسی صدف کے
نایاب نگینے ہیں یہ سب دُرِ نجف کے

۴۷
گردن بخدا نور کے سانچے میں ڈھلی ہے
نور اس کا ضیا بخش شبستانِ علیؑ ہے
روشن ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
یاں شمعِ سرِ طور بھی غیرت سے جلی ہے
حوروں کی زبانوں پہ بھی افسانہ ہے اس کا
کہتے ہیں جسے صبح وہ پروانہ ہے اس کا

۴۸
کس حسن سے تیار ہیں اس شیر کے شانے
بخشا ہے عجب بازوؤں کو زور خدا نے
مہتاب کو شرمندہ کیا جس کی ضیا نے
قدر اس کی بجز سبطِ نبیؐ کیا کوئی جانے
مارے جو طمانچہ تو جگر شیر کا پھٹ جائے
دو انگلیوں سے کوہ کو ریلے تو الٹ جائے

۴۹
غل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
زر ریز ہے پنجہ کرم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
خوبی ہو تو ایسا سپہ کامل ہو تو ایسا
ایسے علمِ نور کا حامل ہو تو ایسا

۵۰
بولا کوئی پوشاک کی زیبائی کو دیکھو
خادم بھی جلو میں نہیں تنہائی کو دیکھو
اس قامتِ پُرنور کی رعنائی کو دیکھو
قائل ہے گردوں کی توانائی کو دیکھو
کس حسن سے رن کے طلبگار کھڑے ہیں
کس شان سے تولے ہوئے تلوار کھڑے ہیں

۵۱
عالم میں ہوئے چار اولوالعزم علمدار
بعد ان کے ہوئے زیبِ علم حیدرِ کرار
اک حضرتِ حمزہؑ تھے تو اک جعفرِؑ طیار
عباسؑ اب اس منصبِ والا کا ہے مختار
ان سب سے بھی پانے سے سوا پایا ہے رتبہ
کیا دست بدست اس کو یہ آتا گیا رتبہ

۵۲
اللہ رے اللہ عجب شانِ علم ہے
رحمت کا یہ دریا ہے کہ دامانِ علم ہے
سب عالمِ بالا بھی ثنا خوانِ علم ہے
خورشید ہے یا پنجۂ تابانِ علم ہے
ہے نور کا عالم علمِ فوجِ خدا پر
موسیٰ نے دھرا ہے یدِ بیضا کو عصا پر

۵۳
انوارِ الٰہی کا خزینہ ہے یہ سینہ
ہمرتبۂ تابوتِ سکینہ ہے یہ سینہ
دریائے شجاعت کا سفینہ ہے یہ سینہ
گر جس میں دفینہ کا ہے وہ سینہ ہے یہ سینہ
مہتاب کھلی نور میں خورشید ضیا میں
آئینہ کا پردہ ہے گریبانِ قبا میں

۵۴
کیا کہیے ثباتِ قدم و بازوئے شبیرؑ
تھا نقش نشیں ان کا مثالِ نقشِ تصویر
کاغذ پہ سیاہی نہیں چلتی دمِ تحریر
اقلیمِ شجاعت ہے انھیں قدموں کی جاگیر
تلواروں کے سودا اگر سر پہ چلیں گے
یہ اُن جگہ سے نہ ہٹے ہیں نہ ٹلیں گے

۵۵

خاک اس کی ہے جو نقشِ قدم پاک کی پائیں
حوران جناں کحلِ بصر اس کو بنائیں
افلاک سے آکر ملک آنکھوں سے لگائیں
زہاد و حرم کے لیے فخر سے لائیں
اس خاک پہ ملا رُخ کوئی تو نے تو ہما ہو
اندھا لے آنکھوں سے لگائے تو ضیا ہو

۵۶

یہ شانِ علم اور پھریرے کا وہ عالم
پنجے کو ہے پہلوے ہلالے ہو سے مرحم
یہ ابرِ کرم ہے تو ہے وہ نیرِ اعظم
انگشتِ شہادت سے اشارہ ہے یہ ہر دم
یہ عرش کا رتبہ ہے نہ افلاک کا رتبہ
ہے سب سے فزوں پنجۂ پاک کا رتبہ

۵۷

سرو چمن آرائے ہدایت ہے یہ رایت
مہرِ فلکِ لطف و عنایت ہے یہ رایت
یا سورۂ والشمس کی آیت ہے یہ رایت
دستِ کرم شاہِ ولایت ہے یہ رایت
جو سایہ میں اس کے ہے وہ بے ظل ہما ہیں
اعجاز ہے عیسیٰ کا پھریرے کی ہوائیں

۵۸

ذکرِ علم و عمد ہے قرآن میں آیا
معروف جو امت کی طرف شاہ کو پایا
شیعوں کے سروں کا ہے یہی حشر میں سایا
بے بہرِ دعا ہاتھ علم نے بھی اٹھایا
شکلِ کفِ سائل جو ہے پنجہ یہ سبب ہے
اللہ سے امت کی شفاعت کی طلب ہے

۵۹

یہ وہ ہے علم جس کو پیمبر نے اٹھایا
ہاتھ آیا شرف جب اسے جعفرؑ نے اٹھایا
کس فخر سے حمزہؑ سے دلاور نے اٹھایا
وہ اٹھ گئے دنیا سے تو حیدر نے اٹھایا
ہوگا یہ ہما سایا فگن اب نہ کسی پر
بس خاتمہ ہے حضرت عباس علیؑ پر

۶۰

ناگاہ علمدار نے جولاں کیا رہوار
آواز سے قرنا کی لرزنے لگے کفار
ڈنکے پہ لگی چوب میانِ صفِ اشرار
تھی صاف صدا ہائے علمدار علمدار
شکلِ کفِ افسوس ہلال جل سے عیاں تھی
پنجی بھی نشانوں کی پھریرے میں نہاں تھی

۶۱

کڑکا ہوا میدانِ شہادت میں نقارا
تلواریں چمکنے میں یہ کرتی تھیں اشارا
صحرائے پرآشوب لگا گونجنے سارا
قبضے میں ہیں غیروں کے نہیں زور ہمارا
چلّوں سے ملاتے تھے عدو تیر جو رن میں
انگشتِ تاسف تھی کمانوں کی دہن میں

۶۲

شانے تھا جو سینہ اسد اللہ کا فرزند
انگلی سے بتاتے تھے نہ گویائی تھی ہر چند
تھراتا تھا نیزوں کا بھی دہشت سے ہر اک بند
یہ حیدرِ صفدر کے کلیجے کا ہے پیوند
شانِ اسد اللہ ہے اس تشنہ گلو میں
آلودہ نہ کرائیں پیاسے کے لہو میں

۶۳

ناگاہ کہا تیر سیہ رو نے یہ بڑھ کر
ہے لشکرِ جرار کا انداز سے سمندر
کیا قصد ہے اے وارثِ ذریتِ حیدر
گر صلح کریں آپ تو ہے جنگ سے بہتر
ہوگا یہ تلاطم کہ دلِ کوہ ہلے گا
ان تیغوں کے گھاٹوں میں انھیں گھاٹ ملے گا

۶۴
عباسؑ پکارے کہ خبردار ہم آئے
اک وار میں اس پار سے اس پار ہم آئے
جاتا ہے کہاں ظالمِ غدار ہم آئے
لے عہد سے اور گھاٹ سے ہشیار ہم آئے
تلوار کے وارث تہِ افلاک یہیں ہیں
آبِ دمِ شمشیر کے پیراک یہیں ہیں

۶۵
ہے زورِ علیؑ ہر رگ و ریشے میں ہمارے
تیر آ نہیں سکتا کبھی پنجے میں ہمارے
کٹتا ہے پہاڑ ایک ہی جھٹکے میں ہمارے
ثابت قدمی آئی ہے حصے میں ہمارے
دیکھیں تو ہم اس تیغِ شرر دم کو تو روکو
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکو

۶۶
فرما کے یہ شمشیرِ شرر دم کو نکالا
ڈھالوں کا اٹھا ابر ہر اک سمت سے کالا
بادل ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
غل ہوتا تھا کرتے تھے دو پارہ جو سپر کو
دو کر دیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو

۶۷
چمکی جو علمدار کی شمشیرِ شرر بار
نعرہ کیا غازی نے کہ یا حیدرِ کرار
معلوم ہوا عنصرِ خاکی کرۂ نار
چھیڑا جو ذرا بیچ میں تھا فوج کے رہوار
بجلی سی یکایک جو گری لشکرِ کیں پر
رہوار تھے اسواروں پہ اسوار زمیں پر

۶۸
گھوڑے کو جو ڈپٹا کے کوئی سامنے آیا
بازوئے ید اللہ کا زور اس کو دکھایا
رہوار سے رہوار کو غازی نے ملایا
تلوار کا قبضہ سرِ دشمن پہ لگایا
اللہ ری ضرب اس کی گیا خود تو سر میں
سر سینے میں پنہاں ہوا اور سینہ کمر میں

۶۹
شمشیر تھی اک صاعقۂ قہرِ الٰہی
ہر غول پہ ادبار تھا ہر صف پہ تباہی
دم میں ہوئے نابود نمودار سپاہی
تیغوں کی سپیدی تھی نہ ڈھالوں کی سیاہی
بھاگے چلے جاتے تھے عدو جان کے ڈر سے
گرتی تھی جو سر پر تو اترتی تھی کمر سے

۷۰
للکارے یہ دریا کی طرف باگ اٹھا کر
اسوار بہم ہو گئے نیزوں کو ہلا کر
لو نہر پہ ہم جاتے ہیں روکے کوئی آ کر
چلائے عدو تیر کمانوں میں ملا کر
بڑھنا نہ خبردار جو اندیشۂ جاں ہے
واں گھاٹ ہے تیغوں کا تو یاں تیر و کماں ہے

۷۱
دریا کے کنارے پہ ہے وہ قلزمِ پُر قہر
اس بحر سے ہو پار تو پھر پہنچو کہیں تا نہر
ہے خنجر و شمشیر و سناں جس کی ہر اک لہر
چشمہ تو وہ شیریں ہے مگر ہے اثرِ زہر
بے خوں میں ہوئے غرق نکل جاؤ تو دیکھیں
اس نہر سے اس مشک کو بھر لاؤ تو دیکھیں

۷۲
عباسؑ نے نعرہ کیا رکتے ہیں کہیں شیر
یہ کہہ کے جو جھپٹے تو زبردست ہوئے زیر
تھا شیرِ الٰہی کے پسر صاحبِ شمشیر
تلوار کے گھاٹ ان کو اتارا نہ لگی دیر
تیغیں نہ صفیں اور نہ وہ قلزم نظر آیا
دریا پہ سمندر کا تلاطم نظر آیا

۷۳
عباسؑ جب اس فوج کے دریا کو گئے پیر
گھوڑے سے کہا حال بہت پیاس سے ہے غیر
چل نہر پہ اب جلد کہ ہے خاتمہ بالخیر
اعدا کے سروں پر سے اڑا اسپِ فلک سیر
بس چار پہ لو تو ہوا پر نظر آئے
عباسِ علیؑ نہر کے اندر نظر آئے

۷۴
دریا میں جو پہنچا اسد اللہ کا پیارا
للکار کے یوں فوج کو غازی نے پکارا
تم سب یہی کہتے تھے کہ ہے گھاٹ ہمارا
بتلاؤ کہ دریا ہے ہمارا کہ تمہارا
تم کہتے تھے ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
لو آؤ تو اب ہم تمہیں آنے نہیں دیتے

۷۵
پیشانی پہ سجدے کا نشاں تھا کہ ستارا
پانی رخِ پرنور سے روشن ہوا سارا
ہر مردمِ آبی یہ خوشی ہو کے پکارا
عباسؑ کے چہرے کا کرو چل کے نظارا
منھ ملنے لگیں مچھلیاں دامانِ علم پر
اٹھا منھ کے حباب آنکھوں کو ملنے لگے قدم پر

۷۶
آئی یہ ندا حضرت الیاسؑ کی یک بار
صدقے ترے اے فوج حسینؑ کے علمدار
ہوں غرق خجالت کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
ناحق یہ جفا کرتے ہیں سید پہ ستمگار
یہ نہر ہے جس کا اسے کیا آج قلق ہے
شاہد ہوں میں اس کا کہ یہ شبیرؑ کا حق ہے

۷۷
پھر خضرؑ پکارے تو اے حیدرِ کرار کے جانی
اک جام میں میں لا کے پلا دوں تجھے پانی
کہنے لگے عباسؑ بصد اشک فشانی
بھولی نہیں آقا کی مجھے تشنہ دہانی
چوبیس پہر پیاس کی تکلیف سہی ہے
جس لڑکی کا سقا ہوں وہ دم توڑ رہی ہے

۷۸
بیتاب کیا دل کو سکینہؑ کے جو غم نے
جلدی سے بھرا مشک کو سقائے حرم نے
خیمے کی طرف رخ کیا اس ابرِ کرم نے
کی جست یکایک فرسِ تیز قدم نے
لڑتے ہوئے افشاں عدا سے نکل آئے
پیاسے گئے اور نہر سے پیاسے نکل آئے

۷۹
دریا سے نکلنا تھا کہ پھر فوج نے گھیرا
وہ چاند تھا اور شام کے بادل کا اندھیرا
سو گر پڑے گھوڑے کی جدھر باگ کو پھیرا
نعرہ تھا کہ اللہ مددگار ہے میرا
لاکھوں ہیں تو کیا ہے رکو کہ نڈر کا ہوں
روباہ ہیں یہ میں پسرِ شیرِ خدا ہوں

۸۰
لہراتا تھا سر پر علمِ دیں کا پھریرا
تلوار سے پانی تھا ستمگاروں کا زہرا
تھا زخم بدن پر کہیں اوچھا کہیں گہرا
رہوار ہرن سا کہیں چمکا کہیں ٹھہرا
طاؤس کے ہوش اڑاتا تھا اس تیز پری سے
گھوڑا تھا بک سیر نسیمِ سحری سے

۸۱
جرأت میں تو بے مثل تھا اور جنگ میں یکتا
تھی شمر کو حیرت عمرِ سعد کو سکتا
خورشید سا خودِ سرِ انور تھا چمکتا
غصے میں جو تھے خون تھا آنکھوں سے ٹپکتا
جس صف کی طرف دیکھتے تھے شیر سے پھر کر
دو چار جواں خوف سے مرجاتے تھے گر کر

۸۲

جب نیمچے کا رخ کرتے تھے اک صف کو بھگا کر
تب دوسری صف سامنے جم جاتی تھی آ کر
بڑھتے تھے وہ جب تیروں کو چلّوں سے ملا کر
خم ہوتے تھے یہ مشک کو چھاتی سے لگا کر
تھا سامنا دو لاکھ کا اک تشنہ جگر سے
ششدر تھا فرس میں بھی نکل جاؤں کدھر سے

۸۳

کل فوج میں تھا مشک کو لے جانے نہ دینا
پیاسوں تلک اس پانی کو پہونچانے نہ دینا
مشکیزے کے نزدیک سپر لانے نہ دینا
شبیر بھی آ دیں تو انہیں آنے نہ دینا
تلوار یہ علم کرکے جو لشکر پہ جھکیں گے
بپھرے ہوئے دو شیر کسی سے نہ رکیں گے

۸۴

بیکس و تنہا ابھی آئے نہیں شبیر
ہاں اے قدر اندازو کمانوں سے چلیں تیر
نیزوں سے چلیں نیزے تو شمشیر پہ شمشیر
سب ٹوٹ پڑو جلد مناسب نہیں تاخیر
آ دیں بھی تو عباس و لاور کو نہ پا دیں
بھیّا شہِ مظلوم برادر کو نہ پا دیں

۸۵

ہوتا تھا ادھر قتل علمدار کا ساماں
گھبرائے ہوئے پھرتے تھے واں سرور ذیشاں
جاتے تھے کبھی خیمے میں با دیدۂ گریاں
زینبؑ سے کبھی کہتے تھے اب تن سے چلی جاں
مشکیزہ لیے نہر سے عباسؑ پھرے ہیں
پر آئیں گے کیونکر کہ ہزاروں میں گھرے ہیں

۸۶

چلتے ہیں مرے بھائی پہ رن میں تبر و تیر
[illegible] ہے ستمگاروں سے وہ صاحب شمشیر
نقشی ہے جہاں سے اسد اللہ کی تصویر
جا ہو وہ کرنے کو عباسؑ کی شمشیر
سب مل کے دعا مانگو کہ میں پاؤں سلامت
تیغوں سے بچا کر اسے لے آؤں سلامت

۸۷

زینبؑ نے کہا سوئے نجف ہاتھ اٹھا کر
تم قبر میں کیا سوتے ہو اے حیدر صفدر
عباسؑ کو گھیرے ہوئے ہے شام کا لشکر
یہ تیر اوں ہے کہ نہیں پانی میسر
تا نہر کسی پیاسے کو جانا نہیں ملتا
پانی کوئی لاتا ہے تو لانا نہیں ملتا

۸۸

بن پانی تڑپتی ہے مرے بھائی کی اولاد
میں زینبؑ دلخستہ ہوں سن لو مری فریاد
عباسؑ کو آنے نہیں دیتے ستم ایجاد
اے کل کے مددگار یہی ہے دم امداد
ہاں صبح سے ہے پیاس کا غل بے وطنوں میں
اور واں وہ [illegible] ہے گھرا تیغ زنوں میں

۸۹

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ چلے رن کی طرف شاہ
تلوار پکڑ کر علی اکبر ہوئے ہمراہ
گھبرا کے کہا زوجۂ عباسؑ نے ناگاہ
بھائی کے بچانے کو چلے ہیں شہ ذیجاہ
ہے خبط سا اس دم شہ والا کے پسر کو
اے بیبیو روکو کوئی زہراؑ کے پسر کو

۹۰

جس طرح ہو روکو انہیں گر گر کے قدم پر
عباسؑ سے سو بھائی فدا شاہ امم پر
عاشق کی طرح دیتے ہیں دم بھائی کے دم پر
آئے تو یقیں ہے کہ خفا ہوویں گے ہم پر
بھائی کو اسی جا سے پکاریں شہ والا
میں یہ نہ کہوں گی کہ سدھاریں شہ والا

۹۱

وہ رات تلک مجھ سے یہ کہتے تھے بہ تکرار
جب غل ہو کہ لشکر میں گھرا شہ کا علمدار
صاحب یہ مری بات نہ تم بھولیو زنہار
رونا نہ کبھی تم کہ کڑھیں گے شہ ابرار
بھجوائیں جو اکبر کو تو بھجوانے نہ دینا
میدان میں آقا کو مرے جانے نہ دینا

۹۲

چلائی سکینہؑ سنو اچھے مرے بابا
عمو کے لیے آہ مرا دل ہے تڑپتا
پیتے چلو مجھکو بھی جہاں ہے مرا سقا
بے دینوں نے پانی کے لیے ہے انھیں روکا
کہیو نہ مری پیاس کا غم کھاؤ چچا جان
میں پانی سے باز آئی چلے آؤ چچا جان

۹۳

اب پیاس نہیں مجھکو میں قربان تمھارے
میں جیتی ہوں مرنے کی نہیں پیاس کے مارے
چھوڑ آؤ مری مشک کو دریا کے کنارے
پانی کی نہیں چاہ تمھیں ہو مجھے پیارے
اچھے مرے عمو مجھے شکل اپنی دکھا دو
مشکیزے کا منہ کھول کے پانی کو بہا دو

۹۴

جو کہتے ہیں دشمن ہیں وہ تم پانی نہ لاؤ
میں اب نہ کہوں گی کہ مری پیاس بجھاؤ
بس ہے یہ مرے واسطے تم خوں میں نہاؤ
مجھکو یہ گوارا نہیں تم برچھیاں کھاؤ
جب سے گئے ہو غم ہے اسی آن سے مجھکو
شرمندہ نہ کیجے گا چچی جان سے مجھکو

۹۵

تم اپنا چچی کو نہیں دکھلانے کی گھر میں
میدان سے تدبیر کرو آنے کی گھر میں
ڈیوڑھی پہ کھڑی ہوں میں نہیں جانے کی گھر میں
حاجت نہیں کچھ پانی کے پہنچانے کی گھر میں
مشکیزے کے باعث تمہیں روکیں گے ستمگر
پانی جو نہ ہوگا تو نہ روکیں گے ستمگر

۹۶

کہتی تھی سکینہؑ تو یہ با صد غم و حسرت
عباسؑ علمدار پہ واں آ گئی آفت
اور نہر پہ گھبرائے ہوئے جاتے تھے حضرت
شانوں پہ لگی دونوں طرف تیغ کی ضربت
جس وقت قلم ہو کے گرے ہاتھ زمیں پر
دو خون کے پرنالے بہے دامن زیں پر

۹۷

مشکیزے کے تسموں کو پکڑ دانتوں میں اک بار
شوکت سے یہ پیدا تھا کہ ہیں جعفرؑ طیار
ٹکرانے لگا گھوڑے کو زخمی وہ علمدار
فرزند پہ ہوتے تھے فدا حیدرؑ کرار
ہلتا تھا نہ مشکیزہ نہ جنبش تھی دہن کو
اک شیر تھا منہ میں لیے جاتا تھا ہرن کو

۹۸

ناگاہ ہوا مشک سے اک تیر ستم پار
بہنے لگا سینے سے لہو ہو کے دل زار
اس وقت تو رونے لگے عباسؑ علمدار
دے پٹکا سر اک کو ہرنے پہ کئی بار
گھبرایا نہ جب ہاتھ ہر اک کٹ گیا اس کا
مشکیزے کے چھدنے سے جگر کٹ گیا اس کا

۹۹

خوں شانوں سے شل دہن مشک رواں تھا
پرچم شہ مظلوم کا آنکھوں سے نہاں تھا
طاقت جو نہ تھی حالت غش میں وہ جواں تھا
اک شخص پس پشت لیے گرز گراں تھا
اک بار اشارہ جو کیا لشکر کیں سے
مارا سر عباسؑ پہ اک گرز کمیں سے

۱۰۰

اس ضرب سے سر ہو گیا غازی کا دوپارا
یا سبطِ نبی اہلِ ستم نے مجھے مارا
تیورا کے گرے گھوڑے سے اور شہ کو پکارا
اس دم شہِ دیں کو نہ رہا ضبط کا یارا
اعدا کو ہٹاتے ہوئے شمشیر سے آئے
بھائی کی جو آواز سنی شیر سے آئے

۱۰۱

عباس کو ریتی پہ تڑپتا ہوا پایا
چلائے یہ کیا تجھ کو مقدر نے دکھایا
دل میں یہ اٹھا درد کہ منہ کو جگر آیا
مارا گیا ہے ہے اسد اللہ کا جایا
اعدا نے مٹایا ہے نشانی کو علیؑ کی
بس آج کمر ٹوٹ گئی سبطِ نبیؐ کی

۱۰۲

لاشے سے لپٹ کر یہ بصد درد پکارے
دنیا میں یہ مظلوم جیے کس کے سہارے
صدقے ترے اے یارِ وفادار ہمارے
ہے ہے مرے عاشق مرے سید مرے پیارے
کمزور اسی داغ سے ہم ہو گئے بھائی
یہ ہاتھ مرے تھے جو قلم ہو گئے بھائی

۱۰۳

عباسؑ نے کی شہ پہ نظر ہوش میں آ کر
سر بھائی کے قدموں پہ ملا اشک بہا کر
بولا نہ گیا رو دیے زباں خشک دکھا کر
دنیا سے گئے زخمی آنکھوں کو پھرا کر
حیدرؑ کی صدا آئی کہ لو مر گئے عباسؑ
تنہا ہوئے شبیرؑ سفر کر گئے عباسؑ

۱۰۴

زہراؑ کی صدا آئی علمدار سدھارے
حضرت نے کہا صفدر و جرار سدھارے
بیکس ہوئے شبیرؑ کہ غمخوار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرِؑ طیار سدھارے
جنت کو گئے ہم سے یہ کیا کر گئے بھائی
باتیں ابھی کرتے تھے ابھی مر گئے بھائی

۱۰۵

سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکارے شہِ عالم
ہے ہے مرے یاور مرے بازو مرے ہمدم
ہے ہے مرے جعفرؑ مرے حمزہؑ مرے رستم
ہے ہے مرے صفدر مرے حیدرؑ مرے ضیغم
مرنے سے ترے زور گھٹا سبطِ نبیؐ کا
تو قوتِ بازو تھا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۰۶

خاموش انیسؔ اب کہ جگر ہو گیا گھائل
ہر چند یہ کہنا نہیں تعریف کے قابل
اس نظم کا دیویں گے صلہ سرورِ عادل
ہاں نام ہے شبیرؑ کے مداحوں میں داخل
اس کا نہیں دعویٰ کریں کون ہوں کیا ہوں
کیا میری حقیقت ہے کہ میں ہیچمداں ہوں

رباعی

ہزار علیؑ کو مال و زر سے پایا
اللہ نے دی تیغ نبیؐ نے دختر
طاعت ہی میں ہر شام و سحر سے پایا
رتبہ یہ اُدھر سے وہ اِدھر سے پایا

رباعی

اعلیٰ رتبہ میں ہر بشر سے پایا
یہ در کہ نہ ملتا تو بھٹکتے پھرتے
افضل انھیں خضر کا رہبر سے پایا
جنت کا پتہ علیؑ کے گھر سے پایا

مرثیہ

جب نوجواں پسر شہِ دیں سے جدا ہوا
نورِ نظر امامِ مبیں سے جدا ہوا
روشن قمر سپہرِ بریں سے جدا ہوا
لختِ جگر حسینؑ حزیں سے جدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جانِ بتول کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبطِ رسول کا

۲

برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لختِ جگر کا دل
ہوتا ہے آبگینہ سے نازک بشر کا دل
خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
پتھر کا دل نہیں ہے یہ دل ہے پدر کا دل
ایوبؑ بھی اگر ہوں تو دم بھر نہ کل پڑے
آنسو تھمیں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

۳

پیری میں آفتِ غمِ اولاد الاماں
وہ اضطرابِ خاطرِ ناشاد الاماں
دل اور زخمِ خنجرِ بیداد الاماں
وہ اشک اور وہ شور وہ فریاد الاماں
بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزا رہا
جب گھر اجڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا

۴

بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر
غربت میں کون لٹ گیا منزل کو کیا خبر
کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
خاروں سے پوچھیے نہ کسی گل سے پوچھیے
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے

۵

بچھڑا وہ یار جس کا گوارا نہیں فراق
اے موت جلد آ کہ بس اب زندگی ہے شاق
فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق
خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق
برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
کیا زندگی کا لطف جب ایسا پسر نہ ہو

۶

بچھڑے پدر سے اکبرؑ مہرو ہزار حیف
کیا خوش نما تھے دوش پہ گیسو ہزار حیف
اب رو ہے سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو ہزار حیف
وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں
وہ دن کہاں ہیں اور وہ راتیں کدھر گئیں

۷

سب چاہیں جس کی زیست وہ شیرِ ژیاں مرے
پیدا تو کس جگہ ہوئے آ کر کہاں مرے
افسوس نیم جاں جیئے جانِ جہاں مرے
قدرت خدا کی پیر جیئے نوجواں مرے
اس عمر میں جہاں سے گزرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

۸

پھولے پھلے نہ وہ چمنِ روزگار میں
دیکھا کبھی نہ ایک گل ایسا ہزار میں
جھونکا چلا ہوائے خزاں کا بہار میں
کیا زور ہے امانتِ پروردگار میں
بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

۹

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام
رخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام
تر تھی لہو سے لختِ جگر کی قبا تمام
طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوئے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

۱۰

پیارے یہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے
تھرا رہے تھے پاؤں شہِ تشنہ کام کے
ذرا بچے تھے بہن علی اکبرؑ گذر گئے

لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
سر دوش پر تھا زینبِؑ عالی مقام کے
ہم اپنے سخت جاں تھے کہ اب تک نہ مر گئے

۱۱

پرسا تمہیں شبیرؑ کا دینے کو آئے ہیں
بیٹھے ہیں خاک اڑتی ہیں آنسو بہائے ہیں
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں

کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
یہ ہم تمہارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

۱۲

سرِ بار دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن
مردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن
محجوب ہم ہیں قاسمؑ بے پر کی روح سے

اب حق قریب ہے کہ رخصت ہیں تیغ زن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزندِ صف شکن
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے

۱۳

یہ سن کے بیبیوں کے جگر پر چھری چلی
سر خلقِ جہاں کے ہیں سب آپ پر جلی
بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا

زینبؑ زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
جاتا ہے سرکشوں میں یہ کونین کا ولی
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

۱۴

صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو
دریا کو چھین لو حق نہ اسیرا سند کرو
پانی پہ جنگ اک لگی ہے یہ دوپہر میں

فرزندِ فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
یا شیرِ حق مقام مدد ہے مدد کرو
صدمہ پسر کا کیا نہیں مادر کو قبر میں

۱۵

یا مصطفیٰؐ بلا میں پھنسا ہے تمہارا لال
یا فاطمہؑ میں لٹتی ہوں بکھراؤ سر کے بال
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہوں

یا شیرِ ذوالجلال دکھاؤ انہیں جلال
یارب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
بھائی کو اپنے لے کے میں جنگل میں جا رہوں

۱۶

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہیں
اب پر رضائے حق کا سخن چاہیے تمہیں
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا

خالق کی یاد سروِ علیؑ چاہیے تمہیں
جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمہیں
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

۱۷

دردِ شکم سے لوٹتی تھیں وہ نکو خصال
پوچھا کسی نے جب تو کہا شکرِ ذوالجلال
روتے ہیں دن تڑپنے میں راتیں گذر گئیں

ٹوٹی ہیں پسلیاں یہ ہمیں بھی نہ تھا خیال
بازو کے نیل کا تو کھلا وقتِ غسل حال
بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں

۱۸

ظاہر ہیں جو علیؑ پہ کیے ظالموں نے جبر
حجرے میں بیٹھ بیٹھ کے روتے تھے مثلِ ابر
ہم کیا ہیں جن کے ہاتھ بندھے یا گلا بندھے

اس غم سے تھا نہ چین نبیؐ کو میانِ قبر
منہ سے سنا نہ تھا کوئی کلمہ سوائے صبر
جب ریسماں سے گردنِ مشکل کشا بندھے

۱۹

عزلت گزیں تھے جسے علیؑ قبلۂ دوم
مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے [illegible]
اس بیکسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ اب نہ اُم
ٹکڑے جگر کے گنتا تھا میں رو رہی تھیں تم
بعد از فنا بھی درپئے ایذا شریر تھے
فرزند فاطمہؑ کے جنازے پہ تیر تھے

۲۰

ہیں سورۂ بلا و مصیبت ازل سے ہم
غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم
اس غمکدے میں چین سے گزرا نہ ایک دم
سب اپنے اپنے عہد میں سہہ سہہ گئے ستم
اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہے
بعد ان بزرگواروں کے باری ہماری ہے

۲۱

یہ پاس کر کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن
کیا کیجے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یاد حق کبھی گو حال غیر ہو
اس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

۲۲

کیا کرتیں تم بہن اجل آتی وطن میں گر
درپیش ہے سفر میں ہمیں خلق سے سفر
یکساں ہے مرنے والے کو جنگل ہو یا کہ گھر
اب آرزو یہ ہے کہ کٹے جلد تن سے سر
ہر دکھ میں خوش ہیں وہ جنہیں الفت خدا کی ہے
میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہے

۲۳

دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہؑ کو یاس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہِ گردوں اساس سے
بولی وہ تشنہ کام شہِ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

۲۴

فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے
اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے
آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
تنہا ہیں ہم سپاہِ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

۲۵

سن کر مصیبت پدرِ بیکس و حزیں
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امام دیں
بولی بلائیں آپ کی لے کے وہ مہ جبیں
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

۲۶

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نے سوار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوجِ نابکار
اس دشت کیں میں قید ہے احمدؐ کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لے کے آتے ہیں
سر کاٹ کے درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

۲۷

عمو تمہارے چھوڑ گئے ہم کو جاں بہ لب
تلواریں چل گئیں بنی قاسمؑ پہ بے سبب
بی بی قدم پہ گر کے ہیں کون روکے اب
مرنا شباب میں علیؑ اکبر کا ہے غضب
تھے جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں لٹ گئے

۲۸

ہر چند صبح و شام ہے جاری یہ شور و آہ
پالا تھا عمر کھو کے جنہیں ہم نے آہ آہ
پر کوئی حافظ نہ ہوا ہوگا یوں تباہ
ڈھونڈھا کہاں کہاں نہیں ملتے وہ رشکِ ماہ
کیا ہو گیا لاکھ رو ہیں گے یا خاک اڑائیں گے
سنتے ہیں گھر اب پھر کے نہ وہ دوست آئیں گے

۲۹

بی بی یہاں سے اہلِ وطن ہیں قریب تر
بھیجے ہیں شیعیانِ یمن نے بھی نامہ بر
پر میری بیکسی کی نہیں ایک کو خبر
بیکس حسینؑ بن کے ہوا ایک کا گذر
قریوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آ کے پھر گیا

۳۰

گھیرا ہے اس لئے مجھے اس جا میں بے گناہ
نے دوست ہے عزیز نہ غم خوار نے سپاہ
تا مجھ تلک آ سکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
ساتھی تو سب عدم میں وطن دور گھر تباہ
مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پر پدر رہا
مر کر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو

۳۱

جاتا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہو ادھر
پہلے پہل ہے آج شبِ فرقتِ پدر
ضد کر کے رویو نہ اماں چاہتی ہو گر
سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر
راحت کے دن گزر گئے اب فصل اور ہے
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

۳۲

سنتے ہی ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام
بتلایئے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

۳۳

بیٹی سے اتار و طوق ڑھاڑ پہ رخسار
چلائیو نہ آئیں علیؑ ابھی کہہ کے بار بار
چھینا کہیں جو تو نے آئیں ستم شعار
دشمن ہمارے نام کا ہے شمرِ نابکار
تو الوداع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں
سونپا تمہیں خدا و نبیؐ کی پناہ میں

۳۴

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا ادھر ادھر
فضہ نے عرض کی کہ ادھر پیٹتی ہیں سر
پوچھا کدھر ہیں بانوؑ تو شاہ نوحہ گر
رخصت کی بھی حضور کی ان کو نہیں خبر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبرؑ کا نام ہے
چلئے ذرا کہ کام اب ان کا تمام ہے

۳۵

رکھی تھی لاکے لاش پسر آپ نے جہاں
کرتی ہیں آہ ڈھ کے آہ تو ہلتا ہے آسماں
تنہا اس زمیں پہ لٹتی ہیں اور ہے لبوں پہ جاں
نعرہ یہ ہے کہ ہائے علیؑ اکبرؑ جواں
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اجاڑ کے

۳۶

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہِ خوش خصال
شبیرؑ جھک کے یہ پکارے بصد ملال
دیکھا کہ غش میں ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
اے شہربانوؑ ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں
صاحب اٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں

۳۷

سن کے صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر
تنہا حضور آتے ہیں باندھے ہوئے کمر
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بہ چشمِ تر
صاحب کہاں ہے منتوں والا مرا پسر
ایسے نہیں جو دکھ میں جدا ہوں وہ باپ سے
اپنے مرادوں والے کو لوں گی میں آپ سے

۳۸

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کدھر گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا
اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
شیدائیوں کی آنکھ کا تارا کدھر گیا
مرتی ہوں اپنے سروِ سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہِ محمدؐ کو دیکھ لوں

۳۹

وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائیں پھر
مجھ کو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئیں پھر
لے لوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر
خوشبو میں تن کی سونگھ لوں جنگل بسائیں پھر
تڑپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے
میں دیکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

۴۰

بےخودی میں جب آئے تھے میداں سے وہ ادھر
سنبھلا جو دل ذرا تو پھر گئے لگا جگر
کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر
آئے تو چھپ کے آئے گئے بے ملے ہوئے
باتیں نہ پیار کی ہوئیں ایسے گئے ہوئے

۴۱

گر ہیں خفا تو آپ میں اٹھ کر نثار ہوں
دائی ہوں ان کی آپ کی خدمت گزار ہوں
اُن کی خطا نہیں ہے میں تقصیروار ہوں
اب رحم کیجیے کہ بہت شرمسار ہوں
تکلیف گرچہ ہوگی شہِ مشرقین کو
لے آئیے منا کے مرے نورِ عین کو

۴۲

باتیں یہ سن کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
بانو کسے بلاؤں کہاں ہے وہ سیمبر
یارب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
ہم شکلِ مصطفیٰؐ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے تمہیں دیا تھا وہ اب اُس کے پاس ہیں

۴۳

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آ گئی انہیں
غش بہت کیا پہ اجل پا گئی انہیں
ہے ہے سنانوں کی نظر کھا گئی انہیں
صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی انہیں
زندہ نہ ہوگا دل مرا گر مر بھی جاؤ گی
اب تو کوئی گھڑی میں انہیں بھی نہ پاؤ گی

۴۴

جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہے وہ لالہ فام
سن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام
دیدو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اجڑنے کے تخت الٹنے کا طور ہے

۴۵

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل فگار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار
اے ابنِ فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین سوگوار
کچھ حق ہیں اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

۴۶

میں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی با امام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ امام
مشہور ہوں کنیزِ امامِ فلک مقام
گر قید ہو گئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
سندی چلی ہے شام کو آلِ رسولؐ کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

۴۷

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دو لال
زہراؑ کی بیٹیوں کی رہو تم شریکِ حال
صاحب تمھارے سر پہ ہے عابدؑ سا خوش خصال
بے وارثوں کا وارث و والی الٰہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے

۴۸

والد کی لاش پہ آپ آ کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے منہ ڈھانکے روئیو
لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلّا کے روئیو
قبرِ رسولؐ پاک پہ ہاں جا کے روئیو
لٹنے میں صبر و شکر تباہی میں چاہیے
رونا بشر کو خوفِ الٰہی میں چاہیے

۴۹

یہ سن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے
ٹھہرا گیا نہ پھر شہِ عالم پناہ سے
سیدانیاں لپٹ گئیں زہراؑ کے ماہ سے
نکلے حسینؑ روتے ہوئے خیمہ گاہ سے
جو تھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا
خورشید شمعِ حسن کا پروانہ بن گیا

۵۰

نکلے حرم سے در پہ جو شاہِ غیور آئے
لاؤ فرس کو ڈیوڑھی پہ جلدی حضور آئے
اک غل ہوا حضورِ کرامت ظہور آئے
اٹھی بھی جو تو آنکھ کی پتلی میں نور آئے
پھرتا تھا سر پہ چترِ سلیماں جناب کے
سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے

۵۱

نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمت و جلال
شوکت کی یہ دعا ہے کہ اے فاطمہؑ کے لال
تاباں رہے یہ تیرا اقبال بے زوال
سرسبز تیرے دوست عدو تیرے پائمال
یارب فسادِ خلق سے امن و اماں رہے
جب تک زمیں رہے یہ امامِ زماں رہے

۵۲

بیٹھا نہ تھا کوئی برابر ادھر اُدھر
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے جو سرور ادھر اُدھر
پر قدسیوں کی صف تھی برابر ادھر اُدھر
گرتی تھی برق گویا چمک کر ادھر اُدھر
جلوے دکھا رہی تھی ضیا اُن کے پاؤں کی
اک چاندنی بچھی ہوئی تھی دھوپ چھاؤں کی

۵۳

غل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو
لو جوبن آج دن کا بھی ڈھلتا ہے دیکھ لو
ذروں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو
قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہے دیکھ لو
نقش اس قدم کے چاند سے روشن بلند ہیں
جھمکے ہے آفتاب تو تارے سپند ہیں

۵۴

آمد فرس کی تھی وہ دلہن آتی ہے جس طرح
تصویر آہوئے ختن آتی ہے جس طرح
گھم گھم کے نکہتِ چمن آتی ہے جس طرح
یا شمع سوئے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے ہیں کبکِ دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا ہیں کہ جیسے پری ہے یہ

۵۵

آیا عجب شکوہ سے اسپ قمر رکاب
چمکی زلی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب
تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
حلقہ تھا نور مہر کا یا جلوہ گر رکاب
غڑاک تھی کہ گھوڑے ہوئے تھا عقاب پر
زیں پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر

۵۶

اختر مجل ہیں زیں جو اس رنگار سے
تھمتا ہے کب سوار فراست شعار سے
تارون نے چن لیے ہیں ستارے غبار سے
گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں پیار سے
نازاں ہے خود رکاب کے پائے کو دیکھ کر
بل کر رہا ہے خاک پہ سائے کو دیکھ کر

۵۷

قربان اُس نگاہ و جنبش لگار کے
شائستگی کو پوچھیو دل سے سوار کے
پامال کر دے شیر کو ٹاپوں سے مار کے
چاہے تو ایک حفل چڑھے باگ اُتار کے
رکھ دے قدم تو رنگ نہ میلا ہو پھول کا
پیارا فرس ہے راکبِ دوشِ رسول کا

۵۸

چاروں سموں سے بدر مجل نسل سے ہلال
کیسے نہ بال ہو سنے کترا دیے ہیں بال
کیلیں شکار شیر پہ آنکھیں ہیں وہ غزال
پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال
ڈرتے ہیں یاد گنبدِ نیلی رواق کے
دلدل کی تیزیاں ہیں طرارے براق کے

۵۹

سینہ کشادہ تنگ کمر چست جوڑ بند
باندار بردبار عدو کش ظفر پسند
گردن میں خم ہلال کا اور اس پہ سر بلند
بجلی کسی جگہ کہیں آہو کہیں پرند
سرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے
اتنے ہنر فرس میں یہ قدرت خدا کی ہے

۶۰

دونوں کنوتیاں جو بہم ہیں بہ شکل لا
ہاں بے زباں ہے گو پہ یہ کہتا ہے برملا
سوچیں تو اہلِ بزم کہ مطلب ہے اس کا کیا
آقا ہے میرا صاحبِ لاسیف و لافتا
افسوس اہل شام کو کچھ پیش و پس نہیں
آقا حسین سا نہیں مجھ سا فرس نہیں

۶۱

لو اب سوار ہوتا ہے زہرا کا یادگار
رو کر فرس سے کہتے ہیں شبیرؑ نامدار
تھامے رکاب کون ہو یاور نہ غم گسار
اے ذوالجناح دیکھ یہ نیرنگ روزگار
سب دوپہر میں ابن علیؑ سے جدا ہوئے
جو تیرے گرد رہتے تھے وہ دوست کیا ہوئے

۶۲

سب دوست بے مثال تھے مردوں کے کیسے
حیدر کے پانچ لال سے تھے مردوں کے کیسے
خوش رو تھے باکمال تھے مردوں کے کیسے
سات آٹھ خمسہ و سال تھے مردوں کے کیسے
جب ذکرِ خیر پیاس میں مرنے کے ہوئیں گے
سب میرے دوست میرے عوض ان کو روئیں گے

۶۳

مرتا ہے ایک دوست کسی شخص کا اگر
ایک دن میں صاف ہو گیا میرا تو گھر کا گھر
وہ شخص اس کے ہجر میں روتا ہے عمر بھر
کیا دور ہے جو مر کے بھی پیدا نہ ہو مگر
اس گھر میں جتنے گھر ہیں وہ سب بے چراغ ہیں
میرے تو ایک کلیجے پہ اٹھارہ داغ ہیں

۶۴
پیاسے ہیں میرے ساتھ جو میرے یہ تشنہ کام
گھر گھر میں اُن کی نذر کے ہوویں گے اہتمام
جاری سبیلیں رکھیں گے رستہ پہ خاص و عام
چلائیں گے یہ پانی کے بھر بھر کے سرد جام
ہو بوند تشنگی کو شہ تشنہ کام کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ امام کی

۶۵
ایسے کہے ملے ہیں رفیقانِ باوفا
پیشِ خدا جلیل ہے ان سب کا مرتبا
ہوئے جہاں میں آج جو پیغمبرِ خدا
کرتے ہر ایک شہید کا ماتم جدا جدا
شانہ بتولؑ بالوں میں کرتی نہ عمر بھر
چادر سیاہ سر سے اُترتی نہ عمر بھر

۶۶
یہ سن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار
چلاتی تھی یہ روحِ جنابِ نامدار
صاحب اٹھو ترائی سے ہیں آپ پر نثار
آقا سوار ہوتے ہیں آیا ہے راہوار
یاں آکے ساتھ جاؤ امامِ غیور کے
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے

۶۷
بانو پکارتی تھی کہ اکبر کدھر ہو تم
بیٹا پدر کے کوچ کے دن بے خبر ہو تم
تھامو رکاب باپ کی پیارے پسر ہو تم
اماں کا گھر اجڑتا ہے دادی کے گھر ہو تم
بازو کو تھامو ہاتھ میں حضرت کے زور دو
بیٹا ضعیفی وقت میں حضرت کا ساتھ دو

۶۸
لکھا ہے یاں بجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ
فریاد و احسینؑ سے ہلتی تھی مقتل گاہ
پیچھے سے نکلی اک زنِ بالا بلند آہ
رخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ
حسنِ رسولؐ شانِ علیؑ کا ظہور تھا
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا

۶۹
پردہ تھا پر جھکی ہوئی آئی وہ دل کباب
تھامی لرزتے ہاتھوں سے رہوار کی رکاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے جب ابنِ بوتراب
بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثلِ آفتاب
جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبیؐ کی تھی
زینبؑ بہن حسینؑ کی بیٹی علیؑ کی تھی

۷۰
رن کو سواریٔ شہِ جن و بشر چلی
پیچھے تمام فوجِ ملک ننگے سر چلی
گھوڑے کے ساتھ فاطمہؑ تھامے جگر چلی
شبدیز کیا چلا کہ نسیمِ سحر چلی
طبقہ تمام نور سواری سے عرش تھا
سونے کی تھی زمیں تو ستاروں کا فرش تھا

۷۱
ذروں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی
سرسبز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی
عالم میں ایک سماں تھا خزاں میں بہار تھی
جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی
غل تھا نہ دور دور چلو سب بہم چلو
ہاں خادمو ادب سے قدم با قدم چلو

۷۲
وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی
اللہ ری ضو چمکتی ہے آنکھ آفتاب کی
تصویر ہے جنابِ رسالت مآب کی
چہرے کی آن سے ہے لطافت شباب کی
بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر فشا ہے
رنگت تو پھول سی ہے گلابی عبا ہے

۷۳

غل تھا فرس پہ سیّدِ والا کو دیکھ لو
ہاں بدرِ شرقِ طورِ تجلی کو دیکھ لو
پڑھ کر درود صورتِ مولا کو دیکھ لو
بالائے رحل مصحفِ زہرا کو دیکھ لو
پایا کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں
قرآں انھیں کے واسطے آیا ہے خلق میں

۷۴

حوریں ہیں گرد ساغرِ کوثر لیے ہوئے
پریاں جلوس میں طبقِ زر لیے ہوئے
جبریلؑ ہیں نجات کا دفتر لیے ہوئے
جھولی میں ہے نسیمِ گلِ تر لیے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادیٔ عنبر سرشت میں
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

۷۵

وہ روئے دل فروز وہ زلفوں کا پیچ و تاب
گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب
ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب
آنکھیں وہ جن سے نرگسِ فردوس بے حجاب
پتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں
بیٹھا ہے شیر پنجوں کو ٹیکے ترائی میں

۷۶

پہونچا جو اس شکوہ سے حیدر کا لال
کانپے جبل لرز گئے لگا عرصۂ قتال
ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بد خصال
بھاگو کہ آیا شیرِ الٰہی پئے جدال
دیکھا جو رعبِ اسدِ عالی مقام کو
ظلموں نے جھک کے ہاتھ بڑھائے سلام کو

۷۷

بڑھ کر صدا نقیب نے دی روبروئے شاہ
دشمن ترے ذلیل ہوں شاہا ترے تباہ
آواز دی ظفر نے کہ اے معدلت پناہ
تاباں رہے ستارۂ اقبال عز و جاہ
زہرہ عدو کا آب کلیجہ لہو رہے
ہر معرکہ میں تیغِ علیؑ سرخرو رہے

۷۸

نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یک بیک
ماہی نے دب کے گاؤ زمیں سے کہا سرک
شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک
بس یا حفیظ کہہ کے لرزنے لگی سمک
غل تھا الٹ چکے ہیں حسینؑ آستین کو
یا بوتراب آکے بچا لو زمین کو

۷۹

دب دب کے مورچوں سے اُدھر پہلوان ہٹے
لشکر ہٹا نشانِ ضلالت نشان ہٹے
سرکی زمیں مگر نہ امامِ زماں ہٹے
سچ ہے کہ قطب دائرۂ دیں کہاں ہٹے
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں
کعبہ کہیں ہٹا ہو تو شاہِ امم ہٹیں

۸۰

لو گونجتا ہے شیر رجز خواں ہیں شاہِ دیں
نعرہ یہ ہے کہ ہیں ہمیں پشت و پناہِ دیں
روشن ہمارے نور سے ہے شاہراہِ دیں
دنیا میں ہم ہیں تاجِ سرِ عز و جاہِ دیں
سجدے بتوں کو کرتے تھے ساکنِ کنشت کے
ہم نے تمھیں بتا دیے رستے بہشت کے

۸۱

خالی کیا علیؑ نے بتوں سے خدا کا گھر
غزنی کماں ہیں لات و ہبل آج ہیں کدھر
غل تھا علیؑ ہیں دوشِ محمدؐ پہ جلوہ گر
مصحف بہ مصحف آج ہے اور نور نور پر
سب سے علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے دیکھ لو
شیرِ خدا کی شان دوبالا ہے دیکھ لو

۸۲

زنار گردنوں پہ تمہارے سوار تھی
اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی
شرک جلی یہ تھا کہ پرستش میں نار تھی
حق حق کی مسجدوں میں یہ کس دن پکار تھی
چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
یہ شور کب تھا اشہد ان لا الٰہ کا

۸۳

کعبے میں ہم نے پہلے اذاں دی بہ شد و مد
ہم پر ازل سے ہیں کرم مفضل احد
دریائے رحمت صمدی ہیں ہمارے جد
سب ہم پہ منکشف ہے جو کچھ ہوگا تا ابد
تم لوگ جس طریق سے پھرتے ہو فرش پر
ہم یوں پلک جھپکنے میں جاتے ہیں عرش پر

۸۴

گھر میں ہمارے وحی خدا لائے جبرئیل
مشہور ہم ہیں خلق میں آقائے جبرئیل
جب آئے خادموں کی طرح آئے جبرئیل
اس گھر کی خادمی سے ہے تمنائے جبرئیل
شاگردی علیؑ سے سرافراز جب ہوئے
جبرئیلؑ تب مقرب درگاہ رب ہوئے

۸۵

آٹھوں بہشت باغ ولایت کے پھول ہیں
اعمال دشمنان علیؑ نا قبول ہیں
ہم سے ولا کرو کہ ہم آل رسولؐ ہیں
روزے ہوں یا نمازیں یہ کل سب کے فضول ہیں
پھر کیا ادا زکوٰۃ بھی گر حج بیت کی
شرط قبولیت ہے ولا اہل بیت کی

۸۶

عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی
بیٹی نبی نے تیغ دو سر کبریا نے دی
کفار کو شکست شہ لافتا نے دی
کعبے کو بھی سوا ہیں حرمت خدا نے دی
رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہے
سجدے ہیں اس لیے کہ وہ مولد علیؑ کا ہے

۸۷

کیوں ظالمو رسولؐ کا پیارا نہیں ہوں میں
کیوں مستحق لطف و مدارا نہیں ہوں میں
کیوں عرش کبریا کا ستارہ نہیں ہوں میں
کیوں جاہلو امام تمہارا نہیں ہوں میں
سیدؑ پہ ظلم کون سی یہ رسم و راہ ہے
کیا میہماں کو پانی کا دینا گناہ ہے

۸۸

وہ نہر جس کو خلق میں جاری کرے اگر
پانی پہ جنگ پیاسوں سے دریا پہ بغض آہ
روکی ہے تم نے ظلم کی تیغوں سے اس کی راہ
یہ جس ولی کا گھر تھا اسے کر دیا تباہ
سیراب گرگ و شیر ہوں اور اسب و خر پئیں
اولاد فاطمہؑ نہ پئے جانور پئیں

۸۹

کھنچ کھنچ کے جائے ساری زراعت میں آب نہر
اس میں یہ نہر بھی ہے جو ہے فاطمہؑ کا مہر
محروم اس سے ساقی کوثر یہ کیا ہے قہر
شہرہ ہے نامیوں کی تواضع کا شہر شہر
امت نبیؐ کی آہ یہ سفاک ہو گئی
بس آج آبروئے عرب خاک ہو گئی

۹۰

کرتا ہے پاسداری مہماں ہر اک بشر
حاجت بھی لا کے سامنے رکھتا ہے ماحضر
ملتے ہیں اس سے جھک کے جو آتا ہے اپنے گھر
فاقہ ہے تیسرا ہمیں اور تم ہو بے خبر
بستان کربلا میں ہوا یہ بڑی چلی
پانی طلب کیا تو گلے پر چھری چلی

۹۱
سن کر بیانِ شاہ بہتوں نے سر جھکائے
اکثر صفوں میں شور یہ اٹھا کہ ہائے ہائے
کتنوں نے پھیر پھیر کے منہ اشک بھی بہائے
کیوں ہم رسولِ حق کے نواسے سے لڑنے آئے
خم کر کے گردنیں عمر و شمر ٹل گئے
فولاد نرم ہو گیا پتھر پگھل گئے

۹۲
نوغل سے بڑھ کے یہ پسرِ سعد نے کہا
ہو سب صفوں میں نالۂ شہنا کا غل بپا
ہاں جلد حکم دے کہ بجیں طبل جا بجا
آواز میں سنے نہ کوئی شاہ کی صدا
مظلومیِ حسین پہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
انساں کا ذکر کیا ہے کہ گھوڑے بھی روتے ہیں

۹۳
ناگہ بجے جلاجل و قرنا و طبل و دف
چلّوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جو صف
خاموش ہو گئے شہِ مظلوم اس طرف
اُٹھی اُدھر نیام سے تیغِ شہِ نجف
بھاگو ہٹو بچو یہ صدا دی سپاہ نے
پانی سے منہ نکالا ہے اژدر سیاہ نے

۹۴
تیغِ دو سر کو روک کے حضرت نے یہ کہا
آؤ عرب کی طرح جو ہے قصدِ جنگ کا
بیکس سے کس طرح تمہیں منظور ہے وغا
سب مل کے گرد ہو گئے تو پھر اس میں دیر کیا
دنیا سے وقتِ عصر گزرنا ہے ہر طرح
حاضر ہوں ہر طرح میں کہ مرنا ہے ہر طرح

۹۵
سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جان سمجھتے ہیں
مشکل ہزار ہو اسے آساں سمجھتے ہیں
ہاں حکمِ کردگار کو ایماں سمجھتے ہیں
ہم ایک لاکھ کو یک جاں سمجھتے ہیں
اس معرکے میں کھیت پڑے ہیں اسی طرح
بچے ہمارے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

۹۶
لڑتا نہ تھا کہ ایک سے گر ایک نامدار
نکلا ادھر سے ایک اُدھر سے بڑھے ہزار
پرسوں بھی تم سے ختم نہ ہوگا یہ کارزار
اس پر بھی الاماں کا غل اٹھا تھا بار بار
بیدیں کا ساتھ دے کے حمیت کو کھو دیا
تم نے تو آج نام عرب کا ڈبو دیا

۹۷
یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اس سپاہ سے
پھر ضبط ہو سکا نہ شہِ دیں پناہ سے
گیتی کو زلزلہ ہوا زہرا کی آہ سے
بجلی گری صفوں پہ غضب کی نگاہ سے
چمکی علی کی تیغ جو دشتِ مصاف میں
پریاں چھپیں جزیروں میں سیمرغ قاف میں

۹۸
کاٹھی سے اس طرح ہوئی تیغِ دو سر جدا
نصرت کا آئینہ تھا جدا اور گہر جدا
جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جدا
محمل جدا اٹھا لیلیِ فتح و ظفر جدا
تیغِ کشیدہ دستِ شہِ بحر و بر میں ہے
گو مار ہاتھ میں ہے پہ نافہ کمر میں ہے

۹۹
ناگاہ رن میں تیغِ شررِ لافتا چلی
بن میں سمومِ قہر و عتابِ خدا چلی
گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منہ بلا چلی
جھونکوں سے جس کے اڑتے ہیں سر وہ ہوا چلی
آوازِ الاماں کی سپہرِ بریں پہ تھی
بڑھ کر جو بڑھ کے پھرے صفِ اول زمیں پہ تھی

۱۰۰

پہنچے جو شقی سپر جھپٹ کر ادھر ادھر — سر گر پڑے شام سے کٹ کر ادھر ادھر
آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر ادھر — ڈھالوں کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر ادھر
جاروب تھی کہ سیف میان مصاف تھی — دریا کی راہ حملۂ اول میں صاف تھی

۱۰۱

تھی تھی جائے امن نہ زیر فلک کہیں — غل تھا کہ مل نہ جائیں سما و سمک کہیں
جنات بے حواس کہیں تھے ملک کہیں — سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے — کڑکی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے

۱۰۲

غل شش جہت میں تھا کہ نہ اس سے دوچار ہو — بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر شعلہ بار ہو
کون اس کے منہ پہ جائے اجل کا شکار ہو — جو ایک ہے وہ دو ہو جو دو ہے وہ چار ہو
بھاگیں کہ ان صفوں کو ہم آراستہ کریں — مہلت جو تیغ دے تو دم آراستہ کریں

۱۰۳

جب سن سے فوج شام پہ وہ شعلہ خو چلی — بس سر کے بل سقر میں سپاہ عدو چلی
شہری بڑھی جھکتی ہوئی چار سو چلی — آئی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی
تیزی یوں ہی زبان سخنور کو چاہیے — پاس آبرو کا صاحب جوہر کو چاہیے

۱۰۴

اب دم نہ لیجیو یہ اجل اس سے کہہ گئی — تیزی لہو کی دشت پر آفت میں بہہ گئی
کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی — بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
غصے میں مثل برق قرار اس نے کم لیا — لاکھوں میں ڈھونڈھ کے آئے مارا تو دم لیا

۱۰۵

چل تیغ کا سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا — جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا — خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
دم بھی نہ وہ غرور نہ وہ خودسری رہی — مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی

۱۰۶

تنہا برش میں جو بڑائی میں قدر میں — تھی اُحد میں خیبر و خندق میں بدر میں
تیزی رہی تھی منہ کی اس آشوب غدر میں — شعلہ سپر سے سر میں گئی سر سے صدر میں
کھینچے ہوئے سپر سے نیا رنگ جنگ تھا — راکب تھا نہ فرس تھا نہ زیں تھا نہ تنگ تھا

۱۰۷

مانند برق تیغ کا سایہ جدھر گرا — بیٹے پہ باپ باپ پہ مر کر پسر گرا
یہ ہاتھ اس طرف تو وہ بازو ادھر گرا — پرکالے اُڑ گئے وہ سپر کے سپر گرا
قبضے میں اب ہے تیغ نہ دستانے ہاتھ میں — کیوں دے دیا ہے ہاتھ کو بیگانے ہاتھ میں

۱۰۸

سرکش ہوا پہ جو تھے وہ سب گرد ہو گئے — سرخی رخوں سے اڑ گئی منہ زرد ہو گئے
دعوائے مردی تھا یہ نامرد ہو گئے — ہنگامہ جن سے گرم تھا وہ سرد ہو گئے
مرنے پہ بھی نصیب کی سوزش نہ جائے گی — اب ناریوں کو آتش دوزخ جلائے گی

۱۰۹
ماری تھی تیغ شاہِ حجازی سے نیزہ باز
دو ہو گئے تھے ہاتھ درازی سے نیزہ باز
پیہم الٹ کے گرتے تھے تازی سے نیزہ باز
باز آئے تھے وہ شعبدہ بازی سے نیزہ باز
یوں جست سے کول دے تھے نیزے سے بدکو
آتش پہ ڈال دے کوئی جیسے سپند کو

۱۱۰
غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری
ترکش کٹا کماں کی کیانی سے زہ گری
برچھی سی اڑ گئی وہ سناں یہ گرہ گری
سر اڑ گیا وہ خود اڑا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

۱۱۱
وہ شام و روم کے قدر انداز بے نظیر
ہر صف میں سہم کے ہوتے تھے گوشہ گیر
سوفار چوکتا تھا نشانوں سے جن کا تیر
چلاتے تھے کہ موت کے حلقے میں ہیں اسیر
پیچھے ستم کر کر کبھی لشکرکشی کریں
سر کاٹ ڈالے گا جو اب سرکشی کریں

۱۱۲
مشاق ساٹھ ساٹھ برس کے وہ تیز دست
بے سر تھے وہ بھی بادۂ نخوت سے جو تھے مست
چلہ نہ کھنچتا تھا انھیں آگے سے دست شست
غارت تھے مثل تیر ہوائی ہوا پرست
ترکش دو نیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے
چلہ نہ ہو کمانوں پہ تو تیر کیا کرے

۱۱۳
وہ شہسوار دوش محمدؐ کی ران باگ
تلوار کیا فرس کو بھی تھی شامیوں سے لاگ
کیا ٹھہرے دھوپ میں کہ وہ سیماب ہے یہ آگ
ایک ایک کو پکار رہا تھا کہ بھاگ بھاگ
زور اس سے چل سکے گا نہ رستم نہ گیو کا
اس پھلتن کی ٹاپ طمانچہ ہے دیو کا

۱۱۴
پھرتا ہے کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
سرعت بلائیں لیتی تھی منہ چوم چوم کے
غل تھا یہ غول میں پسر سعد شوم کے
رخش ایسا روم و رے میں نہیں شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو گردش ایام میں نہیں

۱۱۵
چار آئینہ سے یوں نکل آتی تھی ذوالفقار
چار آئینے تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا نثار
چلمن کے پار ہوتا ہے جیسے نگہ کا تار
ہر دم تھا امتزاج عناصر کو انتشار
اٹھے جہان رن ایسا اگر ایک گھڑی پڑے
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی پڑے

۱۱۶
خود و زرہ وہ دام سے آزاد یہ اسیر
شمشیر جاں ستان و کمند و سناں و تیر
تیر و کمان سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر
بے آب و سر بریدہ و ژولیدہ و حقیر
بے برگ و بار دشمن آل رسولؐ ہیں
اب برچھیوں میں پھل ہیں نہ ڈھالوں میں پھول ہیں

۱۱۷
اس تیغ کے وقار سے کوہ گراں سبک
یہ آگ اور وہ ناریوں کے دست و پا خنک
ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنک
جلتے ہیں بس ہیں دم و دعویٰ کہ اب نہ ڑک
مقتل کے ہر نشیب کو لاشوں سے پاٹ دے
پر جبرئیل کے بھی سپر ہوں تو کاٹ دے

۱۱۸

جب اللہ کے تیغ صفدرِ قدسی شرف گری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری
گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گری
کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
سیفی چلی کہ سیفِ غضب کارزار پر
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر

۱۱۹

اللہ ری شان واہ رے چلے جناب کے
دکھلا دیے وغا میں چلن بوترابؑ کے
خاک اُڑ گئی جدھر گئے گھوڑے کو داب کے
فتراک تھی کہ پر فرسِ لاجواب کے
بجلی جدھر سوار نے پھیری یہ مڑ گیا
اترا براق بن کے پری ہو کے اُڑ گیا

۱۲۰

جم کر صفوں سے یوں فرسِ تند خو اڑا
تلوار جب چلی سرِ مجلس عدو اڑا
گویا ہمائے اوجِ شرف چار سو اُڑا
نکلا دم نہ زخم سے مطلق لہو اُڑا
ہر دم برش بڑھی رہی گھاٹ اس کا نام ہے
اس کو صفائی کہتے ہیں کاٹ اس کا نام ہے

۱۲۱

باطل کو حق سے خیر سے شر کو جدا کیا
یوں کفر و دیں کو تیغ دو سر سے جدا کیا
ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جدا کیا
گویا کلف کو روئے قمر سے جدا کیا
ٹکڑے اڑا دیے دم میں سپاہِ شریر کے
قربان ذوالفقار جنابِ امیرؑ کے

۱۲۲

بخشا ہے کبریا نے اصالت کو کیا وقار
باآبرو کا جوہرِ ذاتی ہے انکسار
تھی سرنگوں اس اوج پہ وہ تیغِ آبدار
داں مدحِ ذوالفقار کی تھی عرش پر پکار
اس عز و اعتلا پہ زباں بھی رکی رہی
پر کیا فروتنی ہے کہ گردن جھکی رہی

۱۲۳

خالص اگر ہے مشک تو بو آشکار ہے
زرگر کی مدح و قدح کا کب اعتبار ہے
چمکے گا آپ وہ جو درِ شاہوار ہے
کہہ دے گی خود محک کہ طلا خوش عیار ہے
بد مغز کو کمال کی دولت خدا نہ دے
خالی ہو جو کہ ظرف وہ کیونکر صدا نہ دے

۱۲۴

اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی
یہ مصطفےٰ کی جان وہ اللہ کا ولی
دستِ حسینؑ پنجۂ مشکل کشا علی
دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم میں ہے جلی
فخرِ مجاہدین پسرِ فاطمہؑ ہوا
حیدر سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا

۱۲۵

ظلمت سے نور نور سے ظلمت جدا ہوئی
دینِ مبیں سے کفر کی بدعت جدا ہوئی
وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جدا ہوئی
ایماں کے راستے سے ضلالت جدا ہوئی
اس دبدبے سے زیر کیا روم و شام کو
حکمِ جہاد پھر نہ ہوا کسی امام کو

۱۲۶

خود سر عدو تھے مثلِ حباب اس کے سامنے
کیا منہ بھلا سے جو تیغ جواب اس کے سامنے
موجِ زرہ تھی نقش برآب اس کے سامنے
بڑھنے کی تھی سپر کو نہ تاب اس کے سامنے
اللہ کا غضب ہے یہ جانے ہوئے تھے سب
لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوئے تھے سب

۱۲۷

اللہ رے تلاطم افواج روسیاہ
حق تھا پناہ دے ہمیں اے آسماں پناہ
گھبراتے تھے پلٹتی نہ تھی بھاگنے کی راہ
امت رسول پاک کی ہوتی ہے اب تباہ
بخشو خطا یہ کام ہے مولا ثواب کا
صدقہ محمدؐ عربی کی جناب کا

۱۲۸

اس شور میں سنا جو رسولؐ خدا کا نام
فرمایا خیر لے گا خدا ان سے انتقام
پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی حسام
عاجز نہیں یہ بیکس و مظلوم و تشنہ کام
کیا چیز سر ہے بات پہ ہم لوگ مرتے ہیں
دیکھو اس اختیار پہ یوں جبر کرتے ہیں

۱۲۹

چرخ و ماہ و انجم و شمس و قمر شہر و دشت و در
اشجار و شاخ و برگ گل و غنچہ و ثمر
سنگ و معادن و صدف و قطرہ و گہر
رکن و مقام و باب و منا زمزم و حجر
جن و ملک ہیں انس ہیں فرمان دہ ہیں
کہہ دیں گے سب کہ ابن علیؑ بے قصور ہیں

۱۳۰

میں کیا لڑوں گا غم سے لہو ہے مرا جگر
بیٹے کے غم میں ٹوٹ گئی ہے مری کمر
آنکھوں کے آگے خاک پہ ہے لاشۂ پسر
سر ہو یہ مرحلہ جو کٹے تن سے جلد سر
حسرت ہے یہ کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
جب ذبح ہوں تو پہلوئے اکبرؑ میں لاش ہو

۱۳۱

بھاگو ملاؤ نیام میں رکھتا ہوں میں حسام
دنیا سے اب غرض ہے نہ کچھ زندگی سے کام
مشتاق قرب حق ہے یہ مظلوم و مستہام
حاضر ہے سر فقیر کا کیا کوچ کیا مقام
بیٹھے نہیں زمیں پہ خزانے کو گاڑ کے
موت آئی اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

۱۳۲

پلٹے یہ سن کے بھاگے ہوئے روسیاہ آہ
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہ آہ
ابر ستم میں گھر گیا زہراؑ کا ماہ آہ
دو لاکھ حربے ایک تن زار آہ آہ
سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے
شبیرؑ سر سے تا بقدم چور ہو گئے

۱۳۳

باندھے تھے چار غول جفا کار رہبر جنگ
نیزوں کے وار ہوتے تھے اک صف سے بیدرنگ
اک صف سے تیغیں چلتی تھیں اور ایک سے خدنگ
چلتے تھے ایک صف سے پیاپے کلوخ و سنگ
زہرا تڑپ رہی تھی نبیؐ ہاتھ ملتے تھے
یہ وار سب نبیؐ کے سینے پہ چلتے تھے

۱۳۴

دو دن وہ آفتاب کی تابندگی وہ بن
روتے تھے چار سو تھی صدا او ستا نہ دن
جھیلوں میں شیر آ چھپے تھے دشت میں ہرن
غل تھا خدا پرستوں کے لاشے ہیں بے کفن
آندھی میں خاک اڑتی تھی گھوڑوں کی جست سے
آواز ہائے ہائے کی آتی تھی دشت سے

۱۳۵

بی بی کوئی پکارتی ہے ہائے میرے لال
زہراؑ کی دونوں بیٹیاں کھولے ہوئے تھیں بال
حیدرؑ کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال
جھکتے تھے زیں سے جب شہ ذیشان زمین پر
غل تھا کہ ہائے گرتا ہے قرآں زمین پر

۱۳۶

جس روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر
آ پہونچا اک مسافر غربت زدہ اِدھر
نکلا تھا گھر سے شوقِ نجف میں وہ خوش سیر
چھوٹے ہوے وطن اُسے گذرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا
مشتاق وہ زیارتِ قبرِ علیؑ کا تھا

۱۳۷

رخ زرد پاؤں سوجے ہوئے جسم پر غبار
ایمان و اعتقاد قوی پر بدن نزار
طاعت گزار نیک عقیدت وفا شعار
نہ راحلہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غم گسار
یہ آرزو کہ گوہرِ بحرِ شرف ملے
چھانوں جہان کی خاک پہ درِ نجف ملے

۱۳۸

سر کو قدم کیے وہ سعیدِ خجستہ پے
دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک دن میں طے
بیماری نہ تھی جو قطع مسافت سے کوئی شے
آساں تھی اس کو دوری شام و عراق و رے
ان جنگلوں میں بادیہ پیما تھا دین کا
گز بن گیا تھا راہِ خدا کی زمین کا

۱۳۹

دیتی تھی اس کو طاقتِ رفتار جب جواب
جھک جھک کے دونوں پاؤں سے کرتا تھا یہ خطاب
لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہِ ثواب
احسان میرے سر پہ تمھارا چلو شتاب
کیا کیا شرف تمھاری بدولت ملے نہیں
کچھ گھر ہیں زیرِ قدم آبلے نہیں

۱۴۰

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک و آہ
پہونچا دے مجھ کو منزلِ مقصد پہ یا الٰہ
سمجھاتے تھے آ کے جو مسافر میانِ راہ
اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ
باری دو ہیں قدم تو سفر ناضرور ہے
کہتا تھا رو کے وہ کہ نجف کتنی دور ہے

۱۴۱

پہونچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اس نے حال
تنہا کھڑا ہے ایک مسافر لہو میں لال
فوجیں ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال
چلتے ہیں تیر پانی کا کرتا ہے جب سوال
ازبسکہ اہلِ درد تھا بیتاب ہو گیا
پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا

۱۴۲

تھم کر جو اس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر
دیکھا ہے کوئی شمس کوئی غیرتِ قمر
بچہ پڑا ہے ایک ستارہ وسا خاک پر
کرتا بھی ہنسلیاں بھی مسلوکا بھی خوں میں تر
سرخی لہو سے حلق کے سیبِ ذقن میں ہے
پاجموں میں سب ہے دودھ انگوٹھا دہن میں ہے

۱۴۳

برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار
آتی ہے پیٹنے کی صدا اس سے بار بار
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی سوگوار
صدقے میں تیرے اے مرے بابا کی یادگار
کاٹا گیا گلا جو ستم سے لعین نے جب تو پانی کو
سمجھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو

۱۴۴

بولا وہ مل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا
لائے کہاں نصیب مجھے وا مصیبتا
بیکس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا
یارب ہوئی ہے اس ترے بندے سے کیا خطا
نیزوں سے صدر چھد گئے تن چور چور ہے
آئی صدائے غیب کہ یہ بے قصور ہے

۱۴۵
کہنے لگا رسول کے وہ ذی قدر و نیک نام
دریا خدا نے خلق کیے بہرِ فیضِ عام
اللہ کس قدر ہے پر آشوب یہ مقام
مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ تشنہ کام
اُن سے بشر ڈرے جنہیں خوفِ خدا نہیں
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

۱۴۶
دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور
واللہ برگزیدۂ حق ہے یہ خوش سیر
مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر
کر لیجیے التماسِ دعا ہاتھ باندھ کر
تیغوں میں اس کے پاس چلو جو خدا کرے
آسان ہوں مشکلیں جو یہ بیکس دعا کرے

۱۴۷
باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ اسیرِ غم
ہاتف نے دی ندا کہ سمجھ کر اُٹھا قدم
لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دم بہ دم
رتبہ میں یہ زمیں ابھی نہیں کچھ نجف سے کم
آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارضِ پاک پر
یہ سب ورق ہیں مصحفِ ناطق کے خاک پر

۱۴۸
آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہِ دیں کے پاس
مولا جواب دے کے یہ بولے بدرد و یاس
کی عرض: السلام علیک اے فلک اساس
آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس
عرض اس نے کی غلام شہِ ذوالفقار ہوں
بیکس ہوں بینوا ہوں غریب الدیار ہوں

۱۴۹
طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی میں نے راہ
ابتک ہے مجھ سے دور درِ منعمِ الٰہ
بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پُر گناہ
غارت کہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی
لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی

۱۵۰
میں وہ ضعیف فوجِ ستم میں رہا اسیر
ہتھیار لے کے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر
مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں یہ شریر
تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر
سر پہ یہی کلاہ یہی اک لباس ہے
پر ہوں غنی کہ دولتِ دیں میرے پاس ہے

۱۵۱
دو صاحبوں کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور
حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر
منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر
جاؤں گا دونوں میں اگر سرنوشت میں
رستے میں موت آئی تو پہونچا بہشت میں

۱۵۲
فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام
اس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام
عرض اس نے کی وہی تو ہے دنیا میں اک مقام
رہتا ہے جس کے عشق میں روتا ہوں صبح و شام
حیدر کے جان و دل ہیں شہِ مشرقین ہیں
صدقے میں اس جگہ کے وہیں تو حسینؑ ہیں

۱۵۳
کیا دن سعید ہوگا میں اس روز کے نثار
جوڑوں گا دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار
جس روز اُن کے گرد پھروں گا میں سات بار
آنکھیں قدم پہ جھک کے ملوں گا بہ انکسار
دنیا ہو اور فاطمہؑ کا نورِ عین ہو
دیکھوں اُسے صحیح و سلامت تو چین ہو

۱۵۴

دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم
امت دغا کرے نہ کہیں مجھ سے ہے یہ غم
اب پنجتن میں ہے تو انھیں کا ہے ایک دم
عزلت گزیں ہے قبر نبی پہ وہ ذی حشم
زندہ ہیں گر حسین تو زندہ ہیں چار دم
یارب اس ایک دم کو عطا کر ہزار دم

۱۵۵

اک میرا شاہزادہ ہے ہم شکل مصطفیٰ
شہرہ ہے جس کی شکل و شمائل کا جا بجا
ماں کا مراد دینے والا پسر ہے وہ مہ لقا
سائے میں شہ کے اس کو سلامت رکھے خدا
اس رشک گل سے دور خزاں کی بلا رہے
یارب علی حسین کا پھولا پھلا رہے

۱۵۶

یہ سن کے آپ آئے مسافر کے متصل
پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آ گلے تو مل
ہاں بھائی سچ ہے صدمۂ فرقت ہے جاں گسل
اس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے
چہرا ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے

۱۵۷

ہاں مدتوں سے ہے یہی نیرنگ روزگار
ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار
ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یار غمگسار
تیری طرح سے نکلے ہیں ہم بھی چھوڑ کر دیار
مشکل کشا مسافر راہ ثواب ہیں
اب دیر کوچ میں نہیں پا در رکاب ہیں

۱۵۸

کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گزر گیا
خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
دنیا سے دوپہر میں مرا گھر کا گھر گیا
بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
بچتی نہیں جب آتی ہے آفت بشر پر
گو شیشہ ہو گر جثے پہ مصیبت پہاڑ ہے

۱۵۹

میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں
جنگل میں موت آئی ہے بستی سے دور ہوں
اک خاکسار بندۂ رب غفور ہوں
عالم ہے اس کی ذات کہ میں بیقصور ہوں
کہنے میں بات آئی ہے پہ کچھ گلا نہیں
دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

۱۶۰

مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب
لے آؤں دوڑ کر مرے مشکیزے میں ہے کچھ آب
کھینچیے زبان خشک کو زہر ہو تر آب
دے ہاتھ سر کو شہ آسماں جناب
اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں
سب پیاسے مر گئے ہیں دو پانی پیوں گا میں

۱۶۱

درکار جو سمجھیے ہو وہ لے بہر کردگار
پیدل اگر ہے تو تو یہ حاضر ہے راہوار
ناقہ بھی لے ترا تو ہے آقا وہ نامدار
سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی قطار
حاضر ہے جان و مال کہ ہے میہمان تو
بھائی ہمارے گھر کو بھی گھر اپنا جان تو

۱۶۲

اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے
موجود راحلہ بھی ہے زاد سفر بھی ہے
مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے
گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے
بیکس ہوں گو کہ آج پہ عالی مقام ہوں
شرماؤ تو کہ میں بھی علی کا غلام ہوں

۱۶۳
آقا ترا جو ہے وہی آقا مرا بھی ہے
جو ہے ولی حق وہی مولا مرا بھی ہے
تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے
بھائی علیؑ کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے
ہاں اہل خیر کنبہ میں تصرف نہ چاہیئے
دنیا میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیئے

۱۶۴
دیکھی جو یہ عنایت سلطان بحر و بر
دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر
رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر
اس حال میں غریب نوازی ہے اس قدر
دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
اب تک سنے ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں

۱۶۵
عرض اس سخی حضور سے بس ہے یہ التجا
پہنچا دے مجکو قبر علیؑ پر مرا خدا
لیجے اٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا
بولانے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا
جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
یارب اسے علیؑ کی زیارت نصیب ہو

۱۶۶
تسلیم اس نے کی تو یہ بولے شہ انام
آتے ہیں آپ درد و مصیبت میں سب کے کام
قبر علیؑ پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام
میں بیکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آ کے لیجیے
ہنگام ذبح گود میں سر آ کے لیجیے

۱۶۷
سنکر بیان شاہ رہی ضبط کی نہ تاب
دل سے کہا کہ اب ہے لب بام آفتاب
آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
بیکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب
احسان کا یہ فرض ہے کہ احسان کیجیے
اب سر علیؑ کے نام پہ قربان کیجیے

۱۶۸
حضرت سے عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام
اب دیجیے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حسام
بس جی چکا بہت یہی مرنے کا ہے مقام
وہ کام چاہیے کہ رہے تا بہ حشر نام
دیندار ہوں نہ ترک رفاقت کروں گا میں
اب مر کے شیر حق کی زیارت کروں گا میں

۱۶۹
زوار جن کا ہوں میں انہیں کی ہے قسم
جلوے دکھا رہا ہے سبھے گلشن ارم
سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑوں گا یہ قدم
حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
پردے اٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے
گردوں سے مرحبا کی صدا مجکو آتی ہے

۱۷۰
گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں ہاں قسم نہ کھا
بچنا مرا محال ہے گر جان دی تو کیا
رستہ ہے یاں سے رات بھر کا نکل کے جا
اے بھائی تو ہے صاحب دختر نہ لے رضا
دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن
بیٹی تری ترے لیے روتی ہے رات دن

۱۷۱
رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دمبدم
مرتی ہے انتظار میں وہ صاحب الم
وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیر غم
ہجراں کشیدہ رنج بلا دو وطن میں ہے
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے

۱۷۲
بیٹی کا ذکر سن کے یہ بولا وہ خوش خصال
آگاہ اس سے کوئی نہیں غیر ذوالجلال
فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال
شاید ہے علم غیب میں بھی آپ کو کمال
مرنے کا علم آپ کو اس بیکسی میں ہے
یہ تو صفت امام میں ہے یا نبی میں ہے

۱۷۳
بتلائیے برائے خدا مجھ کو اپنا نام
بیکس عزیز مردہ اسیر سپاہ شام
فرمایا بے نوا و وطن آوارہ تشنہ کام
عاجز بجور رسیدہ ستم دیدہ مستہام
درد و غم و الم مرے حصے میں آئے ہیں
یہ سب خطاب میں نے یہاں آکے پائے ہیں

۱۷۴
قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک
بتلائیے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک
اظہار اسم اقدس اعلیٰ میں کیا ہے باک
چپ ہو گئے تڑپنے پہ اس کے امام پاک
یہ تو نہیں کہا کہ شہ مشرقین ہوں
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

۱۷۵
سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا بشور و شین
آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نور عین
ہے ہے یہ کیا زباں سے کہا کون سا حسین
بیٹا علی کا سبط شہنشاہ مشرقین
گھر فاطمہ کا لٹ گیا سب اس لڑائی میں
بس اک یہی حسین ہے ساری خدائی میں

۱۷۶
کھینچی ہے تو نے جس کے لیے زحمت سفر
ویراں ہے یثرب و نجف اے مرد خوش سیر
لے بے خبر یہی ہے وہ سلطان بحر و بر
شب سے یہاں نبی و علی ہیں برہنہ سر
زینب یہ ہے جو ڈیوڑھی پہ جاں اپنی کھو رہی
زہرا تو ساتویں سے اسی بن میں رو رہی

۱۷۷
احوال وطن سے جبکہ مفصل سنا یہ حال
اٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال
غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
یہ کیا قیامت آگئی اے فاطمہ کے لال
کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت کے بن میں ہیں
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں

۱۷۸
مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو
اب دیجیے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو
خوبی مرے نصیب کی یا شاہ نیک خو
مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو
للہ چشم پاک کو اب نم نہ کیجیے
اب اس غلام زادے کا کچھ غم نہ کیجیے

۱۷۹
شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پدر
میں کیا مکان کیا مرا باشاہ بحر و بر
کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
جب بے سبب جہاں میں لٹے فاطمہ کا گھر
بستی ہو آج درہم و برہم تو خوب ہے
اٹھے تمام دفتر عالم تو خوب ہے

۱۸۰
روکا بہت مگر کہیں رکتا تھا وہ دلیر
سیر جناں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر
تلوار لے کے فوج پہ جھپٹا مثال شیر
ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
دم بھر رہا تھا عشق شہ مشرقین کے
نعرہ تھا دم بہ دم کہ تصدق حسین کے

۱۸۱

کٹتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ
مرشد علیؑ امام علیؑ رہنما علیؑ
بدر الدجیٰ حسینؑ ہیں شمس الضحیٰ علیؑ
کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ
عازم ہوں سیرِ گلشن دار السلام کا
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا

۱۸۲

اس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی جب سپاہِ شام
زخمی تھے خود پہ اس کے سرہانے گئے امام
دھرتی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
گودی میں لے کے زانو پہ رکھا سرِ غلام
رو رو کے پکارتے تھے یہ اس خوش نصیب کو
اے بھائی جان چھوڑ چلے اس غریب کو

۱۸۳

اے میری بیکسی کے مددگار الوداع
اے بے وطن کے یار وفادار الوداع
اے تشنہ لب حسینؑ کے غمخوار الوداع
اے شیرِ ذوالجلال کے زوار الوداع
جو خوش نصیب ہیں یوں ہی جنت کو جاتے ہیں
گھبرائیو نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں

۱۸۴

فرما کے یہ حسینؑ تو روتے تھے زار زار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دل فگار
ہنستا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہ ذی وقار
اے نورِ چشمِ احمدِ مرسل ترے نثار
جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
مشتاق جن کا تھا انہیں دیکھا غلام نے

۱۸۵

بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام
دستِ علیؑ میں چشمۂ کوثر کے ہیں جام
فرزند کہہ کے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
فرماتے ہیں کہ پی لے اگر تو ہے تشنہ کام
ناجی ہے دوست دار مرے نورِ عین کا
حصہ ترا یہ ہے تو وہ حصہ حسینؑ کا

۱۸۶

حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا
اب جنت النعیم میں ہوگا گذر ترا
نامِ نکو قلم نے لکھا عرش پر ترا
ہمسایۂ رسولِ خدا میں ہے گھر ترا
حوریں ہیں باغِ خلد میں خدمت کے واسطے
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے

۱۸۷

رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کر وہ تشنہ لب
کی عرض اس نے اے خلفِ سید العرب
فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
تنہائی حضور کا صدمہ ہے دل پہ اب
رخصت جو تن سے روح کی ہے بیقرار ہوں
مہلت جو دے اجل تو پھر اٹھ کر نثار ہوں

۱۸۸

مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا
منہ ڈھانپ دیجیے شہِ عالی ہمم مرا
اب کوچ جلد ہے سوئے ملکِ عدم مرا
پڑھیے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کیا وقت بیکسی ہے ہمارے حضور پر
کس سے کہوں کہ لاش کو دوار سے حضور پر

۱۸۹

یہ کہتے کہتے آہ وہ زوار مر گیا
شیدائے نامِ حیدرِ کرار مر گیا
بیکس کا بے وطن کا مددگار مر گیا
شبیرؑ روتے رہ گئے غمخوار مر گیا
لاشے سے اٹھ کے جا نہ سکے خیمہ گاہ میں
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں

۱۹۰
بس کیا کہوں اے مومنو کہ سینہ پہ کیا ہوا
ترپے حسینؑ شور قیامت بپا ہوا
برباد خانۂ ابنِ رسولِ خدا ہوا
سجدے میں تن سے فرق مبارک جدا ہوا
پرخوں قبائے سیدِ لولاک لٹ گئی
عریاں حسینؑ رہ گئے پوشاک لٹ گئی

سلام

۱
گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے
زر دشتی کی حقیقت کیا طلا کے سامنے

۲
فاصلہ کیا ادھر جو بچے آ اُدھر داخل ہوئے
کربلا جنت کے جنت کربلا کے سامنے

۳
جسم کو اک دن فنا کر دیں گے جھونکے آہ کے
بات کیا ہے خاک اڑا دینا ہوا کے سامنے

۴
پردہ پوشِ عاصیاں ہے ان کا دامانِ نجیب
کیا گنہ کا ڈھانپنا آلِ عبا کے سامنے

۵
کہتے تھے حضرت علی اکبر کا مرنا ہے غضب
ہم نہ دنیا سے گئے اس دلربا کے سامنے

۶
جب سکینہؑ کی زباں میں پیاس کے کانٹے پڑے
سر جھکا کر مشک لے آئی چچا کے سامنے

۷
فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے

۸
ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے شرمائی ہے برق
ابرِ نیساں تر ہے زہراؑ کی ردا کے سامنے

۹
خوف کیا ہے بہرِ پرسش آئیں گے منکر نکیر
بندۂ حیدرؑ ہوں کہہ دوں گا خدا کے سامنے

۱۰
خستہ دل حل ہوں گے مشکل گھبراتا ہے کیوں
کیا گرہ کا کھولنا مشکل کشا کے سامنے

۱۱
کہتے تھے قیدی سے عابدؑ چادرِ زینبؑ نہ چھین
ہاتھ باندھے جائیں گے مشکل کشا کے سامنے

۱۲
یاد رکھ ظالم پریشاں ہوگا تو بس حشر کا
فاطمہؑ جب بال کھولے گی خدا کے سامنے

۱۳
وصل پیری میں ہوس دنیا کی توبہ کر انیس
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

تمام شد

رباعی

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا
یارو کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جس پاس
آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

مرثیہ ۱

جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں
قتل آمد سرور کا ہوا اہلِ جفا میں
کوئی نہ رہا شہ کے عزیز و رفقا میں
بڑھنے لگیں لشکر کی صفیں دشتِ وغا میں
تھا حکم کہ کوئی نہ کوئی تیغ کمر سے
لڑنا ہے ابھی فاتحِ خیبر کے پسر سے

۲

اب معرکہ آرائے وغا ہوئے گا وہ شیر
عالم کے زبردستوں کو کر دے گا وہی زیر
قبضے میں ہے جس کے اسد اللہ کی شمشیر
ہشیار خبردار کہ آنے میں نہیں دیر
تنہا نہ سمجھنا خلفِ شاہِ نجف کو
ہووے گا جو برہم تو الٹ دے گا وہ صف کو

۳

غیظِ پسرِ فاطمہؑ ہے قہرِ الٰہی
آج اپنی شہادت جو نہ اس غازی نے پائی
صابر کو جلال آیا تو پھر آئی تباہی
اک حملے میں بے سر ہیں یہ دو لاکھ سپاہی
بربادیِ امت اسے منظور نہیں ہے
مختارِ دو عالم ہے وہ مجبور نہیں ہے

۴

فرزند وہ اس کا ہے جو تھا قاتلِ کفار
شبیرؑ بھی اقلیمِ شجاعت کا ہے مختار
خیبر میں چلی لاکھوں پہ جس شیر کی تلوار
ہے زور وہی اور وہی تیغِ شرربار
دنیا میں کوئی اس پہ ظفر پا نہیں سکتا
ہو سارا جہاں ایک تو در آ نہیں سکتا

۵

گو تین شب و روز سے لب تشنہ ہے شبیرؑ
اک بولا کہ مظلوم ہے وہ بیکس و دلگیر
دکھلائے گا پر فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر
طاقت یہ کہاں اتنی کہ اب کھینچ سکے شمشیر
بازو تو شکستہ ہے برادر کے الم میں
ٹکڑے ہے کلیجہ علی اکبرؑ کے الم میں

۶

فرزند کو جس وقت سے برچھی لگی کاری
جب ڈھونڈھتے تھے لاش کو باگریہ و زاری
اس وقت سے اک ضعف ہے شبیرؑ پہ طاری
دیکھا تھا کہ ریتی پہ گرے تھے کئی باری
احوال یہ تھا ضعف سے فرزند علیؑ کا
لاشہ نہ اٹھایا گیا ہم شکل نبیؐ کا

۷

جب تیر لگا تھا علیؑ اصغر کے گلے پر
کمزور تھا ایسا پسرِ فاتحِ خیبر
جوں بید کھڑے کانپتے تھے ضعف سے سرور
ہاتھوں سے گری پڑتی تھی لاشِ علی اصغر
اس وقت عجب حال سے تھراتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ تیورا کے ٹھہر جاتے تھے شبیرؑ

۸

قتلِ پسرِ فاطمہؑ اب کچھ نہیں دشوار
کیا لاکھوں سے بر آئے گا وہ بیکس و ناچار
ہمراہ نہ اکبرؑ ہے نہ بھائی علمدار
جس کا نہ کوئی یار نہ مونس نہ مددگار
زخمی ہے جگر سبطِ رسولؐ مدنی کا
اب بازوؤں میں زور کہاں تیغ زنی کا

۹

ہاں تیروں کو چلوں سے کمانوں کے ملا دو
باقی ہے لڑائی یہی اب جان لڑا دو
اور چوکیاں دریا پہ سواروں کی بٹھا دو
دنیا سے محمدؐ کی نشانی کو مٹا دو
سب ٹوٹ پڑو دل سے اگر طالبِ زر ہو
شبیرؑ ہو بے سر تو مہمِ جنگ کی سر ہو

۱۰

اب جنگ میں کوشش کرو جانیں نہ چھپاؤ
مقتل میں لو سبطِ پیمبرؐ کا بچاؤ
شبیرؐ کی آمد ہے پرے جلد جماؤ
حاکم کی خوشی کے لیے زہراؐ کو رلاؤ
شمشیر سے کاٹو سرِ فرزندِ نبیؐ کو
گل کر دو چراغِ محمد مرتضوی کو

۱۱

جب رن کو بصد آمد ہوئے شاہنشہِ عالم
پوچھا عمرِ سعد نے کیا شور ہے اس دم
دوڑا یہ خبر کرنے کو لشکر میں اک اظلم
وہ بولا کہ ڈیوڑھی پہ ہے اک حشر کا ماتم
سمجھاتے ہیں شہ گھر میں نہیں جاتی ہیں رانڈیں
سر کھولے ہوئے پیچھے چلی آتی ہیں رانڈیں

۱۲

گھوڑے کی طرف بڑھتے ہیں جب سبطِ پیمبرؐ
اور چھوٹی سی اک لڑکی ہے پیٹتے ہوئے گو اسپر
سیدانیاں قدموں سے لپٹ جاتی ہیں آکر
ہاتھوں سے نہیں چھوڑتی وہ دامنِ سرور
بہلاتے ہیں گودی میں کبھی لے [illegible]
رخصت وہ مچلتی ہے تو رو دیتے ہیں شبیرؐ

۱۳

شہ کہتے تھے ماں پاس رہو ہم بھی ہیں آتے
وہ کہتی ہے جی ڈرتا ہے اب پانی منگاتے
تم پیاسی ہو ہم پانی کے لینے کو ہیں جاتے
پانی ہی اگر لاتے تو عباس نہ لاتے
بس اب نہ کرو ضد لاؤ میں بہت رو چکی بابا
ہم کو تو پانی کے لیے کھو چکی بابا

۱۴

بہلا کے لیے گھوڑے پہ جب چڑھنے لگے شاہ
حسرت سے ادھر اور ادھر دیکھ کے کی آہ
کوئی نہ تھا جو تھامے رکابِ شہِ ذی جاہ
خیمے سے عیاں ایک ضعیفہ ہوئی ناگاہ
زہراؐ سے دکھی شان بزرگی میں وہ کم تھی
سر بال پریشاں تھے کمر ضعف سے خم تھی

۱۵

چلاتی تھی اس طرح وہ گردوں کی ستائی
افسوس ہے کس وقت میں ہوتی ہے جدائی
ٹھہرو کہ میں لینے کو رکاب آتی ہوں بھائی
مرنے کو چلے آپ مجھے موت نہ آئی
صدمہ عجب اس دم ہے شہِ جن و بشر کو
راہوار بھی روتا ہے جھکائے ہوئے سر کو

۱۶

اس بی بی نے جب پکڑی رکابِ شہِ ابرار
لپٹی ہوئی گردن سے وہ کہتی تھی یہ ناچار
جب فاطمہؐ کا لال ہوا گھوڑے پہ اسوار
اے گھوڑے محمدؐ کے نواسے سے خبردار
یہ وقت رفاقت پہ مصیبت کی گھڑی ہے
اسوار ترا ایک دو دن بھوکا ہے

۱۷

جاسوس نے جس وقت کہا ماجرا سارا
اک بار لشکر یہ لعینوں نے پکارا
ہونے لگے میدان میں صف آرا ستم آرا
ہشیار کہ آیا اسد اللہ کا پیارا
ہے آج محمدؐ کے نواسے سے لڑائی
دریا سے نہ ہٹنا کہ ہے پیاسہ ترائی

۱۸

ناگاہ ہوئے سرورِ ذی جاہ نمودار
اک نورِ الٰہی تھا سرِ راہ نمودار
گویا کہ ہوئی قدرتِ اللہ نمودار
سب کہتے تھے ہوتا نہیں یوں ماہ نمودار
کس دبدبے سے شام کے لشکر پہ چلے تھے
گویا کہ علیؑ غزوۂ خیبر پہ چلے تھے

۱۹

تھی فتح و ظفر پکڑے رکابِ شہِ ابرار
آنکھوں سے لگاتے تھے ملائک سمِ رہوار
اقبال جو خادم تھا تو نصرت تھی نمودار
اور فاطمہؑ کی روح تھی بیٹے کی جلودار
پہلو میں نواسے کے نبیؐ خاک بسر تھے
پر کھولے ہوئے حضرت جبریلؑ سپر تھے

۲۰

چہرے سے ہویدا تھا جلالِ اسد اللہ
رحمت تھی نبیؐ کی تو جلالِ اسد اللہ!!
بے مثل تھے عالم میں مثالِ اسد اللہ
موجود تھے سب وصف کمالِ اسد اللہ
غربت بھی سخاوت بھی مروت بھی ادب بھی
صولت بھی شجاعت بھی ترحم بھی غضب بھی

۲۱

پیشانیِ روشن سے تجلی نورِ رخِ بدر
رخ تھا سحرِ عید تو گیسو تھے شبِ قدر
تھا مصدرِ الہام خدائے دو جہاں صدر
سو اس پہ چلے تیر یہ امت نے کیا غدر
زخمی کیا وہ سینہ ہر اک دشمنِ دیں نے
تیر ایک طرف پاؤں دھرا شمرِ لعیں نے

۲۲

ابرو کی کمانوں کی رہے قدر نہ ہے نشان
ہر گوشہ پہ جن کے ہے دلِ فاطمہؑ قربان
محرابِ عبادت تھی پئے صاحبِ ایمان
کافر کے لیے تیغِ ہلالی سرِ میدان
جوہر سا ہر ایک مو نے سیہ پیشِ نگہ ہے
تلوار کی آنکھوں پہ شجاعوں کی جگہ ہے

۲۳

وہ دیدۂ حق بیں مئے وحدت سے ہیں سرشار
دلدادۂ طاعت جو خدا کی رہے بیدار
ہے عین خطا کہیے اگر نرگسِ بیمار
آنکھوں کو چراتے ہیں وہاں آہوئے تاتار
وہ نورِ خدا دیکھتے ہیں شام و سحر میں
دنیا کی سپیدی و سیاہی ہے نظر میں

۲۴

وہ ریشِ مطہر وہ رخِ حضرتِ شبیرؑ
تھی سورۂ واللیل پہ والفجر کی تفسیر
وہ مصحفِ رخسار تھے حرفِ زبر و زیر
جدول کے عوض اس پہ کھنچے تھے خطِ شمشیر
سیپارہ تھا ہر جزو پہ اوراق تھا تن کا
شیرازہ کھلا جاتا تھا اجزائے بدن کا

۲۵

وہ لب کہ جو شیریں ہیں تھے قند سے بہتر
چوما تھا جنہیں احمدِ مرسل نے مکرر
یاقوت کا کیا رتبہ جو ہو ان کے برابر
خاتونِ قیامت کا یہ لعل اور وہ پتھر
وہ حمدِ الٰہی کا سزاوار کہاں ہے
ہو سرخ پہ شیرینیِ گفتار کہاں ہے

۲۶

یہ لب لبِ کوثر ہے لبِ نہرِ لبن ہے
بیاں کب دہنِ نطق کو یارائے سخن ہے
دانتوں کو کہوں گر کہ ہر اک دُرِ عدن ہے
گتھی ہے طبیعت کہ یہ مضمون کٹھن ہے
ہے پارۂ الماس نہ گوہر انھیں کہیے
شہ کو فلکِ حسن تو اختر انھیں کہیے

۲۷

اوصاف بیاں ہو نہیں سکتے ہیں زباں سے
ہے کام اسے حمدِ خدائے دو جہاں سے
اعجاز ہے عیسیٰؑ کا عیاں اس کے بیاں سے
برگِ گلِ تر لائے نزاکت یہ کہاں سے
بے آبی سے اب حال بہت تنگ ہوا ہے
کانٹے ہیں پڑے پیاس سے یہ رنگ ہوا ہے

۲۸

بازو ہیں کہ شاخِ شجرِ حسن و ضیا ہیں
ساعد نہیں آئینۂ انوارِ خدا ہیں
دونوں جو کفِ دست ہیں دریائے عطا ہیں
اور انگلیاں مانندِ علیؑ عقدہ کشا ہیں
شرمندگی ہے بدر کو ناخن کی یہ ضو ہے
اک اس کا تراشہ ہوا ناخن مہِ نو ہے

۲۹

کیا لوح سے سینے کی قلم لکھ سکے اوصاف
مہتاب سے روشن ہے تو آئینے سے شفاف
کینے سے سدا پاک کدورت سے سدا صاف
ہے خانۂ عدل و کرم و بخشش و الطاف
گنجینۂ اسرارِ خدا اس میں دھرا ہے
قرآں کی طرح علمِ الٰہی سے بھرا ہے

۳۰

فاقوں میں بھی شکوے کا زباں پر نہیں مذکور
کھانے سے شکم خالی ہے اور تیر سے معمور
سنگِ ستم و جور سے ہے شیشۂ دل چور
زخمِ دلِ اکبرؑ سے کلیجے میں ہے ناسور
سب جان علی اکبرؑ جو ہوا تیرِ ستم سے
مانندِ کماں خم ہے کمر بارِ الم سے

۳۱

کیا وصفِ ثباتِ قدمِ پاک کروں سر
ہو کوہ نہ ثابت قدمی میں کبھی ہمسر
ٹلتے نہیں جوں شمع اگر تن سے کٹے سر
ہو جاتے ہیں سرکش یہاں پامال سراسر
گر چرخ پہ نقشِ قدمِ سرورِ دیں ہو
گردوں ابھی ساکن صفتِ روئے زمیں ہو

۳۲

خود نور ہیں اور نور کی ہے جسم میں پوشاک
عمامہ یداللہ کا ہے زیبِ سرِ پاک
ہے جسم میں کیا ٹھیک قبائے شہِ لولاک
ہے گوشۂ فردوسِ بریں جس کا ہر اک چاک
جیسا ہے بدن ویسی ہی پاکیزہ قبا ہے
یہ جامہ اسی تن کے لیے قطع ہوا ہے

۳۳

ہے سایۂ حق خود سرِ سرورِ عالی
اور شوقِ شہادت سے ہے رخساروں پہ لالی
یہ سوچ کے مولا نے زرہ تن پہ نہ ڈالی
زخمِ تبر و تیر کی جاگہ رہے خالی
اک برق سی شمشیر فقط زیبِ کمر ہے
ہے دستِ علیؑ پشت کے اوپر یہ سپر ہے

۳۴

وہ وقتِ زوال اور وہ میدان تب و تاب
سایہ نہ ٹھہرنے کو نہ پینے کو کہیں آب
منہ خشک حرارت سے جگر سینے میں بیتاب
نے یار نہ ہمدرد نہ غمخوار نہ احباب
حسرت سے جدھر دیکھا ستمگر نظر آئے
برچھیاں کہیں چمکے کہیں خنجر نظر آئے

۳۵

صدقے تھی غریبی تو فدا بیکسی و یاس
سب دور تھے اس وقت جو رہتے تھے سدا پاس
قاسمؑ کہیں اکبرؑ تھے کہیں اور کہیں عباسؑ
وہ دھوپ وہ بھوک اور کئی روز کی وہ پیاس
ہر جانب دریا نہ نظر کرتے تھے شبیرؑ
خشکیدہ زباں شکر سے تر کرتے تھے شبیرؑ

۳۶

روتے تھے کبھی دیکھ کے لاشِ علی اکبرؑ
تکتے تھے بصد یاس کبھی لاشۂ اصغرؑ
جب دیکھتے تھے لاشۂ عباسؑ دلاور
کہتے تھے کمر تھام کے تب ہائے برادر
سب باغ تو پامال ہوا تین پہر میں
اب آپ ہیں اور داغ بہتر ہیں جگر میں

۳۷
سینے میں تڑپتا ہے جو دل صورت بسمل
دشواری سے کٹتی ہے ذرا عشق کی منزل
فرماتے ہیں یہ صبر کا ہنگام ہے اے دل
گھبرا کے کر آسان ہوئی جاتی ہے مشکل
گویا دو مددگار ہر اک مجھ سے جدا ہے
بیکس نہ ہراساں ہو کہ بیکس کا خدا ہے

۳۸
کوئی نہیں ہوتا ہے برے وقت میں یاور
جز سایۂ الطاف خدا کون ہے سر پر
جاتے ہیں کہاں اب ہیں کہاں ابن علی اکبر
سب چھوڑ گئے ساتھ ہے بیکسی مرا داور
جب حلق پہ تیغ جفا ہوئے گا میرا
اس دم بھی مرے سر پہ خدا ہوئے گا میرا

۳۹
بس اتنے میں حضرت پہ ہوا زغۂ کفار
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہ ابرار
تیروں کی تن پاک پہ پڑنے لگی بوچھار
جتلاؤ کہ میں کون ہوں اے قوم جفاکار
زخموں میں جسے بستر ہو جامہ ہے یہ کس کا
تلوار یہ کس کی ہے عمامہ ہے یہ کس کا

۴۰
اعدا نے کہا ہم نہیں پہچانتے ہیں خوب
ہے آج مگر قتل تمہارا ہمیں مطلوب
ہو اس کے نواسے کہ خدا کا ہے جو محبوب
بچنے کے نہیں تم کسی صورت کسی اسلوب
کچھ فاطمہ کے رونے کا وسواس نہیں ہے
ملبوس نبی کا ہمیں کچھ پاس نہیں ہے

۴۱
حضرت نے کہا حق کے غضب سے نہیں ڈرتے
شہ نے کہا ماؤں پہ صدمے ہیں گذرتے
وہ بولے کہ ہاں خوف خدا بھی نہیں کرتے
پانی دو کہ بچے ہیں مرے پیاس سے مرتے
سب نے کہا پانی سے نہ سیراب کریں گے
معصوم اگر تشنہ علی اصغر مریں گے

۴۲
فرمانے لگے رو کے یہ ملعونوں سے حضرت
سید ہوں نبی زادہ ہوں دو اتنی اجازت
منظور نہیں آج ہے گر میری شہادت
ناموس کو میں سوئے مدینہ کروں رخصت
عزت رہے ناموس رسول عربی کی
برباد نہ ہوں بیٹیاں زہرا و علی کی

۴۳
گر ہوں تو میں حاکم کا تمہارے ہوں گنہگار
زہرا سے نہیں رہتے ہیں کم زینب ناچار
وہ بیکس و مجبور ہیں کیا ان سے سروکار
واللہ وہ کرتی ہے مجھے ماں کی طرح پیار
دیکھا نہیں جائے گا مرا قتل بہن سے
وہ نکلی تو زہرا نکل آئے گی کفن سے

۴۴
اعدا نے کہا واہ یہ باطل ہے گفتار
سر ننگے پھر آئیں گے حرم کو سر بازار
روئیں کسے پھر جائے اگر حضرت اطہار
چادر سر زینب پہ نہ ہم چھوڑیں گے زنہار
کیا پائیں گے سر آپ کا گر ہاتھ لگے گا
ناموس کو لوٹیں گے تو زر ہاتھ لگے گا

۴۵
سن کر یہ سخن شہ کی جبیں پر عرق آیا
منہ کر کے سوئے عالم بالا یہ سنایا
فرمانے لگا حیدر کرار کا جایا
باقی کوئی حجت نہ رہی بار خدایا
مجبور کیے ہیں یہ فرزند نبی کو
اب میں بھی علم کرتا ہوں شمشیر علی کو

۴۶

فرمائے یہ کی سمت سے علم تیغ شرر ریز
غیظ شہ عالم ہوا رہوار کو مہمیز
ہیبت سے لرزنے لگا میدان بلاخیز
چالاک تھا صرصر سے تو بجلی سے کہیں تیز
غل تھا کوئی کیا روکے گا اس تیغ دو سر کو
سر کو کہ جلال آیا محمدؐ کے پسر کو

۴۷

جھک کر ہوے اس طرح رجز خوان شہ ذی قدر
بابا ہے مرا فاتح جنگ احد و بدر
اس تیغ سے کاٹوں گا ہزاروں کے سر و صدر
مانا ہے وہ انگشت سے شق جس نے کیا بدر
میں بھی اسد حق کی طرح قلعہ کشا ہوں
جوہر مرے دیکھو کہ میں شمشیر خدا ہوں

۴۸

ہرچند کہ تم لاکھوں ہو اور میں تن تنہا
کیا لطف ہے اک پیاسے کو گر تیروں سے مارا
اور تین شب و روز کا بھوکا ہوں میں پیاسا
نکلے جسے تم سب میں شجاعت کا ہو دعوےٰ
جرأت کو بھی ہمت کو بھی غیرت کو بھی دیکھے
اور فاطمہؑ کے دودھ کی طاقت کو بھی دیکھے

۴۹

لکھا ہے ادھر تھا بن عتبہ کوئی سردار
اور چار ہزار اہل ستم کا تھا وہ سالار
مرحب کی طرح سرکش و زور آور و جرّار
شمشیر تھی اس کی دم اژدر دم پیکار
کینہ تھا اسے سبط رسول عربی سے
مارا گیا تھا اس کا پدر دست علیؑ سے

۵۰

کس غیظ سے آیا سر میدان وہ ستمگر
جوں دیدۂ افعی تھے عیاں خود کے ا ہر
ڈوبا ہوا فولاد کے دریا میں سراسر
سرخ آنکھیں بھرا غیظ میں لہو دیو سا خود سر
فولادی سپر دوش پہ چار آئینہ بر میں
اک تیغ کھنچی ہاتھ میں اک تیغ کمر میں

۵۱

اسپ دور کا بہ بھی قوی ہیکل و چالاک
زنجیروں سے باندھے کہ فرس کو سفاک
نیزوں کو دھرے دوش پہ مرکب سے غضبناک
ابرو پہ شکن سے گرہ خود سر و بیباک
دو سو تھے زرہ پوش ستمگر کی جلو میں
اور بیکس تھی سبط پیمبر کے جلو میں

۵۲

گھوڑے سے یہ بولا پسر شاہ ولایت
ہاتھوں سے کہا آج دکھا دو ہمیں طاقت
فاقے پہ تو فاقہ ہے یہ ہے وقت رفاقت
قدموں سے کہا بڑھ کے نہ ہٹنا کسی صورت
ہم ہوں گے نہ دنیا میں یہ انصاف رہے گا
اس جنگ کا غل قاف سے تا قاف رہے گا

۵۳

گھوڑے نے کہا جان ہے جب تک ہوں ہمراہ
ہاتھوں سے صدا آئی کہ اے فاطمہؑ کے ماہ
طاقت ہے کہ تو پشت پہ ہے اے شہ ذی جاہ
ہم قوت خیبر شکنی رکھتے ہیں واللہ
قدموں نے کہا سر پہ جو آرے بھی چلیں گے
وہ کوہ گراں ہیں کہ کبھی ہم نہ ٹلیں گے

۵۴

اتنے میں وہ نزدیک شہ بحر و بر آیا
اللہ کا دریائے غضب جوش پہ آیا
اس وقت تو غصے میں علیؑ کا پسر آیا
رہوار بھی اک برق مجسم نظر آیا
شمشیر علیؑ میان سے باہر نکل آئی
اعجاز سے خود تیغ دو پیکر نکل آئی

۵۵
نعرہ کیا جو شہ نے ہلا گنبدِ دوّار
ہیبت سے ہوئے شیر گریزاں سوئے کہسار
طبقاتِ زمیں کو تزلزل ہوا اک بار
فرمایا کہ ہاں وار کر او ظالمِ غدّار
گو فاقے سے ہوں زخمی ہوں اور تشنہ جگر ہوں
سبقت نہ کروں گا کہ میں حیدر کا پسر ہوں

۵۶
یہ سنتے ہی بس تول کے نیزے کو وہ گمراہ
پہونچی تھی سناں متصلِ سینہ کہ ناگاہ
اس طنطنہ سے آیا کہ العظمۃ للہ
ترچھی چلی یوں جا عقبِ شمشیرِ یداللہ
اس سیف کا تھا وار کہ بجلی کی دعا تھی
اک اک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی

۵۷
قبضے میں کماں لے کے بہ شتاب وہ جفاکار
تاکا تھا نشانہ کہ پکارے شہِ ابرار
چلّے سے پہ تعجیل ملایا لبِ سوفار
ہاں میں بھی جگر گوشۂ حیدر ہوں خبردار
یہ کہتے ہی چمکا فرسِ گرم عناں کو
نیزے سے اڑا لے گئے جوں تیر کماں کو

۵۸
شمشیر کو پھر کھینچ کے اڑنے لگا ناری
اس عاشقِ باری پہ یہ غصہ ہوا طاری
حضرت کی سپر سے ہوئی تلوار بھی عاری
فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
اس پھرتی سے اس ظالمِ پُر کینہ پہ آئے
جس طرح کہ شہبازِ اجل صید پہ آئے

۵۹
دہنی طرف اس شامی نے گھوڑے کو اڑایا
تیغِ دو زباں کو شہِ عالم نے اٹھایا
حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
سر تک وہ سپر ہاتھ سے لانے بھی نہ پایا
اس طرح چمک کر یہ چلی فرقِ لعیں پر
سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر

۶۰
سر پہ جو پڑی دو ہوئے خود و سر و گردن
جوشن سے جو اتری تو لیا زین کا دامن
گردن سے گئی تا بہ کمر کاٹ کے جوشن
دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا توسن
قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دیں میں
اور تا سرِ دنبالہ در آئی وہ زمیں میں

۶۱
فرزندِ محمدؐ نے کیا نعرۂ تکبیر
تھا شور کہ زہراؑ کے یہ ہے دودھ کی تاثیر
تھرانے لگا خوف سے سب لشکرِ بے پیر
دیکھی تھی نہ ضرب ایسی نہ اس طرح کی شمشیر
قبضے میں اسی تیغِ دو پیکر کے قضا ہے
اس ضرب کو اعجاز جو کہیے تو بجا ہے

۶۲
لشکر کے نمودار کو حضرت نے جو مارا
اعدا پہ چلا خود اسد اللہ کا پیارا
لاکھوں میں نکلنے کا نہ تھا ایک کو یارا
کرنے لگیں روحیں قفسِ تن سے کنارا
ہر وار میں دونی تھی برش تیغِ دو دم میں
جس صف پہ جھکے شاہ فنا ہو گئی دم میں

۶۳
کامل تھی زبس بحرِ شجاعت میں وہ تلوار
جو کوئی قریب آیا رجز خواں دمِ پیکار
شل الفِ وصل گرے جاتے تھے کفار
سالم تھا تو بے فاصلہ رکن اس کے ہوئے چار
کیا اڑتے کہ سکتہ تھا ہر اک اہلِ حسد کو
تقطیع کیا تیغ نے ہر مصرعۂ قد کو

۶۴
ہر چند ردیف ایک کا تھا ایک ستمگر
تھے رو بہ قفا و قب و ناسب وہ بد اختر
یوں قافیہ پیچھے تھی مگر تیغ وہ چیں کر
ہو سکتا نہ تھا تیغ اجل سے کوئی سر بر
تن جس کا جلا تا رہا تیغ دو سر سے
وصل اس کا رہا تا بہ ابد تار سفر سے

۶۵
بجلی کی طرح کوندتا تھا فوج میں رہوار
پے کہنے کی کیا کیا تگ و دو کرتے تھے کفار
قطرات عرق جسم پہ تھے اختر سیار
اس تک نہ پہونچ سکتا تھا پر وہم خطا کار
مانند تصور کبھی یاں تھا کبھی واں تھا
آنکھوں میں تو پھرتا تھا پہ نظروں سے نہاں تھا

۶۶
پانی روش سبزہ ہوئے جاتے تھے پامال
رہ زند و تھے ذرے پہ سیہ کاروں کا تھا حال
سر گرد ہے تھے برگ خزاں دیدہ کی تمثال
تھا شور کہ سر سبز ہوا نالۂ کا لال
شمشیر کے پھل سے ثمر تازہ لے تھے
اعدا پہ خزاں تھی پہ گل زخم کھلے تھے

۶۷
گرتی تھی چمک کر جو حسام شہ ذی شان
سکان سماوات بھی تھے ششدر و حیران
تھی گاو زمیں زیر زمیں خوف سے لرزاں
جنات میں غل تھا کہ نہیں بچنے کی اب جاں
اللہ بچائے طبق ارض و سما کو
آج آیا ہے غصہ پسر شیر خدا کو

۶۸
دیتے تھے ثمر کی دو ہائی جو ستمگار
آئی یہ صدا احمد مختار کی اک بار
کیا رحم ہے تم جانتے تھے اس دم شہ ابرار
میں تیری شجاعت کے فدا اے مرے دلدار
جانباز کوئی تجھ سا زمانے میں کہاں ہو
خود آج ثنا خوان ترا رب دو جہاں ہو

۶۹
اب روک لے شمشیر کو اے میرے گل اندام
پیاسے ہو کئی دن کے شہادت کا پیو جام
لازم ہے ترحم کہ یہ بیٹے ہیں مرا نام
تا ہوئے گنہگاروں کی بخشش کا سر انجام
بیٹھو تو شمشیر پہ مرضی خدا ہے
اے عاشق صادق دم تسلیم و رضا ہے

۷۰
سن کر یہ صدا شہ نے رکھی میان میں تلوار
بندے کو ہے خوشنودی مولا سے سروکار
کی عرض کہ امت پہ فدا ہے مرا گھر بار
کرتا ہوں وفا منہ سے کیا تھا جو کچھ اقرار
امید ہے جب حلق تہ تیغ جفا ہو
پیشانی کو سجدے میں ہو اور لب پہ دعا ہو

۷۱
زینب وہ یہ چلا کے اس وقت پکاری
وقفہ نہ کرو بھاگ چلی فوج تو ساری
کیوں روک لی تلوار بہن ہو گئی واری
پھر آ کے کہیں گھیر نہ لے لشکر ناری
عرصہ نہیں ہے تیغ لڑائی کوئی دم کو
صدقے گئی دم لینے نہ دو فوج ستم کو

۷۲
کو نانے سے جو اور کئی دن کے ہو پیاسے
ماں کیسی پدر کیسا ہے کس کے ہو نواسے
یہ ارث شجاعت ہے کہیں شیر خدا سے
لو خون عزیزاں کا عوض اہل جفا سے
جن لوگوں نے اکبر کو مرے قتل کیا ہے
تم کرتے ہو رحم ان پہ غضب کی یہ جا ہے

۷۳

یہ وہ ہیں کہ برباد کیا فاطمہ کا گھر
عباس کو پانی کے لیے خوں میں کیا تر
یہ وہ ہیں کہ دولھا کو جنھوں نے کیا بے سر
مجروح کیا تیر سے حلقِ علی اصغر
برچھی مرے اکبر کو لگائی ہے انھیں نے
تصویر محمد کی مٹائی ہے انھیں نے

۷۴

فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ابرار
اک حملہ میں چاہوں تو فنا ہوں یہ خطاکار
دیتے ہیں محمد کی دہائی یہ ستمگار
نانا کا گریباں ہے اے خواہرِ غم خوار
تدبیر اسد اللہ دکھایا نہیں جاتا
اب ہاتھ تو امت پہ اٹھایا نہیں جاتا

۷۵

حیدر کی شجاعت تو بہن میں نے دکھائی
غربت بھی تو میراث میں حیدر کی ہے پائی
زندوں کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
مظلومی بھی حق کو تو دکھائے یہ خدائی
غل حوروں سے رونے کا ہے میدانِ ستم میں
سر کھولے ہوئے آتی ہیں اماں کوئی دم میں

۷۶

اعدا نے سنی جب شہِ والا کی یہ تقریر
پھر آن کے جھنسا ے مقابل ہوئے بے پیر
ثابت ہوا اب جنگ نہیں کرنے کے شبیر
بے خوف لگانے لگے تیغ و تبر و تیر
شہ کھاتے تھے تلواریں روتی جاتی تھی زینب
ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینب

۷۷

چلاتی تھی لوگو مرے بھائی کو نہ مارو
للہ مجھے فاطمہ کے لال پہ وارو
شبیر کے بدلے مرا سر تن سے اتارو
شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہے مری یارو
ٹھہرو ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے
او جھل مجھے ہو لینے دو زینب کی نظر سے

۷۸

صف باندھ کے یاں کر لو تمہیں بچے کا پردا
واں ذبح کرو سے جہاں عباس کا لاشا
یا گھیرے ہوئے لے چلو بجانب دریا
تا دیکھے نہ سر کٹتے ہوئے دخترِ زہرا
صدمہ نہیں دنیا میں جدائی کے برابر
شبیر کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر

۷۹

حضرت کی کوئی بات نہ سنتے تھے وہ اظلم
سر ضعف سے ہرنے پہ جھکا جاتا تھا اس دم
جب تنِ اقدس پہ لگے جاتے تھے پیہم
جلتے تھے لب حل تھا یہ پیاس کا عالم
زخمی بھی سراپا ہیں حرارت بھی غضب ہے
ہر وار پہ زخموں سے پانی کی طلب ہے

۸۰

وہ گرم ہوا ایسی کی وہ تشنہ دہانی
حلقے کے شمشیر برکف ظلم کے بانی
پھنکتے تھے اور منہ سے نکل جاتا تھا پانی
ہر ایک دل آزار ہر اک دشمنِ جانی
طاری تھا جو غش دوشِ محمد کے مکیں پر
جھک جھک کے سنبھل جاتے تھے خانۂ زیں پر

۸۱

لکھا ہے کہ جس روز تھا یہ سانحہ درپیش
کیا دیکھتا ہے آنکھ اٹھا کر وہ جگر ریش
وارد ہوا اس دشتِ بلا میں کوئی درویش
اک زخمی کو گھیرے ہوئے ہیں لاکھ جفا کیش
بیکس پہ ہیں شمشیر پہ شمشیر لگاتے
یہ کہتا ہے پانی دو وہ ہیں تیر لگاتے

۸۲

بے ساختہ رو رو کے لگا کہنے وہ دیندار
اس طرح کا ہوگا نہ کوئی بیکس و ناچار
کس دکھ میں یہ بندہ ہے ترا اے مرے غفار
پانی بھی پلاتے نہیں ایسا ہے گنہگار
یہ ظلم و ستم کون سے مذہب میں روا ہے
کیوں قتل اسے کرتے ہیں کیا اس کی خطا ہے

۸۳

کافر کو بھی پانی تو پلاتے ہیں مسلماں
بیکس ہے یہ چہرے سے شرافت ہے نمایاں
یہ تو ترا بندہ ہے کوئی صاحبِ ایماں
ہیں سوکھے ہوئے ہونٹ ترسے وہ کرم خنداں
زخمی اسے کرتے ہیں عدو تیغ و سناں سے
جز شکر نکلتا نہیں کچھ اس کی زباں سے

۸۴

کیا صبر ہے اس طرح کا صابر نہیں دیکھا
ثابت قدم ایسا دمِ آخر نہیں دیکھا
کیا شکر ہے اس طرح کا شاکر نہیں دیکھا
آوارہ وطن ایسا مسافر نہیں دیکھا
کیا ظلم نہیں کون سی بیداد نہیں ہے
کچھ اس کو ترے نام سوا یاد نہیں ہے

۸۵

ایسے بھی ترے بندہ مقبول ہیں مولا
جب تیغِ ستم آتی ہے سر دیتے ہیں خوڑا
گھر لٹنے کا غم جن کو نہ سر کٹنے کا دھڑکا
اُف کرتے نہیں سینے پہ جب لگتا ہے نیزا
چہرے پہ بشاشت ہے کہ ہنگامِ اجل ہے
ہنسنے کو یہ سمجھے ہیں کہ یہ زیست کا پھل ہے

۸۶

یہ کہہ کے بصد درد بہت رویا وہ غمگیں
ساغر لیے ہاتھوں پہ گیا پیشِ شہِ دیں
اور شکر سے سیراب کیا کاسۂ چوبیں
کی عرض اسے پی لو کہ تا دل کو ہو تسکیں
یہ دکھ نہیں پڑتا کسی محتاج و غنی پر
دل ہوتا ہے ٹکڑے تری تشنہ دہنی پر

۸۷

اے بندۂ بیکس ترا کیا جرم ہے بتلا
کیا تو نے عزیزوں کو ہے ان لوگوں کے مارا
بے وجہ کوئی قتل کسی کو نہیں کرتا
کلمے یہ وہی ہیں جو پڑھے ہیں لبِ دریا
مارا جو انھیں تو نے تو افسوس کی جا ہے
مردہ ہے کوئی ان میں کوئی ماہ لقا ہے

۸۸

دریا کی ترائی میں جو سوتا ہے یہ مہرو
یہ تازہ جواں خوں میں بھرے جس کے ہیں گیسو
کر کے قلم اپنے جری کے کوئی بازو
مارا اسے کیا صاحبِ اولاد نہ تھا تو
وہ لاشہ جو سناں کھائے یہ روتا ہے زمیں پر
کچھ رحم نہ آیا تجھے اس ماہ جبیں پر

۸۹

پھر دیکھ کے وہ لاشۂ اصغرؑ یہ پکارا
اک بچے کا کس طرح ہوا قتل گوارا
وہ سب تو بڑے ہوں گے جو تو نے انھیں مارا
کیا ہوئے گا حال اس کا یہ جس ماں کا ہے پیارا
جس وقت یہ دنیا سے سفر کر گیا ہوگا
جیتا رہا ہوگا کہ یہ دم مر گیا ہوگا

۹۰

درویش کے سنکر یہ سخن رونے لگے شاہ
فرمایا کہ تو حال سے میرے نہیں آگاہ
مقتل کی زمیں ہل گئی اس درد سے کی آہ
کیا اپنی مصیبت کہوں اے بندۂ اللہ
سب میرے یگانے ہیں یہ جن کا تجھے غم ہے
یہ باغ مرا ہے کہ جو تیغوں سے قلم ہے

۹۱
بے دست ہے جو نہر پہ وہ ہے مرا بھائی
یہ شبر کے سینے پہ سناں جس نے ہے کھائی
ٹوٹی ہے کمر اس سے ہوئی جب سے جدائی
عمر باپ کی اٹھارہ برس کی ہے کمائی
وہ طفل جو رہتی پہ ستارہ سا پڑا ہے
چھوٹا ہے یہ بیٹا پہ الم اس کا بڑا ہے

۹۲
ناحق مرے پیاروں پہ چلی ظلم کی شمشیر
بے جرم مرے قتل پہ آمادہ ہوا ہے بے پیر
سب قتل ہوئے باقی ہوں میں بیکس و دلگیر
کرتا ہوں ہدایت انہیں یہ ہے مری تقصیر
جہان پہ کسی نے ستم ایسا بھی کیا ہے
دو روز سے پانی نہیں پینے کو دیا ہے

۹۳
اے شخص تجھے رحم مرے حال پہ آیا
اجر اس کا خدا دے کہ بڑا رنج اٹھایا
اس وقت میں پانی تو مرے واسطے لایا
پانی مرے بچوں میں کسی نے نہیں پایا
اب خاک میں سوتے ہیں جو پانی سے بھرے ہوں
کیونکر وہ پیئے جس کے پسر پیاسے مرے ہوں

۹۴
دنیا میں مجھے پانی کے پینے سے ہے انکار
جنت کے لیے پانی کا اُن سے ہوں طلبگار
واللہ میں ہوں کوثر و تسنیم کا مختار
احساں مجھے منظور کسی کا نہیں زنہار
حیدر کی طرح تارکِ دنیائے دنی ہیں
ظاہر میں ہیں مفلس مگر دل کے غنی ہیں

۹۵
مشکل کوئی تجھ پر ہو تو آساں ابھی کر دیں
ہیں دل کے غنی سر کا جو سائل ہو تو سر دیں
اس جام کو تو کہہ تو زر و مال سے بھر دیں
ہم وہ ہیں کہ قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیں
حق میں کبھی دشمن کے دعا بد نہیں کرتے
فاقوں میں سوال [illegible] رد نہیں کرتے

۹۶
درویش سے یہ کہہ کے لیا پانی کا ساغر
دل پیاسی سکینہؑ کے لیے ہو گیا مضطر
تکنے لگے حسرت سے سوئے لاشۂ اصغر
دیکھا طرف خیمہ کئی مرتبہ مڑ کر
آنکھوں سے بہے اشک رخ سرورِ دیں پر
اس پانی کو بس پھینک دیا روکے زمیں پر

۹۷
پھر دستِ گدا میں وہ دیا کاسہ خالی
اللہ رے اعجاز کفِ سرورِ عالی
اور خاک اٹھا تھوڑی سی اس جام میں ڈالی
لبریز تھے اس کاسے میں یاقوت و لآلی
حیرت ہوئی درویش کو اس لطف و کرم پر
بس گر پڑا وہ دوڑ کے حضرت کے قدم پر

۹۸
کہتا تھا یہ آنکھوں سے لگا کر قدم شاہ
ہیں آپ وصی پاک ہیں پیغمبر ذی جاہ
بولا مجھے نام اپنا بتا دیجیے للہ
کیا قوم ہے کس جا ہے وطن کیجیے آگاہ
بندے نے کسی میں یہ کرامت نہیں دیکھی
واللہ یہ ہمت یہ سخاوت نہیں دیکھی

۹۹
حضرت نے کہا نام سے میرے تجھے کیا کام
بیکس ہوں مسافر ہوں نہ راحت ہے نہ آرام
مظلوم مرا نام ہے سید ہے مرا نام
دنیا سے کوئی دم میں سفر کا ہے سرانجام
غربت کی جگہ منزلِ دنیائے دنی ہے
گھر قبر کا گوشہ ہے وطن بے وطنی ہے

۱۰۰

کیا پوچھتا ہے قوم! نبی کا ہوں میں نواسا
اور وہ ہے کہتے ہیں جسے حضرت زہراؑ
اور مولد و مسکن ہے مرا یثرب و بطحا
بیٹا ہوں میں حیدرؑ سے شہ عقدہ کشا کا
ان میں سے ہر اک گلشن جنت کا مکیں ہے
مظلوم ہوں اب سر پہ مرے کوئی نہیں ہے

۱۰۱

کہنے لگا سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ دیندار
آقا تمہیں بندے نے نہ پہچانا تھا زنہار
ہیں آپ حسینؑ ابن علیؑ یا شہ ابرار
شہزادۂ کونین اور اس دکھ میں گرفتار
تلوار مجھے دیجیے کہ جنگ ان سے کروں میں
حضرت کے عوض تیغ و سناں کھا کے مروں میں

۱۰۲

فرمانے لگے رو رو کے یہ سرورِ ذی جاہ
تو قتل ہو منظور نہیں ہے مجھے واللہ
ہم اس پہ فدا ہیں جو ہمارا ہے ہوا خواہ
لے راہِ وطن جلد کہ ہم بھی ہیں سرِ راہ
ہرگز نہ فراموش یہ احسان کریں گے
ہم قبر میں مشکل تری آسان کریں گے

۱۰۳

راضی ہو خدا تجھ سے کہ ہم تجھ سے ہوئے شاد
پر جو یہ مصیبت پیاس ہماری یہ رہے یاد
تربت پہ کریں گے شب اول تری امداد
بے کس کی غربت پہ صدا آئے گی فریاد
روئے گا مری پیاس پہ جو رنج سہا ہیں
کہنے لگا اے خالق اکبر شہدا ہیں

۱۰۴

فرمانے یہ حضرت سے وہ رخصت ہوا ناچار
دیکھا کہ تڑپتا ہے تہِ تیغ شہ ابرار
میدان سے وہ نکلا تھا کہ پھر غل ہوا اک بار
اور کاٹنے لے جاتا ہے سر شمر ستمگار
مارا مرے بھائی کو یہ چلاتی ہے زینبؑ
سر پیٹتی پیچھے سے چلی آتی ہے زینبؑ

۱۰۵

زہراؑ کی صدا ہے کہ گئی میری کمائی
پانی کی مرے لال نے اک بوند نہ پائی
مارا گیا شبیرؑ محمدؐ کی دہائی
بے بھائی ہوئی بن بھائی کی زینبؑ مری جائی
دنیا مرے شبیرؑ سے خالی ہوئی ہے ہے
بانو تری بیوہ ہوئی [illegible] ہے ہے

۱۰۶

ہے وقتِ دعا عاشقِ انیسؔ اب تو دعا کر
ان تعزیہ داروں پہ تو الطاف عطا کر
جو حاجتیں ان لوگوں کی ہیں آن کو روا کر
مقروض جو مومن ہوں تو قرض ان کا ادا کر
محتاج نہ ہوں تیرے سوا اور کسی کے
اور حشر میں ہوں ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کے

رباعی

بالوں پہ غبار شیب ظاہر اب ہے
پیدا ہے سپیدی سحر پیری کی
ہشیار انیسؔ کوس فراق اب ہے
اب خواب سے چونک رات آخر شب ہے

رباعی

درد و الم حیات کیونکر گزرے
مرنے کا تو دن گزر گیا شکر انیسؔ
یہ چند دم حیات کیونکر گزرے
اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گزرے

مرثیہ

رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں
لب ہیں فروغ پر ہے زباں اپنے کام میں
ہے سربسر حدیث حسن اس کلام میں
گویا کہ ذوالفقار علیؑ ہے نیام میں
دعویٰ نہیں غرور زباں آوری نہیں
جوہر تو لاکھ ہیں پہ کوئی جوہری نہیں

۲

ہر جا ہے ملک نظم میں نظم و نسق مرا
ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا
کہتے ہیں انتظام جسے ہے وہ حق مرا
برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہووے سبق مرا
پانی کبھی نہیں یہ حلاوت نبات میں
مضمون تو ٹپک رہے ہیں بات بات میں

۳

فوج سخن میں شقہ کشا ہے علم مرا
ڈنکا بجے جہاں میں نہ کیوں دم بدم مرا
پڑتا ہے سب سے مدح میں بڑھ کر قدم مرا
ہے معرکے میں رستم دستاں قلم مرا
لکھتا جو کھینچتا ہے صف کارزار کا
خامہ دکھا رہا ہے چلن ذوالفقار کا

۴

ہے گوہر محیط فصاحت سخن مرا
ہے مدح خوانیِ گل زہرا چلن مرا
گویا ہے موتیوں کا خزانہ دہن مرا
محفوظ ہے جہاں میں خزاں سے چمن مرا
بلبل نے ایسے نغمۂ رنگیں سنے نہیں
داماں میں ہیں وہ گل جو کسی نے چنے نہیں

۵

مقبول ہے کلام فصاحت نشاں مرا
شہرہ زمیں سے کیوں نہ ہو تا آسماں مرا
ہے بادشاہ کون و مکاں قدرداں مرا
بلبل وہ ہوں کہ عرش پہ ہے آشیاں مرا
مداحیِ حسینؑ سے حسن قبول ہے
یہ رتبہ غلامیِ آل رسولؐ ہے

۶

ہاں اے کمیت خامۂ رنگیں طراز بس
اے شہسوار طبع فصاحت نواز بس
یہ شوخیاں یہ چالاکی یہ ترک تاز بس
اے یکہ تاز صحبت عجز و نیاز بس
جاتا ہے کیوں فلک پہ طرارے کیے ہوئے
آداب کا مقام ہے باگیں لیے ہوئے

۷

نور خدا کی مدح بشر کی ہے کیا مجال
اوصاف آل میں فصحا کی زباں ہے لال
پہونچا کبھی نہ جبرئیل ملک کا جہاں خیال
ناقص کو یاں اگر وہی چاہے تو دے کمال
برسوں لکھیں تو وصف ائمہ بیاں نہ ہو
ہر مو کے تن زباں ہو تو شمہ بیاں نہ ہو

۸

کیوں کر بیاں ہو شوکت و شان پیمبری
طاقت یہ کس میں ہے جو لکھے زور حیدری
عاجز ہیں یاں فرزدق و حسان و .... تیری
دوڑے کمیت خامہ تو کھائے سکندری
قرآں میں جن کا وصف کرے خود خدا کرے
طرس زباں سے .... بشر اُن کی ثنا کرے

۹

قصر ثنائے آل محمدؐ بہت ہے دور
بس اے زباں یہ چرب زبانی ہے کیا ضرور
کرتا ہے دم میں ذہن رسا سو جگہ قصور
ہے بے نیاز ذہن و قصاریٰ سے شمع طور
بے مثل و بے نظیر ہیں اور بے عدیل ہیں
کافی ہے یہ کہ نور خدائے جلیل ہیں

۱۰
کیا وصف کر سکے کوئی ایسا بیاں کہاں
ظاہر ہو سلسبیل سے ایسی زباں کہاں
ذرہ کہاں وہ مہر تجلی نشاں کہاں
نسبت ہے کیا زمیں کو کہاں آسماں کہاں
خاک پنجتن کے شرف بے قیاس ہیں
پانچوں حواس آپ یہاں بے حواس ہیں

۱۱
بینا ہوئی جو چشم تو نور خدا کہا
عقدہ کھلا تو عقل نے مشکل کشا کہا
مطلب ہوا حصول تو حاجت روا کہا
پایا دُرِ مراد تو بحر سخا کہا
ہم خوش ہوئے کہ مدح کے دریا بہا دیے
کیا بڑھ گیا جو بحر میں قطرے ملا دیے

۱۲
یوسف کے حسن سے انہیں گر دیجیے مثال
وہ ماہتاب اور یہ خورشید بے زوال
سرسبز ہر طرح ہے رسولِ خدا کی آل
ہے شہرۂ ملاحت محبوب ذوالجلال
یوسف سا ماہ تھا کوئی زیر فلک نہ تھا
پر کیا مزہ جو حسن میں اُن کے نمک نہ تھا

۱۳
باقی رہے بس آپ سے تشبیہ مہر و ماہ
رخ ایک کا ہے زرد تو ہے ایک کا سیاہ
لغزش یہاں خطا ہے تعلی یہاں گناہ
ہشیار اے قدم کہ دمِ تیغ پر ہے راہ
یاں کیا کہا نہ جائے گا کیا کیا نہ کہہ گئے
سالک ہزارہا اسی منزل میں رہ گئے

۱۴
غافل ہو درود سے ہاں اے زبانِ پاک
دکھلا دے فیض چشمۂ کوثر دہانِ پاک
قرباں ہے جانِ احمدِ مرسل پہ جانِ پاک
جھکتا ہے عرش دیکھ کے وہ آستانِ پاک
کاتب زباں کو لوح پہ گر بے محل چلے
سجدے کی جا ہے کیوں نہ قلم سر کے بل چلے

۱۵
شبیرؑ سا جہاں میں نہیں دُرِ شاہوار
نانا محمدؐ عربی فخرِ روزگار
بابا سرِ جہاں کے لیے تاجِ افتخار
مادر جنابِ فاطمہؑ زہرا سی ذی وقار
نکلا یہ نور نورِ رسالت مآب سے
جس طرح کوئی عطر نکالے گلاب سے

۱۶
آئینۂ جلالتِ محبوبِ ذوالجلال
تصویرِ شوکتِ اسدِ حق دمِ جدال
خلقِ حسن تو عصمتِ زہرا سے خوش خصال
کیا گل تھا جس سے باغِ دو عالم ہوا نہال
دنیا ہو یا بہشت ہو فیض اُن کا عام ہے
طوبیٰ اسی نہال کے سایہ کا نام ہے

۱۷
ممکن نہیں ہے مثل ترا اے سپہرِ جود
ہے شکل ممتنع قسم واجب الوجود
کیا امرِ صدق میں ہے بھلا حاجتِ شہود
ایسے بشر کی مدح کرے کیا بجز درود
دشوار ہے مثال تو ہے بے مثال کی
ساحل تلک نہ پہونچے گی کشتی خیال کی

۱۸
کہف الوری امام امم محسن التقا
مصباحِ دیں سراجِ مبیں ہادیِ الہدیٰ
فیاضِ آبِ کوثر و ساقی اولیا
نورِ خدا امینِ خدا حجتِ خدا
الفت میں بلبلوں کے جگر داغ داغ ہیں
آٹھوں بہشت تیری محبت کے باغ ہیں

[illegible]

۱۹

قرباں ترے نام کے اے وارثِ خلیلؑ
حاجت روائے فطرس و مولائے جبرئیلؑ
صدقے ترے جلال کے اے سید جلیل
ہے ملتجی حضور سے یہ بندۂ ذلیل
مولا قسم ہے آپ کو خیر الانام کی
لیجیے گا قبر میں خبر آ کر غلام کی

۲۰

اندیشۂ فشار سے ضغطے میں ہے یہ جاں
سختی سے آشنا نہیں ابتک یہ استخواں
نکلے دماغ پاؤں کے ناخن سے الاماں
آقا بچایئے گا مرا جسمِ ناتواں
ہوگی اگر زباں کو طاقت کلام کی
چلاؤں گا میں خود کرو ہائی امام کی

۲۱ مطلع دوم

عطرِ گلِ حدیقۂ ایماں حسینؑ ہے
زانو نبی کا رحل تو قرآں حسینؑ ہے
تازہ ہو جس سے روح وہ ریحاں حسینؑ ہے
پانی ملا نہ جس کو وہ عطشاں حسینؑ ہے
تھا جس گلے کا نور فزوں ماہتاب سے
وہ خشک حلق تر ہوا خنجر کی آب سے

۲۲

سید کی کون سی تھی خطا کیا گناہ آہ
شمشیر و بوسہ گاہِ رسالت پناہ آہ
دو لاکھ اہلِ ظلم اور اک بے سپاہ آہ
زانوئے شمر و سینۂ شبیرؑ آہ آہ
صحرائے کربلا میں ہوا کیا بری چلی
فاقہ تھا تیسرا کہ گلے پر چھری چلی

۲۳

عاشور کو جو لٹنے لگا فاطمہؑ کا باغ
جانِ علیؑ کو سوزِ الم سے نہ تھا فراغ
تاریک ہو گئے کئی گھر گل ہوئے چراغ
دل لخت لخت تھا تو کلیجہ تھا داغ داغ
ہوتا تھا جو نثار قدم پر امام کے
رہ جاتے تھے حسینؑ کلیجے کو تھام کے

۲۴

یعقوبؑ سے چھٹا تھا جو پیری میں ایک لال
یاں دو پہر میں ہو گیا سب باغ پائمال
مشہور ہے فراق میں جو کچھ ہوا تھا حال
تیغوں سے کٹ گیا علی اکبرؑ سا نونہال
شکوہ نہ بخت کا نہ فلک کا گلا کیا
لاشہ پسر کا دیکھ کے شکرِ خدا کیا

۲۵ مطلع سوم

سولہ پہر حسینؑ کو گذرے جو پیاس میں
شکرِ خدا تھا لب پہ اس اندوہ و یاس میں
طاقت نہ تھی کلام کی اس حق شناس میں
اللہ رے صبر فرق نہ تھا کچھ حواس میں
سب گھر لٹا دیا فقط اتنی سی بات پر
مولا نثار تیرے قدم کے ثبات پر

۲۶

ایوبؑ نے سنا بھی نہ ہوگا کبھی یہ صبر
تڑپے نہ مثلِ برق نہ روئے مثالِ ابر
اک جان لاکھ درد تھے اک دل ہزار جبر
غربت میں اپنے ہاتھوں سے کھودی پسر کی قبر
دیکھا جو منہ سے دودھ اگلتے صغیر کو
اپنے جگر سے کھینچ لیا آپ تیر کو

۲۷

امت نے کی نبیؐ کے نواسے کی کچھ نہ قدر
آشوب ایسا چشم نے دیکھا کبھی نہ غدر
باران تیر ظلم کہاں اور کہاں وہ صدر
بدلی میں فوج شام کی تھا فاطمہؑ کا بدر
باران تیر کیں تھا جو اٹھی پھری ہوئی
تھی چار سمت دشت میں بدلی گھری ہوئی

٢٨

وہ فوج وہ سیاہی ... صحرائے لق و دق
ترکوں میں تھا مرقع نہ زہرا کا ہر ورق
گرمی وہ روزِ جنگ کی وہ پیاس کا قلق
کوئی نہ تھا حسینؑ کے سر پر سوائے حق
تھا سب پہ اوج دوشِ نبیؐ کے سوار کو
تولے ہوئے تھے شیرِ علیؑ ذوالفقار کو

٢٩

معلوم کچھ نہ ہوتی تھی سو دو پہر کی پیاس
شیروں کو وقتِ مرگ بھی ہوتا نہیں ہراس
شوکت وہی تھی اور وہی تیور وہی حواس
کیا رعب سے بھری ہوئی تھی چشمِ حق شناس
ابرو کے خم کو دیکھ کے تیغیں بھی کٹ گئیں
بجلی اُدھر چلی کہ صفیں واں الٹ گئیں

٣٠

تھا غنچہ سے جو چہرۂ اقدس کا رنگ لال
اللہ رے جوشِ جرأتِ سرور زہے جلال
غل تھا کہ سرخ روز ازل سے ہے رنگِ لال
بل کھا رہے ہیں دوش پہ زلفِ رسا کے بال
بجلی جو کوند جاتی ہے چہرے کے نور سے
حوریں نثار ہوتی ہیں ہنس ہنس کے دور سے

٣١

دو دن وہ پیاس اور وہ گرمی کی دوپہر
دستِ فرو سے پھٹتی تھیں پتلیاں بھی سر
تیزی تھی دھوپ میں کہ جلی جاتی تھی نظر
تھے تر بتر پسینے میں سلطانِ بحر و بر
قطرے عرق کے دیکھ کے روئے جناب پر
غل تھا پڑی ہے اوس گلِ آفتاب پر

٣٢

مژگاں کی صف دراز وہ اور ابرؤوں کے خم
ہر دم سے تھا اشارۂ چشمِ شہِ امم
پلکیں بھی ہاتھ تیغ پہ رکھتی تھیں دم بدم
محبوبِ کردگار کے ہیں نورِ عین ہم
روشن تھا رخ سوادِ خطِ مشکبار میں
تھا فرق بال بھر کا طلب اور نثار میں

٣٣

جناتِ عدن ہے رخِ شاہنشہِ زمن
وہ لعل لب کہ بات میں دیں حاصلِ یمن
ہے سلسبیل چشم تو کوثر ہے یہ دہن
دنداں وہ جن کے سامنے ادنیٰ دُرِ عدن
کیا ذکر رخ کا اور خطِ عنبر سرشت کا
پہلو ملا ہوا ہے نجف سے بہشت کا

٣٤

ریشِ سیاہ روئے دل آرام ایک جا
ہیں موسیٰؑ و مسیحؑ خوش انجام ایک جا
قدرت خدا کی ہے سحر و شام ایک جا
رکن و مقام کعبہ و اسلام ایک جا
لاریب فیہ مصحفِ ناطق کے آئے ہیں
رخسارِ پاک ہاتھوں پہ قرآن اٹھائے ہیں

٣٥

گوہر نثار اخترِ دنداں کے نور پر
صدقے ہزار جاں لبِ پاکِ حضور پر
احسن ہے صاف جن کی چمک برقِ طور پر
گویا دھرے ہیں لعلِ یمن دستِ نور پر
ناظم نے جن لبوں کو جواہر رقم کیا
اس لعلِ لب پہ سنگ لگائے ستم کیا

٣٦

جو تازگی میں ہوں گلِ تر سے زیادہ تر
اپنی زباں چساتے تھے جن کو سید البشرؐ
دو روز تک وہ پانی کو ترسیں کئی پہر
وہ لعل لب کہ جن پہ ہدف تیرِ بد گہر
دریا پہ تشنہ کام شہِ نیک نام ہے
پانی کی پھر جہاں میں خاک آبرو ہے

۳۷

الماس میں کہاں دُرِ دنداں کی برق و شرق
خود آب شرم میں گہرِ بے بہا ہیں غرق
لب مسکرا کے گوہرِ یکتا دکھاتے ہیں

تاروں میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق
ضو ہے کہ بات بات میں یاں کوندتی ہے برق
مرجان دُرِ نجف کی مسیحا دکھاتے ہیں

۳۸

تاآسمان ہے چہرۂ شاہِ امم کا نور
سرتاج آسمان و زمیں ہے قدم کا نور
عکسِ رخِ جناب سے سب فیض یاب ہیں

کونین میں محیط ہے ابرِ کرم کا نور
دیکھا ہے یہ کسی نے کسی ایک دم کا نور
ذرے چمک کے کہتے ہیں ہم آفتاب ہیں

۳۹

کعبہ ہے روئے اقدسِ فرزندِ بوتراب
کس آئینہ میں ہے یہ صفائی یہ آب و تاب
پہلے ثنائے چاہِ ذقن کو رقم کریں

ہیں ہفت شوط پنجتنی کو یہاں ثواب
طاقِ حرم ہے ابروئے شاہِ فلک جناب
زمزم سے غسل کر کے طوافِ حرم کریں

۴۰

معراجِ مصطفیٰ کی ہے شب زلفِ عنبریں
سجدے کے بھی نشاں پہ ستارے کا ہے یقیں
ابرو بھی ہیں جھکے ہوئے راز و نیاز میں

ہے صبحِ عید پر تو آئینۂ جبیں
صادق ہیں ہیں صبح کے ہونے میں شک نہیں
بیشک دو رکعتیں ہیں سحر کی نماز میں

۴۱

رکتا ہے دم گلے کی ثنا کیا کروں میں آہ
سردارِ خلق شمعِ شبستانِ عز و جاہ
خنجر سے وہ گلوئے مبارک جو کٹ گیا

نورِ بیاضِ حسن محمد کی بوسہ گاہ
تھا جس کی روشنی سے خجل نورِ مہر و ماہ
حیرت ہے کیوں ورق نہ زمیں کا الٹ گیا

۴۲

دو دوش ہیں شفاعتِ امت کا جن پہ بار
گوری کلائیوں کی صفائی پہ میں نثار
پہونچا خیال بات کھلی تھی جلی ہوئی

بازوئے بابِ دیں ہیں یہ بازوئے استوار
قانونِ آئیں سے تجلی ہے آشکار
سانچے میں نور کے ہیں یہ شمعیں ڈھلی ہوئی

۴۳

ہاتھوں کو یاد آیا ہے زورِ یداللّٰہی
ہرچند بازوؤں میں وہ طاقت نہیں رہی
فتح و ظفر کو پنجے کے مروڑ لیتے ہیں

خندق میں جو ہوئے خوں انھیں ہاتھوں سے تھی بھی
خیبر سا در اگر کوئی ہوئے تو پھر سہی
ناخن ہوں یہ نہ ہوں یا گرہ کھول دیتیاں

۴۴

قرآن ہے سینۂ خلفِ سیدِ انام
قرآنِ حق ہے اس کی بزرگی میں کیا کلام
دل اس طرح ہے سینۂ شاہِ شہید میں

صندوقِ علم صبر کا گھر حلم کا مقام
لازم ہے سب کو مصحفِ ایماں کا احترام
یٰسین جس طرح ہے کلامِ مجید میں

۴۵

انصاف کا مقام ہے اسے چرخِ بے مدار
محبوبِ کبریا کا دل اور برچھیوں کے وار
گرمی میں دن بچانے جسے تن کی بھاپ سے

وہ صدرِ پاک ظلم کے تیروں سے ہو فگار
سینہ خدا کے نور کا اور پائے جگہ دار
وہ پسلیاں شکستہ ہوں گھوڑوں کی ٹاپ سے

۴۶

زہرا قمیص زخم پنہائے بعد تلاش
تیغوں کے پھل سے اس کا بدن ہوئے پاش پاش
تا پھول سے بدن کو نہ پہونچے کہیں خراش
تار بیس پڑی رہے جنگل میں اس کی لاش
گردن جو قبلہ رو تھی رہِ بے نیاز میں
ظاہر یہ تھا کہ ذبح ہوئے ہیں نماز میں

۴۷

بے وارثوں کے مردے تو قبریں جہاں میں پائیں
وہ دشت ہولناک جو کرتا تھا سائیں سائیں
اور لاشۂ حسینؑ درندوں میں چھوڑ جائیں!!
آفت تھی بہر حفظ جو شیر خدا نہ آئیں
سایہ کسی طرح کا بجز آسماں نہ تھا
سید کی لاش کا بھی کوئی پاسباں نہ تھا

۴۸

ٹوٹا ہوا ہے بارِ الم سے کمر کا بند
پیشِ نظر ہے لاشۂ فرزندِ ارجمند
غم ہے یہ صورت سرو تو قامت بلند
صدمہ جگر پہ تن پہ تعب روح پر گزند
کیا غم نہیں ہے کون سا رنج و الم نہیں
صدمے یہ ہیں پہ کیسیت کے باہر قدم نہیں

۴۹ (مطلع چہارم)

جب رن میں فوج شام کے کالے علم بڑھے
فرما کے یہ ادھر سے امامِ امم بڑھے
تیغوں کو تول تول کے اہلِ ستم بڑھے
اے سرکشانِ شام خبردار ہم بڑھے
قوت تمہیں دکھاتے ہیں اس جسمِ زار کی
لو کوندتی ہے برقِ غضب ذوالفقار کی

۵۰

ہے جوش بحرِ قہرِ الٰہی مرا غضب
ہاں نیزہ بازو جنگ میں تاخیر کیوں ہے اب
تم لاکھ اہلِ ظلم ہو میں ایک تشنہ لب
ہاں اے کماں کشو مجھے روکو تو سب کے سب
نوکوں سے برچھیوں کی مجھے روکتے نہیں
شیرِ خدا کے شیر کو اب ٹوکتے نہیں

۵۱

میں شیرِ بیشۂ اسدِ کردگار ہوں
جس کے فرس رسولؐ تھے وہ شہسوار ہوں
زیرِ نگیں زمانہ ہے وہ نامدار ہوں
بیٹا ابوترابؑ کا ہوں خاکسار ہوں
اک بندۂ حقیر ہوں ربِ غفور کا
منہ سے کبھی نہ نکلے گا کلمہ غرور کا

۵۲

ہر چند جزو و کل پہ مرا اختیار ہے
دنیا ہے بے وفا تو فلک بے مدار ہے
پیاسا ہوں میں یہ مصلحتِ کردگار ہے
مثلِ حباب زیست کا کیا اعتبار ہے
عرصہ فقط ہے چند نفس کا اخیر ہوں
اکبرؑ سا نوجواں نہ رہا میں تو پیر ہوں

۵۳

عباسؑ نامدار کے مرنے کے تھے یہ دن
روئیں گے نامراد ہی قاسمؑ پہ انس و جن
بتیس برس تو کچھ ایسا نہیں ہے سن
کیا ان سے آگے موت کے بچہ ہو یا مسن
آباد گھر جہاں میں کوئی یوں فنا نہ تھا
اصغرؑ کو دیکھو دودھ بھی جس کا چھٹا نہ تھا

۵۴

اٹھاون برس میں رنگ نظر آئے ہزار
جس فصل میں کہ جیتے تھے محبوبِ کردگار
دیکھی کبھی چمن پہ خزاں اور کبھی بہار
الجھا کبھی نہ دامنِ خاطر سے کوئی خار
کھیتی سدا اُن کے مرنے سے بے نور ہو گئی
رنگ اڑ گیا گلوں کا ہوا اور ہو گئی

۵۵

پامال تھے جو خار وہ سر کھینچنے لگے
ایذا رسولؐ کی گل تر کھینچنے لگے
باغی ستم کے باغ کا زر کھینچنے لگے
تلواریں ہم پہ بانیِ شر کھینچنے لگے
جتوا ناکیا پسر کو جناب رسول کے
نافہم خود غلط ہوئے قرآں کو بھول کے

۵۶

اک دن وہ تھا کہ سینۂ زہرا تھا خوابگاہ
وہ پیار والدین کا وہ بھائیوں کی چاہ
تکیہ تھا سر کا بازوئے پیغمبرِ الٰہ
اک دن یہ ہے کہ کوئی نہیں سرپرست آہ
ماتم کا یوں تو گھر میں سدا شور و شین تھا
ایسا کبھی نہ بیکس و تنہا حسینؑ تھا

۵۷

بڑھ کر پکارا شمر کہ یاور کدھر گئے
عباسؑ کیا ہوئے علیؑ اکبر کدھر گئے
بیدل ہیں آپ کیوں وہ دلاور کدھر گئے
اے فاطمہؑ کے لال وہ گوہر کدھر گئے
جویا پسر کا صورتِ یعقوبؑ کون ہے
غلبہ ہے کس کی فوج کا مغلوب کون ہے

۵۸

تھرا روم و شام جن کی زبردستیوں سے زیر
اس دشت کین میں دوڑتے تھے جو مثال شیر
اب آپ کی مدد کو نہیں آتے وہ دلیر
شاید انھیں کی لاشوں کے ہیں خاک پر یہ ڈھیر
سر سب کے پاش پاش ہیں تن ریزہ ریزہ ہیں
تلواریں کیا یزید کے لشکر کی تیز ہیں

۵۹

دیکھو تو کس کے سینے میں برچھی کا ہے یہ پھل
دولہا کے خواب کرنے کا کیا تھا یہی محل
اٹھارویں برس میں کسے کیا لی اجل
دریا پہ کس کی لاش پڑی ہے وہ میرے کے پل
محتاج بعد مرگ جو گور و کفن کے ہیں
کس نخل کے ثمر ہیں یہ گل کس چمن کے ہیں

۶۰

شہ نے کہا یہ سب مرے گلشن کے پھول ہیں
کرسی پہ پشت اُن کو وہ رب کے حضول ہیں
کیونکر نہ سرخرو ہوں کہ اصلِ رسولؐ ہیں
تن پر جو سر نہیں تو یہ نذریں قبول ہیں
قدسی درود بھیجتے ہیں اُن کی شان پر
تن اُن کے ہیں زمیں پہ سر آسمان پر

۶۱

سالک جو ہیں وہ راہِ رضا بھولتے نہیں
محسن کو اپنے اہلِ وفا بھولتے نہیں
جو دوست ہیں ولی کے ولا بھولتے نہیں
ہم لوگ مر کے یادِ خدا بھولتے نہیں
تن خاک ہو پر اس میں بھی الفت کی بو رہے
نیزہ پہ سر چڑھاؤ تو منہ قبلہ رو رہے

۶۲

کیونکر نہ یہ کلام کرے تو ہوا پہ ہے
مسند پہ ناز ہے نہ شرف مکا پہ ہے
تو ہو سو ہو حسینؑ تو راضی رضا پہ ہے
ہر حال میں فقیر کو تکیہ خدا پہ ہے
مٹی ہو یا کہ خز ہو تن پاک کے تلے
اللہ آبرو کو رکھے خاک کے تلے

۶۳

برچھی کا سینۂ علی اکبرؑ میں پھل ہے گر
ہر بار یہ دعا تھی کہ پھولے پھلے شجر
ظالم یہی تو باغِ شہادت کا ہے ثمر
بابا نثار ہے کہ برومند ہے پسر
کیا کیا گل مراد مرے ہاتھ آئے ہیں
باغ جہاں میں آ کے یہ پھل کس نے پائے ہیں

۶۴
قاسم اگر نہیں تو نہیں مجھ کو کچھ ہراس
رونے کی وجہ کیا جو ہوئی بھائیوں سے یاس
بس سن چکا کہ مر گئے عباسؑ حق شناس
جس کا تھا جس کے عبد تھے پہونچے اسی کے پاس
کچھ دن جو میرے پاس رہے مستعار تھے
یہ مال سب امانت پروردگار تھے

۶۵
لاکھوں سے یہ ہزبر جو تنہا لڑے لڑے
ہوتے ہیں تازیوں سے ارادے بڑے بڑے
تیغوں کے پھل جو پھول سے تن پر پڑے پڑے
چاہیں تو روم و شام کو لے لیں کھڑے کھڑے
بالائے دوش ڈھال تھی قبضے پہ ہاتھ تھا
خیبر میں کون شیر الٰہی کے ساتھ تھا

۶۶
شہروں میں جنگ بدر کا شہرہ ہے آج تک
بالائے عرش نادِ علیؑ پڑھتے تھے ملک
مثل ہلال تیغ کی تھی جا بجا چمک
خندق میں کس نے کی اسد اللہ کی کمک
زورِ خدا تھا دستِ وصیِ رسولؐ میں
دو کر دیا تھا عمرو کے قامت کو طول میں

۶۷
کیوں غزوۂ حنین میں بھاگے تھے تم کہ ہم
تم کوہ میں چھپے تھے بروز دہم کہ ہم
سرکش ادھر کے پس گئے تھے زیرِ سم کہ ہم
دہشت سے اس طرف کے دلاور تھے گم کہ ہم
بجلی سی تیغ کوندتی تھی کس جوان کی
آتی تھی کس طرف سے صدا الاماں کی

۶۸
تھا لیلۃ الہریر میں یک جا تمام شہر
چمکی جو ذوالفقار تو آیا خدا کا قہر
لڑتی تھیں یوں صفیں کہ سمندر میں جیسے لہر
کیا جنگ نہروان میں بہائی تھی خوں کی نہر
کیوں وہ فراریوں کی دہائی بھی یاد ہے
صفین میں صفوں کی صفائی بھی یاد ہے

۶۹
بیرالعلم کی آگ کا روشن ہے سب پہ حال
اس چاہ پر تھے نہ یہ رستم کی تھی مجال
دو شخص جل کے رہ گئے تھے صورت نہال
جاتے ہی آگ میں کود پڑے شیر ذوالجلال
لشکر جنوں کا خوف سے بیتاب ہو گیا
دہشت سے آگ کا بھی جگر آب ہو گیا

۷۰
تاباں جنوں پہ تیغ امام غنی رہی
اندھیر ہو گیا وہیں یاں روشنی رہی
زیرِ زمیں بھی شیر کی چھائی تنی رہی
ڈر سے جنوں کی جاں پہ کیا کیا بنی رہی
زہرے ہوئے جو آب تو ایماں کی چاہ کی
آنے لگی کنویں سے صدا الاماں کی

۷۱
ایمان جنوں نے جب بدل و جاں کیا قبول
گذرے تھے تین روز رہے تھے بہت ملول
غالب تھے آپ جن کے وہ باتیں ہوئیں حصول
سنکر صدا علیؑ کی خوشی ہو گئے رسولؐ
باہر کنویں کے آئے عجب عز و جاہ سے
مثل تھا کہ نکلے یوسفؑ صدیق چاہ سے

۷۲
تھی دشت دشت فتح سلیمانِ دیں کی دھوم
خالی ہوئی جنوں کے جو شر سے وہ مرز و بوم
لشکر میں مصطفٰےؐ کے خوشی تھی علی العموم
بالائے چاہ جانوروں نے کیا ہجوم
قطعے رہے نہ سانپ نہ وہ اژدہے رہے
دو تین روز چاہ پہ کیا بیٹھے رہے

۷۳

تیغیں بنی امیہ کی ہیں خاک آبدار
پھل اُس کا آگ ہے تو زبانیں ہیں شعلہ بار
جل جاوے گی گرے گی اگر برقِ ذوالفقار
دھارا ہے قلزمِ غضبِ حق کا اس کی دھار
دم بھر پناہ گھاٹ سے اس کے نہ پاؤ گے
طوفانِ خوں اٹھے گا کہ سب ڈوب جاؤ گے

۷۴

ہیں نورِ چشمِ فاتحِ ذات الرقاع ہوں
کرار ہوں سخی ہوں ولی ہوں شجاع ہوں
پایہ مرا رفیع ہے عرش ارتفاع ہوں
حیدر ہیں آفتاب تو میں بھی شعاع ہوں
دوری میں بھی ہم اپنے خدا کے حضور ہیں
سمجھو نہ پنجتنؑ کو جدا ایک نور ہیں

۷۵

سرِّ خفیِ حق انھیں بندوں پہ ہے جلی
فاطر سے فاطمہؑ ہے اور اعلیٰ سے ہے علیؑ
محبوب ہے خدا کا کوئی اور کوئی ولی
محسن سے ہے حسنؑ یہ شرافت ہے منجلی
احسان سے جہاں میں نام حسینؑ ہے
ایک ایک ان میں تاجِ سرِ مشرقین ہے

۷۶

زیور جو عرش کا ہیں ہمارے ہی نام ہیں
حوریں جو لونڈیاں ہیں تو غلماں غلام ہیں
ساقیِ حوض قاسمِ دار السلام ہیں
احمدؐ کے جانشیں ہیں امم کے امام ہیں
زینت ہیں آسماں کی رونق زمین کی
دنیا کی آبرو ہیں تو عزت ہیں دین کی

۷۷

ناگاہ ابنِ سعد پکارا کہ صفدرو
خوں میں نبیؐ کی آل کو سر تا قدم بھرو
ہاں نورِ چشمِ شیرِ خدا سے وغا کرو
کم رہ گیا ہے دن بہت اب اے دلاورو
نکلو تنوں پہ زیورِ جنگی سنوار کے
پڑھیو نماز عصر کی سید کو مار کے

۷۸

تن سے جدا کرو پسرِ فاطمہؑ کا سر
ڈھالوں میں بھر کے لاؤ لعل و زر و گہر
پھر تم کو لوٹنا ہے رسولِ خدا کا گھر
ایسا نہ ہو کہ رات کو سرکا دیں مال و زر
قیدی ہوں اہلِ بیت شہِ مشرقین کے
دولت کی گٹھروں کی ہے گھر میں حسینؑ کے

۷۹

ہے آرزو حکومتِ رے کی مجھے کمال
ہے تب حلال ذبح ہو جب فاطمہؑ کا لال
حصہ وہ فوج کا ہے ملے جو متاع و مال
دیکھوں کہ ہیں کھلے ہوئے زینبؑ کے سر کے بال
اس طرح گھر تباہ رسولؐ خدا کا ہو
سیدانیوں کے منہ پہ نہ پردہ ردا کا ہو

۸۰

پہنچے گی شہرِ شام میں جب آلِ طاہرہ
منکر نے کہیں یہ مکر کی باتیں جو ظاہرہ
ہو جائے گا سپاہ کا دونا مشاہرہ
دریا سے مثلِ موج بڑھی فوجِ قاہرہ
گیتی ہجومِ فوج سے جنبش میں آگئی
کالی گھٹا سپاہ کی جنگل میں چھا گئی

۸۱

چلوں سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ
خنجر رکھے کمر میں دودھارے جٹا کے سنگ
منہ ترکشوں نے کھول دیے صورتِ نہنگ
برچھے ہلا کے فوج نے جولاں کیے سرنگ
سرہنگِ شام گرزِ گراں تولنے لگے
بڑھ بڑھ کے بیرقوں کو عدو کھولنے لگے

۸۲

کالے علم نشان سیہ ڈھال سب سیاہ
گویا زمیں کے سینے سے اٹھتا تھا دودِ آہ
چھاتا تھا نفیر کہ بیکس کو دو پناہ
شنتا کی یہ صدا اٹھی کہ سید ہے بے گناہ
سن کر دہل کے شور دلیرے دہلتے تھے
تھرا کے جا بجا بھی کفِ افسوس ملتے تھے

۸۳

وہ غول مصریوں کے وہ دل شام و روم کے
آندھی سیاہ اٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
تنہا حسینؑ بیچ میں تھے اس ہجوم کے
تلوار لی نیام سے قبضے کو چوم کے
اٹھا سخی کا ہاتھ ید اللہ کی شان سے
نکلا ہمائے اوج و شرف آشیاں سے

۸۴

باہر ہوئی نیام سے شمشیر شعلہ بار
یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بیقرار
یا کینچلی کو چھوڑ کے نکلا سیاہ مار
یا آستیں سے یدِ بیضا تھا آشکار
نکلی عروسِ فتح محافہ جدا ہوا
یا نامۂ ظفر سے لفافہ جدا ہوا

۸۵

کاٹی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر
حجلہ تھا یا نقابِ رخِ بی بیِ ظفر
گھونگھٹ اٹھا کہ برق سی چمکی ادھر ادھر
گویا دلھن حجاب سے نکلی جھکا کے سر
دکھلائی سب کو منہ کی صفائی لڑائی میں
جانیں ہزار دے کے لیں رونمائی میں

۸۶

قبضہ وہ جس کی ضرب سے اللہ کی پناہ
آہیں وہ دم بدم جو دکھائیں عدم کی راہ
باڑھ ایسی جس کے گھاٹ پہ کشتیِ تن تباہ
وہ تیز منہ کہ کوہ کو کھائے مثالِ کاہ
جوہر یہ ہیں کہ تیغ شہِ لافتیٰ کی ہے
تحفہ یہ اس کا ہے کہ عنایت خدا کی ہے

۸۷

ہر معرکہ میں یاورِ مشکل کشا رہی
سینہ سے کربلا میں نہ دم بھر جدا رہی
جو اس کی ابتدا تھی وہی انتہا رہی
عاشق رہی پدر پہ پسر پر فدا رہی
یکتا تھی ذوالفقار یہ ثانی دلیل ہے
جو تیغ دونوں باگیں کرے وہ اصیل ہے

۸۸

نکلی وہ جاں گداز عجب برق و شرق سے
صاف آئی الحفیظ کی آواز برق سے
چشمک یہ دم بدم تھی ہر ایک اہلِ زرق سے
آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے
دریائے قہرِ حضرتِ پروردگار ہوں
طوفاں اٹھے گا یاں سے میں وہ ذوالفقار ہوں

۸۹

سیفِ خدا ہوں نام ہے دستِ اجل مرا
نشتر ہوں مرگ کا رگِ جاں ہے محل مرا
گلزارِ فتح میں ہے ازل سے عمل مرا
جس کو نہ اعتبار ہو چکھے وہ پھل مرا
دونوں ضربیں ہیں مجھ میں کہ رحمت ہوں قہر ہوں
امرت ہوں دوست کے لیے دشمن کو زہر ہوں

۹۰

بت میں نے ایک ضرب میں توڑے ہیں دیر کے
شہرے ہیں شہر شہر مرے امرِ خیبر کے
مولا کے ہاتھ میں ہوں کہ قبضے میں غیر کے
دشمن کے سر سے اٹھتی ہوں دو ہاتھ پیر کے
جاتی ہوں جس پہ مثلِ اجل چھوڑتی نہیں
جوشن ہو یا کہ خود ہو منہ موڑتی نہیں

۹۱

دنیا میں مجھ سی تیغ علیؑ سا جواں نہیں
بھاگو گے دشت کیں سے کدھر میں کہاں نہیں
کیوں ہوں خموش کیا مرے منہ میں زباں نہیں
دشمن کوئی حسینؑ کا مجھ سے نہاں نہیں
فریاد و الغیاث کو کب مانتی ہوں میں
سید کے قاتلو! تمہیں پہچانتی ہوں میں

۹۲

الٹے تھے آستیں جو شہنشاہِ سرفراز
اعدا کی فوج پر تھی زباں تیغ کی دراز
جنباں تھی کربلا کی زمیں صورتِ جہاز
کہتے تھے کانپ کانپ کے آپس میں فتنہ ساز
کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
غل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں

۹۳

کوندی جو برق طاقتِ گفتار گھٹ گئی
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ دنیا الٹ گئی
جو صف پئے مصاف بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
آ پہونچی تھی پہ ڈر کے قیامت پلٹ گئی
پھر حشر تھا جو رحم نہ آتا حضور کو
منہ سے لگا چکے تھے سرافیلؑ صور کو

۹۴

تلوار کیا چلی غضب آیا کریم کا
سب زور تھا زمانہ نارِ جحیم کا
تھی جنگ یا کہ زور تھا امید و بیم کا
جل جل کے منہ سیاہ ہوا ہر لئیم کا
شمشیر بادشاہ سلیماں بساط تھی
کیا تھمتے کافروں کے قدم وہ صراط تھی

۹۵

چلتی تھی ذوالفقار جو سن سن ادھر ادھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن ادھر ادھر
دہشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن ادھر ادھر
ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن ادھر ادھر
ڈر ڈر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے
صف پر گری جو صف تو پروں پر پرے گرے

۹۶

روئیں تنوں کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیے
گردن بچی کسی کی تو شانے اڑا دیے
ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کے پرزے اڑا دیے
پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اڑا دیے
اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کو لگ گیا
تن چار ہاتھ تڑپ کے الگ سر الگ گیا

۹۷

دل کانپتے تھے دیکھ کے اس کج ادا کا منہ
اژدر کے منہ سے کم نہ تھا اس جانگزا کا منہ
ناہیں فنا کی راہ تو قبضہ قضا کا منہ
آفت کی چال قہر کی گرمی بلا کا منہ
پہونچے وہاں اجل کا بھی جس جا گزر نہ ہو
لوہے کو کاٹے یوں کہ زباں کو خبر نہ ہو

۹۸

جب ہاتھ اٹھا تو چرخ پہ تیغ دو سر چڑھی
یہ گردنوں پہ سر کے لیے سب کے سر چڑھی
اتری ادھر کہ خون کی ندی ادھر چڑھی
بس صاف کر دیا اسے جو صف نظر چڑھی
دریائے خوں فرات کے ساحل کے
وہ پار اتر گئی یہ اسی گھاٹ رہ گئے

۹۹

تھمی وہ تیغ جب تو ستمگر نہ اٹھ سکا
ڈوبا یہ جہاز پہ لنگر نہ اٹھ سکا
لاکھوں سے بار تیغ دو پیکر نہ اٹھ سکا
دہشت سے کافروں کا کبھی سر نہ اٹھ سکا
یوں فرق پر چڑھی سر کا اہلِ خلاف کے
مرکز کے جس طرح سے قدم سر پہ کاف کے

۱۰۰

سر سے جدا تھا خود تو سر تھے جبیں سے دور
جاں جسم سے تو جسم تھے جانِ حزیں سے دور
قبضوں سے تیغیں دور تھیں ہاتھ آستیں سے دور
کارہ کمیں مکاں سے مکاں تھے مکیں سے دور
اس تیغ جاں ستاں سے خطا سر قلم نہ تھے
اللہ رے تفرقے کہ عناصر بہم نہ تھے

۱۰۱

ہر سو پڑے تھے خاک پہ اعضا جدا جدا
ایذا جدا اٹھی روح پہ قہر جدا جدا
سر گردنوں سے جسم سے تھے دست و پا جدا
پانی جدا تھا خاک جدا آتش ہوا جدا
پیدا ہوئے تھے نار میں جانے کے واسطے
اک آگ رہ گئی تھی جلانے کے واسطے

۱۰۲

حملہ جو پیدلوں پہ کیا شہسوار نے
چھوڑا نہ صید ضیغم آہو شکار نے
ڈر ڈر کے سر قدم پہ رکھے سب اشرار نے
زندوں کو جن کے ذبح کیا ذوالفقار نے
کہتی تھی گرچہ پیٹ کا بھرنا محال ہے
ہاں پی لوں خوب سا کہ لہو یہ حلال ہے

۱۰۳

جب وہ بلند ہوتی تھی مانند ماہِ نو
اس کی نہ ایک ضرب نہ اعدا کے وار سو
جاتی تھی دور دور بیاباں میں اس کی ضو
کشتِ حیاتِ اہلِ ستم ہو گئی درو
سرکش سب ایک دم میں نگوں سار ہو گئے
کٹ کر سروں کے کھیت میں انبار ہو گئے

۱۰۴

بے جاں بنے نہ تیغِ شہِ لافتی پھری
دل پر جدا عدو کے گلے پر جدا پھری
وہ جس طرف پھری اسی جانب قضا پھری
دم لے کے جس طرف پھری مثلِ بلا پھری
اس ناز سے چمکتی ہوئی راس و چپ گئی
کیا رعد کی بساط ہے بجلی تڑپ گئی

۱۰۵

دستِ کشادہ دیکھ کے سب تنگ دل چھپے
ڈھالوں کی اوٹ میں وہ سیہ رنگ دل چھپے
کیونکر بڑھے قدم جو دمِ جنگ دل چھپے
چمکی جو تیغ مثلِ شرر سنگ دل چھپے
دیکھا ہو گر کبھی صفِ آہو میں شیر کو
یوں دیکھو فوجِ کیں میں حسینؑ دلیر کو

۱۰۶

دشمن کا پاؤں رن میں ٹھہرتا نہیں کبھی
یہ جس کو کاٹتی ہے وہ مرتا نہیں کبھی
دم اس کا وہ غضب ہے کہ بھرتا نہیں کبھی
چڑھتا ہے زہر یوں کہ اترتا نہیں کبھی
صدمہ غضب کا ہوتا ہے دو زخم میں جان پر
تلخی اجل کی رہتی ہے برسوں زبان پر

۱۰۷

کیا لشکرِ یزید پہ رنجِ و محن پڑا
لاشے پہ لاشہ سر پہ سر اور تن پہ تن پڑا
طالع جو نحس تھے تو اٹھیں پر گہن پڑا
کشتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا
اوپر تلے جو کشتوں کے انبار پاتی تھی
گنتی کو بار بار اجل بھول جاتی تھی

۱۰۸

کشتے تڑپ رہے تھے برابر زمین پر
آئی جو سن سے تیغ دو پیکر زمین پر
زندے تھے خوفِ قتل سے مضطر زمین پر
گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پر
سلطانِ دیں کے پاؤں پہ سرکش کے گر پڑا
تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کے گر پڑا

۱۰۹

کٹ کٹ گئے جو خود تو مر مر گئے حسود
ظالم جو بے نمود ہوں وہ کیا کریں نمود
لاکھوں ہوں یا کروڑ ہوں کیا اُن کے ہست و بود
سر تن سے مفت کھوئے یہ نقصاں ہوا کہ سود
جھگڑا بھی ختم ہو گیا وہ آن بھی گئی
عزت بھی آبرو بھی گئی جان بھی گئی

۱۱۰

حربے بھی قتل گاہ سے منہ موڑنے لگے
ڈر ڈر کے مورچوں کو جری چھوڑنے لگے
ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
تیغیں پٹک کے خاک پہ دم توڑنے لگے
چلاتی تھیں کمانیں کہ اب رُخ کدھر کریں
ڈھالیں تھیں مضطرب کہ کسے ہم سپر کریں

۱۱۱

دو ٹکڑے کی کمانوں کو کبادا بنا دیا
رن کی زمیں کو خون سے دریا بنا دیا
تیروں کو کاٹ کاٹ کے تودا بنا دیا
ہر جزو تن کو لا یتجزیٰ بنا دیا
دیتے تھے تیر کٹ کے صدا الاماں کی
پتوں کی طرح اُڑتی تھیں شاخیں کمان کی

۱۱۲

ڈھالوں پر آئی نیزوں کو جب دیکھ بھال کے
تھرّائے تیر ڈر سے شیر خوش خصال کے
پھل بھی لگا نہ تھا کہ گرے پھول ڈھال کے
تیغیں اماں طلب ہوئیں دندان نکال کے
وہ منہ کے بل پڑے تھے جو بھالے اُٹھائے تھے
دست اماں کو برچھیوں والے اُٹھائے تھے

۱۱۳

تھی شعلہ ور جو آتشِ شمشیر آب گوں
زہرے تھے آب آب جگر ہو گئے تھے خوں
جل جل گئے تھے اہلِ دغا کے دروں بروں
تھیں بیرقیں یزید کے لشکر کی سرنگوں
نوبت یہ پہنچی تھی کہ علم کا نشاں نہ تھا
حیدر کی ذوالفقار کا ڈنکا کہاں نہ تھا

۱۱۴

ہرچند ساری فوج پہ ڈھالوں کی آڑ تھی
غلبہ تھا دیں کا کفر کی بستی اجاڑ تھی
بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
میدانِ معرکہ میں عجب مار دھاڑ تھی
ڈر ڈر کے منہ سے زہر سبھوں نے اُگل دیے
گھوڑے کے سم نے موذیوں کے سر کچل دیے

۱۱۵

سن سن چلی جو تیغ تو جی سنسنا گئے
دعویٰ تھا مردمی کا پہ آنکھیں چرا گئے
دریا کے چوکیدار لہو میں نہا گئے
بچ بچ کے آبِ تیغ کے چھینٹوں میں آ گئے
سقّے نے بھی عزیز نہ اُن کا لہو کیا
دم بھر میں ذوالفقار نے بے آبرو کیا

۱۱۶

اتنی تھا منہ کھلا رہا جب تک زباں چلی
غل تھا کدھر گئی کدھر آئی کہاں چلی
نوکیں بچے تھیں وہ پکارا سناں چلی
اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
ہاں ہاں کا شور تھا کسی لب پر نہیں نہ تھی
جلوہ تھا ہر ستم پہ اور پھر کہیں نہ تھی

۱۱۷

برچھی سے پھل کمان کیانی سے زہ گری
سر جسم سے جدا ہوا تن سے زرہ گری
نیزوں کی ڈانڈ کٹ کے گرہ پر گرہ گری
بندِ کمر کھلا تو ہوا غل کہ یہ گری
ابرو کے ایک اشارے میں مطلب ادا کیا
مشکل کشا کی تیغ نے عقدوں کو وا کیا

۱۱۸

دریائے فرق انھیں کہنا ستم ہوا
جس نے خدنگ قوس میں جوڑا وہ رد ہوا
سو لاکھ بڑھے تو عجب جزر و مد ہوا
مردے بنے جو تیر تو ترکش لحد ہوا
خانِ عدو سے کبت کبھی یوں سنچا نہ تھا
سیفی الٹ پڑی ابھی چلہ کھنچا نہ تھا

۱۱۹

ڈھالیں تو تھیں بڑھال عجب چال ڈھال تھی
کاٹا تھا باغ کفر تو کیسی نہال تھی
برپا تھا حشر رن میں قیامت کی چال تھی
پیاسے جو تھے حسینؑ تو غصے سے لال تھی
گرد اگلا تو سانس نہ دشمن سے لی گئی
دریا پہ جس کو پایا لہو اس کا پی گئی

۱۲۰

آفت تھی قہر تھی غضب ذوالجلال تھی
خنجر تھی نیچہ تھی کٹاری تھی بھال تھی
بجلی تھی صاعقہ تھی فنا تھی زوال تھی
اعدا کو ذبح کرنے کو سحر حلال تھی
جھپٹا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا
منہ اس کا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا

۱۲۱

کیا تھی بے نظیر تھی اور بے مثال تھی
بجلی زمیں پہ تھی تو فلک پر ہلال تھی
کیا آزمودہ کار تھی کیا ذی کمال تھی
اعدا پہ تیغ حیدرِ عالم پہ ڈھال تھی
آگے رہی سپر سے بھی کچھ رزم گاہ میں
حمزہؑ کی ڈھال بھی تھی اسی کی پناہ میں

۱۲۲

تیغ خدا تھی ضرب سے اس کی کہاں پناہ
کیونکر وہ خلق اس کو کہے آسماں پناہ
پستی اٹھا کر اوج نہ یاں اور نہ واں پناہ
جس تیغ کی پناہ میں خود ہو جہاں پناہ
نصرت بھی اک نقیب دمِ تیغ دوسر کا تھا
برسوں سے اس کی پشت پہ تکیہ ظفر کا تھا

۱۲۳

روحیں گئیں سقر میں بدن رن میں رہ گئے
جانیں کہاں کی زخم فقط تن میں رہ گئے
جو شیر بن کے آئے تھے وہ بن میں رہ گئے
ہاں طوق لعن طعن کے گردن میں رہ گئے
دوزخ میں سر اٹھانے کی کب ان کو بار ہے
اب گردنوں پہ تیغ تبرا سوار ہے

۱۲۴

غل تھا کہ اس کی ضرب سنبھالی نہ جائے گی
جب آئے گی سروں پہ تو خالی نہ جائے گی
بے جان لیے یہ تیغ ہلالی نہ جائے گی
یہ وہ بلائے بد ہے کہ ٹالی نہ جائے گی
جوہر نہیں ہے تیغ شہِ خوش خصال پر
سیفی لکھی ہوئی ہے دعائے ہلال پر

۱۲۵

بجلی سی جس پرے پہ وہ چل پھر کے رہ گئی
ہر صف میں ہر جنگ دجلہ دل پھر کے رہ گئی
خادم کی طرح ساتھ اجل پھر کے رہ گئی
پھر کر تھا جو اسپ تو کل پھر کے رہ گئی
بیدم ہوا کوئی کوئی سرکش نکل گیا
آنکھوں کے سامنے سے چھلاوا نکل گیا

۱۲۶

معشوق سبز رنگ تھی وہ تیغ حضری
دیکھی علیؑ کے وقت سے فوجوں کی برہمی
لب پر لہو سے پان کی لالی سی تھی جمی
آتش مزاج سرکہ آرا کسی دمی
برسوں رہی بغل میں شہِ مشرقینؑ کی
کھیلے ہوئے لڑائیاں پدر و حسینؑ کی

۱۲۷

تلواروں پیچ و تاب سے بل کھا کے رہ گئیں
سہمے جو دل کمانیں بھی چلا کے رہ گئیں
بھالے یوں اڑے کہ برچھیاں تھرا کے رہ گئیں
چشم زرہ کی پتلیاں پتھرا کے رہ گئیں
ڈھالوں کے رنگ خوف سے کافور ہو گئے
چار آئینوں کے شیشۂ دل چور ہو گئے

۱۲۸

سر اڑ گئے تنوں سے جدھر سرسری چلی
خالی ہوئے پرے تو غضب میں بھری چلی
خشکی سے خوں میں ڈوب کے سوئے تری چلی
غل تھا کہ خود کٹا کے لگاوٹ پری چلی
خنجر اتنے کہ ان کا لہو چاٹنے لگے
دیوانے آپ اپنے گلے کاٹنے لگے

۱۲۹

چلنے میں گر کبھی کمر اس کی لچک گئی
اڑنے لگیں جو خون کی چھینٹیں سرک گئی
ڈھالوں کی ابر تیرہ میں بجلی چمک گئی
گر آئی سر پہ کبھی سوئے فلک گئی
برسے نہ اس ترنگ سے بادل اساڑھ کے
قربان ذوالفقار تری کاٹ باڑھ کے

۱۳۰

چھوٹیں کمانیں قبضوں سے اور چٹکیوں سے تیر
ماری تھے تیغ زن قدر انداز گوشہ گیر
کیسی لڑائی سمجھے ہوئے تھے جو ان و پیر
اپنے لہو میں لوٹتے پھرتے تھے پھر شریر
لشکر سیہ رخوں کا جو پامال ہو گیا
مارے خوشی کے تیغ کا منہ لال ہو گیا

۱۳۱

زخمی تھی زور شور سے ہر دم بسانِ رود
نیزے کٹے ہوئے تھے تو ٹوٹے ہوئے عمود
گر گر کے بہہ رہے تھے مثالِ حبابِ خود
خالی تھا رن بھری تھی سروں سے اجل کی گود
تھمتی نہ تھی جو تیغ شہِ مشرقین کی
جنگل میں شور تھا کہ دہائی حسینؑ کی

۱۳۲

اے بحرِ طبع بس یہ روانی کہاں تلک
اے ذوالفقار شعلہ فشانی کہاں تلک
ہاں اے زباں یہ چرب زبانی کہاں تلک
قصہ تمام کر یہ کہانی کہاں تلک
خنجر ہے اور گلوئے شہِ مشرقین ہے
خاموش ہو یہ وقتِ نمازِ حسینؑ ہے

۱۳۳

بھولیں گے مومنوں کو نہ یادگار بند
برسوں نہ ہو زبانِ فصاحت شعار بند
فرصت ملے تو کہہ کے سناؤں ہزار بند
سن لو کہ گریہ خیز ہیں یہ پانچ چار بند
دی ہے جو مصطفےٰ کی قسم فوج شام نے
تلوار روک لی ہے تمہارے امام نے

۱۳۴

پہونچا ہے عنقریب لبِ بام آفتاب
دریا پہ ہیں مگر نہیں ملتا وضو کو آب
شوقِ نماز عصر میں ہیں مضطرب جناب
سید کو تیر مارتے ہیں خانماں خراب
منظور ہے نہ جنگ نہ ہاتھوں میں زور ہے
بجلی جو تھم گئی ہے تو کیا مینہ کا شور ہے

۱۳۵

کٹتا ہے جب خدنگ تو چھٹتی ہے خوں کی دھار
کہتے تھے رو کے شاہ کہ اب کیوں ہے بیقرار
کاٹھی میں فرطِ غم سے تڑپتی ہے ذوالفقار
بس بس کہ قتل ہو چکے دشمن کئی ہزار
کب تک وغا حسینؑ کا دل دردمند ہے
اے ذوالفقار صبر خدا کو پسند ہے

۱۳۶
آقا شہید ہوتا ہے گھوڑے کو ہے یہ غم
فرماتے ہیں حسینؑ کہ اے ذوالجناح تھم
حربوں سے شاہِ دیں کو بچاتا ہے دم بدم
پھریں اور تڑپوں گا ہٹا یاں سے گر قدم
وعدہ ہے خوں میں بھرنے کا رب قدیر سے
رُک اب بچا نہ مجھے تیغ و تیر سے

۱۳۷
سینے پہ اب چڑھے گا مرے شمرِ روسیاہ
دو دن سے میرے ساتھ ہے بے دانہ و گیاہ
تجھ سے نہ دیکھا جائے تو جا سوئے خیمہ گاہ
شرمندہ تجھ سے ہوں بہت اے میرے خیرخواہ
عادل کا ہوا سنا ہے شہِ مشرقین کو
مارا ہو گر کبھی تو بحل کر حسینؑ کو

۱۳۸
کہتا ہے رو کے شاہ سے اسپِ وفا شعار
رخصت کے وقت مجھ پہ جو حضرت ہوئے سوار
جب تک ہے دم قدم کو نہ چھوڑیگا جاں نثار
بنتِ علیؑ نے مجھ سے کہا تھا بحالِ زار
پھر ایک بار ڈیوڑھی پہ لانا حسینؑ کو
اے ذوالجناح چھوڑ نہ آنا حسینؑ کو

۱۳۹
دو دن سے خود حضور ہیں بے آب و بے طعام
بچپن سے میرے حال پہ شفقت رہی مدام
میں کیا ہوں اے حسینؑ سکینہ ہے تشنہ کام
میں کس زباں سے شکر کروں اے شہِ انام
برسوں چڑھے پہ دل سے اُتارا ابھی نہیں
تقصیر پر بھی آپ نے مارا کبھی نہیں

۱۴۰
یہ ذکر تھا ابھی کہ بڑھی فوجِ اشقیا
زہراؑ نے خاک اُڑا کے جو عریاں سر کیا
دو لاکھ نے امام کو حلقہ میں لے لیا
تھرا گیا مزارِ شہنشاہِ انبیا
نیزے لگے جو تن پہ حسینؑ دلیر کے
بستی نجف کی ہل گئی نعروں سے شیر کے

۱۴۱
مارا ابوالحتوف لعیں نے گلے پہ تیر
جھکنے لگا جو غش میں علیؑ کا مہِ منیر
خوں ہو کے حلقِ شہ سے بہا فاطمہؑ کا شیر
بھالا لگا کے فرق پہ شمشیر اک شریر
تیغوں سے پیچ سبز عمامے کے کٹ گئے
گردن سے ذوالجناح کی جھک کر لپٹ گئے

۱۴۲
ہاں اے حسینیو یہ مصیبت کا وقت ہے
رونے میں فاطمہؑ کی رفاقت کا وقت ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے رقت کا وقت ہے
گرتا ہے عرشِ حق یہ قیامت کا وقت ہے
نکلی رکاب پائے شہِ مشرقین سے
گھوڑے پہ اب تھما نہیں جاتا حسینؑ سے

۱۴۳
لو گر پڑے زمیں پہ شبیرؑ ہے غضب
پھر برچھیاں لگاتے ہیں بے پیر ہے غضب
ڈوبی لہو میں زلفِ گرہ گیر ہے غضب
زخمی گلے پہ اور لگا تیر ہے غضب
گر پڑتے ہیں زمیں پہ کبھی گر سنبھلتے ہیں
جھک جھک کے منہ سے خوں کے لختے اُگلتے ہیں

۱۴۴
دُرِّ عدن عقیقِ یمن بن گئے ہیں سب
ہر زخم پر لعینوں سے پانی کی ہے طلب
فیروزئی ہیں پیاس کی شدت سے لعل لب
دیتا نہیں جواب گر کوئی بے ادب
لب تک دہن سے بات بھی وقت سے آتی ہے
طاری ہے ضعف یہ کہ زباں لڑکھڑاتی ہے

۱۴۵

ڈوبے ہوئے لہو میں اٹھائے ہیں دونوں ہات
شیعوں کو میرے آتشِ دوزخ سے دے نجات
خالق سے یہ دعا ہے کہ اے رب پاک ذات
عزت حیات میں ہو تو راحت پس از وفات
زیرِ زمیں بھی موردِ لطف و کرم رہیں
یہ سب کے سب صراط پہ ثابت قدم رہیں

۱۴۶

لب پر تھی یہ دعا کہ لگا تیر فرق پر
سجدے میں حق کے جھک گئے ہاتھوں کو ٹیک کر
ریش خضاب دار ہوئی سب لہو میں تر
واں سے لعیں اُٹھ کے بڑھا شمر بد گہر
زانو رکھا جو چھاتی پہ زہرا کے جائے کی
داہنی طرف سے آئی صدا ہائے ہائے کی

۱۴۷

زہرا کے دیکھنے جو لگا وہ ادھر اُدھر
حیدر بہت قریب ہیں تھامے ہوئے جگر
دیکھا کہ غرب میں ہیں احمدِ مرسل برہنہ سر
زہرا کی ہے صدا کہ نہ سید کو ذبح کر
ڈر قہرِ حق سے دست درازی کو چھوڑ دے
صدقہ نبی کا میرے نمازی کو چھوڑ دے

۱۴۸

بیکس کی کون سی ہے خطا کون سا گناہ
بیکس اگر ہوا یہ غریبوں کا بادشاہ
ہے ہے مرا حسینؑ تو ہے سب کا خیر خواہ
ہو جائیں گی سفر میں نبی زادیاں تباہ
یہ ظلم و جور احمدؐ و حیدرؑ کے سامنے
بیٹے کو ذبح کرتا ہے مادر کے سامنے

۱۴۹

ہٹنے لگا جو ڈر کے وہ مرتد جفا شعار
ڈرتا ہے کیوں یہ سحر ہے اے مرد نامدار
چلایا بڑھ کے یوں پسرِ سعد نابکار
جلدی پھرا دے شہ کے گلے پر چھری کی دھار
اب حشر ہوگا اس جسدِ پاش پاش پر
سر کھولے زینبؑ آئی ہے بھائی کی لاش پر

۱۵۰

سید پہ ہو رہا ہے اُدھر ظلم برملا
بنت علیؑ کو روک سکے گا کوئی بھلا
زینبؑ گلے پہ دوڑ کے رکھ دے گی وہ گلا
ڈر ہے اُلٹ نہ جائے کہیں دشتِ کربلا
خلعت لے اسپ لے گہرِ شاہوار لے
تن سے سرِ حسینؑ کو جلدی اتار لے

۱۵۱

یہ سن کے اُس شقی سے بڑھا پھر وہ کینہ جو
بولے یہ آنکھیں کھول کے شبیرؑ نیک خو
خنجر رکھا گلے پہ محمدؐ کے روبرو
اماں تڑپ رہی ہیں زمیں پہ کشادہ مو
ثابت ہوا مجھے کہ اجل اب قریب ہے
کہہ دے ابھی ہے دور کہ زینبؑ قریب ہے

۱۵۲

خنجر ہٹا کے حلق سے ظالم نے یہ کہا
شہ بولے یاں سے سامنا ہے خیمہ گاہ کا
سیدانی ایک نکلی ہے خیمہ سے بے ردا
لے چل مجھے نشیب میں اے بانیٔ جفا
بھائی کے مرتے وقت بہن کا گزر نہ ہو
یوں ذبح کر مجھے کہ کسی کو خبر نہ ہو

۱۵۳

یہ کہہ کے خود نشیب کی جانب چلے امام
سجدے میں واں پہونچ کے جھکے پھر شہِ انام
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے مگر جانبِ خیام
فریاد الغیاث قیامت کا ہے مقام
خنجر سے ذبح جانِ دلِ فاطمہؑ ہوا
جس جا تھی قتل گاہ وہیں خاتمہ ہوا

۱۵۴
اس وقت پہونچی زینبؑ ناشاد نوحہ گر
بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں ادھر ادھر
جب شمر ہاتھ میں لیے جاتا تھا شہ کا سر
رخسار دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
تھی خاک سجدہ گاہ جبین حسینؑ کی
آنکھیں کھلی تھیں فاطمہؑ کے نور عین کی

۱۵۵
قرآن پڑھ رہا تھا سر ابن بوتراب
روشن تھا بعد قتل بھی وہ شکل آفتاب
اور ریش میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
ظاہر تھا یہ لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

۱۵۶
چلائی سر کو پیٹ کے زینبؑ جگر فگار
سید تری کھلی ہوئی آنکھوں کے میں نثار
ہے ہے شہید ہو گیا نانا کا یادگار
بھیا بہن کے آنے کا تھا تم کو انتظار
شاید ابھی چلی ہے چھری حلق پاک پر
اس وجہ سے لہو یہ ٹپکتا ہے خاک پر

۱۵۷
کیا چپکے چپکے جان دی اے شاہ دیں پناہ
آئی صدا کہ بات کی فرصت ملی نہ آہ
سر تن سے کٹ گیا نہ پکارے بہن کو واہ
زینبؑ ہمارے حال کی ہے فاطمہؑ گواہ
خنجر گلے پہ سینے پہ قاتل سوار تھا
اس جبر میں بہن مرا کیا اختیار تھا

۱۵۸
قاتل بڑھا جو لے کے سر سرور زمن
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دوڑی وہ بے وطن
کس یاس سے کہا کہ خدا حافظ اے بہن
آئی صدا اے دختر محبوب ذوالمنن
بیٹی ترے شہید برادر کے ساتھ ہوں
تو جا کے ڈھونڈھ لاش کو میں سر کے ساتھ ہوں

۱۵۹
چلائی وہ کہ لاشۂ عریاں ہے کس طرف
اے طائرو وہ مرغ سلیماں ہے کس طرف
ہے ہے تن امام غریباں ہے کس طرف
اے دشت کربلا ترا مہماں ہے کس طرف
زہراؑ کی عمر بھر کی کمائی کو کیا کیا
بتلا دے اے زمیں مرے بھائی کو کیا کیا

۱۶۰
ہے کس مقام پر مرے سید کی قتل گاہ
اے ارض نینوا مجھے ملتی نہیں ہے راہ
اے خاک کس نشیب میں ہے فاطمہؑ کا ماہ
اے آسماں یہ کیا ہے کہ دن ہو گیا سیاہ
اے شام غم وہ گیسوؤں والا کدھر گیا
اے آفتاب تیرا اجالا کدھر گیا

۱۶۱
یہ کہتی تھی کہ لاشۂ بے سر نظر پڑا
چلائی اے بھائی یہ کیسا ستم ہوا
بس دوڑ کر لپٹ گئی وہ غم کی مبتلا
آئی صدا یہ لاش سے جو مرضی خدا
کچھ غم نہیں جو ذبح میں ناکام ہو گیا
امت کی مغفرت کا سر انجام ہو گیا

۱۶۲
بس اے انیس اب تو ہے شور و فغان و آہ
آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا الٰہ
آمیں زبان دل سے کہیں عاشقان شاہ
رکھیو سدا دوستوں کو جہاں میں بعز و جاہ
یارب ہرا بھرا یہ چمن آرزو رہے
جب تک چمن میں گل رہے اور گل میں بو رہے

مرثیہ

۱

یارب کسی کا باغِ تمنا خزاں نہ ہو
ماں باپ سے جدا پسرِ نوجواں نہ ہو
دنیا میں بے چراغ کوئی خانماں نہ ہو
چھٹ جائیں سب پہ فرقتِ آرامِ جاں نہ ہو
گر لا علاج ہے تو کلیجے کا داغ ہے
بدتر وہ قبر سے ہے جو گھر بے چراغ ہے

۲

دشمن کو بھی جہاں میں فراقِ پسر نہ ہو
ہوں سب طرح کے درد پہ دردِ جگر نہ ہو
ویراں کسی غریب کا آباد گھر نہ ہو
یارب کسی کو صدمۂ نورِ نظر نہ ہو
شئی ہے سلطنت جو ملے کائنات کی
بیٹا نہ ہو تو خاک ہے لذت حیات کی

۳

یعقوبؑ سے جو یوسفؑ عالی گہر چھٹا
راحت چھٹی الم میں ضعیفی میں گھر چھٹا
گیارہ پسر تو رہ گئے ایک سیمبر چھٹا
چلاتے تھے کہ ہائے پدر سے پسر چھٹا
مجروح تھا جو دل تو کلیجہ فگار تھا
راحت نہ رات کو تھی نہ دن کو قرار تھا

۴

فرزند گرچہ کچھ نہیں آتا کسی کے کام
لیکن وہ یہ نگیں ہے کہ رہتا ہے جس سے نام
اس سے پدر کو رنج پہونچتے ہیں صبح و شام
دم بھر پسر جدا ہو تو ہے زندگی حرام
دشمن کو بھی نہ اپنی کمائی سے یاس ہو
عسرت رہے پہ دولتِ اولاد پاس ہو

۵

زانو پہ مر گیا جو برابر کا نورِ عین
جب ہو جگر پہ زخم تو کیا آئے دل کو چین
غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جھک گئے حسینؑ
اللہ رے غم کہ پیر ہوئے شاہِ مشرقین
پھر تو نہ کوئی آس نہ کوئی امید تھی
چہرہ تھا زرد ریشِ مبارک سفید تھی

۶

فرماتے تھے کہ لے خبر اب جلد اے اجل
ساعت ہے ایک سال مہینہ ہے ایک پل
اے دم خدا کے واسطے اب جسم سے نکل
اے تیغِ شمر اب کہیں جلدی گلے پہ چل
موت اس کی زندگی ہے جسے سب سے یاس ہو
بابا کی قبر بھی علیؑ اکبر کے پاس ہو

۷

فرماکے یہ پھرے جو شہنشاہِ تشنہ لب
حضرت پکارے اے حرمِ سیدِ عرب
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں اہلبیت سب
اکبر بھی مر چکے کوئی باقی نہیں ہے اب
بھائی کو رو چکے انھیں اب رو کے آئے ہیں
بانو تمھارے لال کو ہم کھو کے آئے ہیں

۸

بے جاں ہوا جوان پسر وا مصیبتا
توڑا پسر نے بندِ کمر وا مصیبتا
خالی ہوا حسینؑ کا گھر وا مصیبتا
بیکس ہوا غریب پدر وا مصیبتا
واں خنجروں کو سان پہ اعدا چڑھاتے ہیں
لو الوداع مرنے کو اب ہم بھی جاتے ہیں

۹

جس دم سنا امامِ دو عالم سے یہ کلام
اکبر کا غم بھی بھول گئیں بیبیاں تمام
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ مرنے چلے امام
ڈیوڑھی کے پاس گر پڑی بانوئے نیک نام
بھائی کا حال دیکھ کے دل کو نہ کل پڑی
پردہ الٹ کے دخترِ زہراؑ نکل پڑی

۱۰

قدموں پہ رکھ کے سر کو یہ بولی وہ سوگوار
خیمے میں چلیے اے شہِ والا ہمیں نثار
روتے ہوئے جو آئے شہنشاہِ نامدار
لپٹی پدر سے آ کے سکینہؑ جگر فگار
الفت پہ اس کی ٹکڑے کلیجے کے ہوتے ہیں
سب بیبیاں بھی روتی ہیں حضرت بھی روتے ہیں

۱۱

شہ کہتے ہیں کہ کم کرو الفت سکینہؑ جاں
ہم ہیں تمہارے پاس کوئی دم کے میہماں
سینے پہ منہ کو رکھ کے نہ روؤ بصد فغاں
اب ہوگا کوئی آن میں زانوئے شمر یاں
سمجھا دو ان کو جو الفت کے باب ہیں
بی بی ہم اب مسافرِ پا در رکاب ہیں

۱۲

یثرب سے موت لائی تھی ہم کو سوئے عراق
مدت سے وصل جدّ و پدر کا ہے اشتیاق
ہر چند درد ہجرِ عزیزاں ہے دل پہ شاق
انجام اتحادِ مسافر کا ہے فراق
تم سب کو حکم صبر ہے رقت نہ چاہیے
بی بی مسافروں سے محبت نہ چاہیے

۱۳

کیوں میرے منہ کو دیکھ کے روتی ہو بار بار
مرضی میں کبریا کی مرا کیا ہے اختیار
دنیا سے اٹھ گئے ہیں یوں ہی سب بزرگوار
کرتا ہے رحم و لطف یتیموں پہ کردگار
اس قافلہ میں خلق کا حاجت روا تو ہے
اچھا جو کوئی سر پہ نہ ہوگا خدا تو ہے

۱۴

یہ کہہ کے رو دیے حضرتِ زینبؑ پہ کی نظر
دیکھا بھرا ہے اشکوں میں خوں اور پیٹتا ہے سر
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
زینبؑ تمہارے غم سے ہے ٹکڑے مرا جگر
پیٹو نہ سر خدا و پیمبرؐ کے واسطے
کیا اپنی جان دو گی برادر کے واسطے

۱۵

آنکھوں کے سامنے ہوا اماں کا انتقال
دنیا سے تیغ کھا کے گئے شیرِ ذوالجلال
بھائی حسنؑ کے مرنے کا کچھ کم نہ تھا ملال
ان آفتوں میں یہ نہ ہوا تھا تمہارا حال
سر خاک پر پٹک کے بھی ہو روتی ہو
میں ایسا کیا ہوں جس کے لیے جان کھوتی ہو

۱۶

پیٹنا طریقۂ جہلا ہے فغان و آہ
بندے کے صبر میں ہے رضا مندیِ الٰہ
در پیش ہر بشر کو ہے یہ ناگزیر راہ
نہ موت سے فقیر بچے گا نہ بادشاہ
بیٹوں سے باپ بیٹوں سے بھائی جدا ہوئے
تھے اس مکاں میں پہلے جو ہم سے وہ کیا ہوئے

۱۷

دیکھو کہ جیتے تک تھے مرے سب رفیق و یار
اب ہے نہ کوئی دوست نہ ہمدم نہ جاں نثار
افسوس دوپہر میں خزاں ہو گئی بہار
غنچہ ہے نے شجر ہے نہ گل ہے نہ برگ و بار
برسوں میں جن کو حق کیا تھا وہ مر گئے
گویا کبھی جہاں میں نہ تھے یوں گزر گئے

۱۸

مرنا پھر ایک آن ہے جو ہو سو برس حیات
فانی ہیں سب اگر ہے تو باقی اسی کی ذات
ہوتا جو زندگی کے سبب خلق میں ثبات
اٹھتے کبھی جہاں سے نہ سردارِ کائنات
ہر چند آج مالکِ روئے زمیں ہوں میں
سوچو تمہیں کہاں سے تو بہتر نہیں ہوں میں

۱۹

افضل کہیں تھے بچھڑے مرے مادر و پدر
جیتوں سے آپ چھوٹ گئے باپ سے پسر
اب والدہ کہاں ہیں کہاں شاہِ بحر و بر
اُن کی ہمیں خبر نہ ہماری انہیں خبر
پیارے تھے سب پہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

۲۰

اماں کا صبر و شکر تو سب ہوگا تم کو یاد
درپے ہوا جو ظلم کا ہر بانیِ فساد
راضی تھیں دشمنوں سے نہ تھا دل میں کچھ عناد
کچھ منہ سے غیر شکر نہ بولیں وہ خوش نہاد
کیا کیا ستم ہوئے پہ شکایت ذرا نہ کی
امت کے حق میں آپ بھی بددعا نہ کی

۲۱

افضل نہ تھا جہاں میں کوئی بوترابؑ سے
کس سے وہ صبر ہو جو ہوا اس جناب سے
مریخ کانپ جاتا تھا جن کے عتاب سے
مسجد میں خود جگا دیا قاتل کو خواب سے
ہر چند جانتے تھے کہ تیغ اس کے پاس ہے
فرمایا چل نماز کو کیوں بے حواس ہے

۲۲

ورثہ میں تم نے پایا ہے دو صابروں کا صبر
شاکر رہو ہزار ستم ہوں ہزار جبر
ٹھہرو نہ مثلِ برق نہ رو مثلِ ابر
آخر ہے سب کے واسطے آزارِ مرگ و قبر
یاں سیکڑوں نبی ہوئے شکلیں بگڑ گئیں
بہنوں سے بھائی بھائی سے بہنیں بچھڑ گئیں

۲۳

ہوتا اگر نہ قتل تو آتی نہ کیا اجل
رہنے کی ہے نہ جا نہ ٹھہرنے کا ہے محل
گر آج بچ گئے تو یہی مرحلہ ہے کل
دنیا میں صبر سے نہیں بہتر کوئی عمل
آتا نہیں وہ پھر کے کبھی جو جدا ہوا
روئے پدر کے واسطے برسوں تو کیا ہوا

۲۴

زینبؑ نے عرض کی کہ بجا ہے یہ سب کلام
انصاف کیجیے یہ بکا کا نہیں مقام
پر کیونکر اپنے دل کو میں سمجھاؤں یا امام
کس گھر پہ ایک دن میں ہوا ہے یہ قتل عام
چشموں سے جوئے اشک نہ کیونکر رواں رہے
بچہ رہے نہ پیر رہے نے جواں رہے

۲۵

نکلے تھے گھر سے چار جنازے نہ ایک بار
اب تو فقط ہیں آپ ہی یا شاہِ نامدار
تھا میرے سر پہ ایک کے بعد ایک غمگسار
بابا کی، ماں کی، بھائی کی، ہیں آپ یادگار
اولاد قتل ہو گئی ماں باپ اٹھ گئے
پھر کون سرپرست ہے جب آپ اٹھ گئے

۲۶

دنیا میں کوئی مجھ سا نہ ہوئے گا سخت جاں
دنیا سے اٹھ گیا علیؑ اکبر سا نوجواں
مجھکو اجل بھی بھول گئی یا شہِ زماں
اب تک جہاں میں بیٹھی ہے یہ پیرِ ناتواں
سب میری عمر آہ و بکا میں گذر گئی
اماں کا گھر اجڑ گیا اور میں نہ مر گئی

۲۷

ناشاد ماں نے بھائی سے ہنگام احتضار
شبیرؑ ہے تمہارے واسطے یہ سوگوار
حضرت سے یہ کہا تھا کہ زینبؑ سے ہوشیار
اب مجھ کو سونپتے ہیں کسے شاہِ نامدار
اماں جو کہہ گئی ہیں اسے یاد کیجیے
کچھ تو بہن کے باب میں ارشاد کیجیے

۲۸

بیٹھوں کہاں جو فوجِ ستم لوٹنے کو آئے
اے بیٹے مرے نصیب بُرے ہیں ہائے ہائے
اتنا تو ہو کوئی کہ یہ کہنہ ردا بچائے
اماں کو آج ڈھونڈھ کے زینبؑ کہاں سے لائے
چادر اوڑھائے کون جو عریاں سر پھروں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ میں دربدر پھروں

۲۹

شہ نے کہا یقیں نہیں لازم یہ اضطرار
گر قید ہو گئیں تو چھڑائے گا کردگار
راہِ خدا میں ہے یہ اسیری بھی افتخار
ہے ذات اس کی راحم و ستار و پردہ دار
سمجھو مرے سخن کو بہن با تمیز ہو
میں اُس کو سونپتا ہوں کہ جس کی کنیز ہو

۳۰

لو الوداع جاتے ہیں پھر اب ہم نہ آئیں گے
سر دے کے عاصیوں کے گنہ بخشوائیں گے
اس تین دن کی بھوک میں تلواریں کھائیں گے
اب بعد عصر نانا کی خدمت میں جائیں گے
ہشیار ان سے رہیو کہ نازوں کے پالے ہیں
زینبؑ یہ سب یتیم تمہارے حوالے ہیں

۳۱

شب کو جو مجھ کو ڈھونڈھ کے روئے سکینہؑ جان
تو بیبیو کریم تمہارا نگہبان
زینبؑ خدا کے واسطے رکھیو تم اس کا دھیان
تو شہر بانو ہوتا ہے رخصت یہ میہمان
کہنا کہ حشر سے دلبر زہراؑ کو دیکھ لے
سجادؑ کو جگا دو کہ بابا کو دیکھ لے

۳۲

یہ کہہ کے خود چلے گئے شہنشاہِ بحر و بر
دو بیبیاں سنبھالے ہیں بازو ادھر ادھر
دیکھا کہ آپ آتے ہیں سجادؑ نوحہ گر
ہے دستِ رعشہ میں عصا اور جھکا ہے سر
چہرے سے ہے عیاں کہ سراپا میں درد ہے
مانند زعفران رخِ پرنور زرد ہے

۳۳

کہنے لگے یہ جوڑ کے امامِ فلک اساس
کیا حال اب مزاج کا ہے اے خدا شناس
کیوں آئے تم کہ آتے تھے ہم خود تمہارے پاس
خود بے خبر ہیں صبح سے ہے یہ بجز یاس
ہم سا بھی کوئی ہوگا نہ بیکس زمانے میں
آیا ہے وقت ظہر کا لاشے اُٹھانے میں

۳۴

یہ سب قبا پہ سینۂ اکبرؑ کا ہے لہو
یہ بھینی بھینی سب ہے اسی کے بدن کی بو
بے جان ہوا ہے گود میں میری وہ ماہ رو
ہم سر کٹا کے مرنے گئے اس کے روبرو
نیزہ ستم کا چاند سے سینہ پہ چل گیا
وہ کیا بچھڑ گئے کہ کلیجہ نکل گیا

۳۵

شکرِ خدا کہ اب نہیں باقی کسی کا دم
ہمدم نہیں ہے کوئی بجز خنجرِ دو دم
سُن دو تن میں ہے فقط اپنا ہی ایک دم
مقتل سے سب کی لاشیں اٹھا لائے ہیں ہم
کٹ کر یہ سر سناں پہ جو چڑھنے کو جائے گا
حیرت ہے کون لاش ہماری اٹھائے گا

۳۶

جس دم سنا حسینؑ سے یہ درد کا بیان
بغلوں میں ہاتھ دے کے یہ بولے شہِ زماں
رو کر قدم پہ گر پڑے سجادؑ ناتوان
بس بس غش آ نہ جائے کہیں اے پدر کی جان
اس تپ میں بیڑیوں کی مصیبت اٹھائی ہے
بیٹا ابھی بہت کہیں آفت اٹھانی ہے

۳۷

بستر پہ جا کے لیٹ رہو اور کوئی دم
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے تب وہ اسیرِ غم
مہلت نہ دیں گے پھر یہ لعین بانیِ ستم
چھوڑوں گا میں نہ قبلۂ کونین کے قدم
بیٹا نہ ایسے وقت میں بابا کے ساتھ ہو
بیمار چاہیے کہ مسیحا کے ساتھ ہو

۳۸

قابل نہیں ہے تیغ کے گو دستِ رعشہ دار
کچھ غم نہیں جو تپ سے دہکتا ہے جسمِ زار
کھائے گا نیزے آپ کے بدلے یہ جاں نثار
اللہ کو جب چڑھے تو اتر جائے گا بخار
لڑنا ہے سہل قید میں جایا نہ جائے گا
خادم سے بارِ طوق اٹھایا نہ جائے گا

۳۹

شہ نے کہا کہ اس میں نہیں جائے دم زدن
مجبور ہاں سے تم نہ شکایت سے کچھ سخن
بیٹا یہی ہے مصلحتِ ربِ ذوالمنن
نقصان کیا ہے طوق ہو گردن میں یا رسن
ہے اختیار طاق ما دل کے واسطے
ظلمت گہن کی ہے مہِ کامل کے واسطے

۴۰

عالم ہے ذاتِ پاکِ خدا اے خجستہ خو
ہر وقت چاہیے سرِ طاعت رہے فرو
عمدہ وہی دیا اسے لائق تھا جس کے جو
راحت ہے اس کی راہ میں ایذا جو ہو سو ہو
سب اس جہان میں آئے ہیں جانے کے واسطے
پیدا ہوئے ہیں رنج اٹھانے کے واسطے

۴۱

قاسم کے تن کے واسطے تھے خنجر و حسام
اکبر کو حکم تھا کہ سناں کھا کے ہوں تمام
بے دست ہو یہ تھا مرے بھائی کے پانے نام
گردن کشائیں تیغ سے یہ ہے ہمارا کام
حکمِ خدا میں بس ہے نہ ماں کا نہ باپ کا
پہلو گلے میں طوق یہ حصہ ہے آپ کا

۴۲

صبر آپ تمھارا ارث ہے یہ جانتے ہیں سب
بچوں کا یاں سے قہر ہے اللہ کا غضب
ہوتا ہے تپ سے شیر کی طاعت میں فرق کب
سب عاجزی یہ بخششِ امت کا ہے سبب
بہتر ہے وہ جو مرضیِ ربّ العباد ہے
اے نورِ عین صبر تمھارا جہاد ہے

۴۳

باندھیں اگر رسن میں گلا یہ ستم شعار
ہر شے کا ہر مقام پہ موقع ہے میں نثار
تم جانتے ہو کہ ہم ہوئے دادا کے ورثہ دار
کیا کیا نہ کافروں سے لڑے شیرِ کردگار
توڑا تھا ایک دن درِ خیبر جہان میں
اک روز تھا انھیں کا گلا ریسمان میں

۴۴

اس دن جو کرتے جنگ تو تھا دین کا ضرر
موقع نہ تیغ کا ہو تو پھر ڈال دے سپر
جرأت کے سو محل ہیں شجاعت کے سو ہنر
دیکھا ہی روز آج ہے صدقے ہو یہ پدر
گردن جھکا دو آج جو اس میں فلاح ہے
حکمِ نبی تھا وہ یہ ہماری صلاح ہے

۴۵

اب تو تمہیں ہو وارثِ ذرّیتِ پدر
بے جاں ہوئے تو کون سنبھالے گا میرا گھر
محرم کوئی تو ہو جو کہیں بیبیوں کے سر
قائم رہے گی تم سے مری نسل اے پسر
ناموسِ مصطفیٰ کے مدار المہام ہو
تم میرے بعد سارے جہاں کے امام ہو

۴۶

گر چلتے وقت تم کو اگر آگیا جلال
زنجیر و طوق سامنے لائیں جو بدخصال
ہو جائے گی تباہ رسولؐ خدا کی آل
تم میری بیکسی کی طرف کیجیو خیال
مطلق نہ ہو ملال کوئی ناری جو گرم ہو
دکھلائیو وہ صبر کہ آہن بھی نرم ہو

۴۷

حق نے کیا ہے اب تمہیں سردار قافلہ
کڑیاں بھی جھیلتے رہیں خدا دے جو صلہ
صابر جو ہیں زباں سے وہ کرتے نہیں گلہ
بیڑی کو جانیو کہ ہے بخشش کا سلسلہ
چشموں سے خوف حق میں رواں جوئے اشک ہو
گردن میں یوں ہو طوق کہ قمری کو رشک ہو

۴۸

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے بیمار تشنہ کام
اچھا اسیر ہونے کو حاضر ہے یہ غلام
جو مصلحت کریم کی جو مرضیِ امام
پیدل خدا کی راہ میں جاؤں گا تا بہ شام
جب تک کہ بیڑیوں میں اسیر ستم رہوں
حضرت دعا کریں کہ میں ثابت قدم رہوں

۴۹

فرمایا شاہ نے کہ خدا حافظ اے پسر
بہو بہن کو گود میں لٹنے لگے جو گھر
فرصت ملے تو آئیو بابا کی لاش پر
اپنی عبا اڑھائیو عریاں کا کھلے جو سر
لینا خبر رسن میں اگر ان کا ہاتھ ہو
زینبؑ تمہارے ساتھ ہیں تم ان کے ساتھ ہو

۵۰

جب رن میں بعد عصر شہِ بحر و بر چلے
چلائی دوڑ کر یہ سکینہ کدھر چلے
پیچھے امام دیں کے حرم ننگے سر چلے
فرمایا شہ نے خالقِ اکبر کے گھر چلے
وہ بولی کیا اب آپ نہ تشریف لائیں گے
تھرا کے کہا حسینؑ نے ہاں اب نہ آئیں گے

۵۱

بیت الشرف سے نکلے جو سلطانِ بحر و بر
حضرت نے باگ تھام کے دیکھا ادھر ادھر
دیکھا کہ ذوالجناح کھڑا ہے جھکائے سر
کوئی نہ دوست تھا نہ برادر نہ تھا پسر
تنہائی حسینؑ پہ زہراؑ نے رو دیا
غربت پہ اپنی خود شہِ والا نے رو دیا

۵۲

اس دم یہ جبرئیلؑ کو حق کا ہوا خطاب
گردن جھکائے روتا ہے وہ مالک الرقاب
سب مر چکے اکیلا ہے فرزند بوتراب
ہاں جا کے تھام لے مرے پیغمبرؐ کی رکاب
کام آئے گی ہر اک کو محبت حسینؑ کی
بس آخری رہی ہے یہ خدمت حسینؑ کی

۵۳

روح الامیں نے آکے جو تھامی رکابِ شاہ
اللہ ری شان و شوکت و اقبال و عز و جاہ
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا وہ عرش بارگاہ
گویا براق پر تھے رسولِ فلک پناہ
تھا اک عروج خلق کے سرتاج کے لیے
غل تھا حسینؑ جاتے ہیں معراج کے لیے

۵۴

حوریں تھیں ساتھ ساغرِ کوثر لیے ہوئے
جبریل تھے نجات کا دفتر لیے ہوئے
قدسی جلو میں تھے طبقِ زر لیے ہوئے
جھولی میں تھی نسیم گلِ تر لیے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادیٔ عنبر سرشت میں
دولہا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

۵۵

چہرے سے آشکار تھی خیرالوریٰ کی شان
زہرا کا حسن اور حسن مجتبیٰ کی شان
پیدا تھی سر سے تا بہ قدم مرتضیٰ کی شان
ایسے حسیں بھی ہوتے ہیں بندے خدا کی شان
ششدر ملک تھے دیکھ کے چہرہ جناب کا
جلوہ تھا ایک چاند میں چار آفتاب کا

۵۶

ان گیسوؤں کی مدح کرے کیا کوئی رقم
رکھتے ہیں موشگاف بھی یاں سوچ کر قدم
شانے پہ بھی کھلا نہ کبھی جن کا پیچ و خم
تاریک شب ہے دیکھ کے چل راہ اے قلم!
اے بے خبر یہ کوچۂ زلف سیاہ ہے
لغزش نہ ہو کہ بال سے باریک راہ ہے

۵۷

کیا ذکر عطر و عنبر و مشک و عبیر و عود
کرتی ہے بوئے زلف رسا عرش تک صعود
سونگھیں اگر یہ بو تو ملائک پڑھیں درود
ژولیدہ اک گیاہ ہے سنبل کی کیا نمود
نسبت ہے گیسوؤں کی زمیں آسماں سے
عنبر میں کب یہ بو ہے کہ سارا جہاں بسے

۵۸

چہرہ ہے گیسوؤں میں کہ اسے جا ہے قمر
طول اس کلام میں ہے بہت قصہ مختصر
پیدا سواد شام میں ہے جلوۂ سحر
ہاں اب درود پڑھ کے جبیں پر کرو نظر
یاں کیا فروغ روشنی کوہ طور کو
دیکھو اس آئینہ میں محمدؐ کے نور کو

۵۹

تارا یہ صبح کا ہے کہ سجدے کا ہے نشان
ہر تیر مژہ کے تصدق ہزار جان
قرباں ہے ابروؤں کی کشش پر ہر ایک کمان
دیکھیں تمام عمر تو خاطر نہ ہوں نشان
شرمندہ حسن چشم سے آہو تتار کے
نرگس کے پھول پھینک دو صدقے اتار کے

۶۰

نیلم ہیں گو کہ فرط عطش سے عقیق لب
اپنی زباں چوسائیں جسے سید العرب
نسبت بھلا ہے لعل بدخشاں سے ان کو کب
سو دیر ملے نہ آب سے آبؐ ہے غضب
ایسی تھی دشمنی عمر و تیرہ بخت کو
وہ کون ہیں جو دیتے ہیں پانی درخت کو

۶۱

قربان آب گوہر دنداں سب سے عدیل
پایا ہے اختروں نے یہ کب رتبۂ جلیل
مشتاق جن کے کوثر و تسنیم و سلسبیل
ہیروں کو بھی صفا میں ہے دعوائے بے دلیل
ان میں یہ آب و تاب نہ یہ رنگ و ڈھنگ ہے
یہ نور کی صدف کے گہر ہیں وہ سنگ ہے

۶۲

پوچھے یہ جوہری کوئی دُرِ خوش آب سے
ادنیٰ کا کیا مقابلہ عالی جناب سے
رشتہ نہیں ہے کچھ بھی رسالت مآب سے
یہ شیر فاطمہؑ سے بنے وہ سحاب سے
یہ زیب گوشوارۂ عرش عظیم ہیں
دعویٰ ہے کیا بڑے ہوئے در یتیم ہیں

۶۳

وہ ریش پاک روئے ضیا پرور جناب
وہ صبح شیب کی ہے تو یہ ہے شب شباب
گویا کہ جوف لیل سے نکلا ہے آفتاب
دن اس سے بہرہ مند ہے شب اس سے فیضیاب
ہو اس طرح کا چاند شب تار کے لیے
ایسی ہو رحل مصحف رخسار کے لیے

مصرع	بند	مصرع
آئینہ گلوئے مبارک کو کیا لکھوں	۶۴	بدر الدجیٰ بتاؤں کہ شمس الضحیٰ لکھوں
با شمع بزم فاطمہؑ و مرتضیٰ لکھوں		بابوسہ گاہ حضرت خیرالوریٰ لکھوں
پروانہ وار صدقے ہیں عاشق حضور کے		ڈھالا ہے شمع طور کو سانچے میں نور کے
شانے وہ ہیں کہ جن پہ شفاعت کا بار ہے	۶۵	بازو کی آستیں سے ضیا آشکار ہے
ساعد ہیں قوت اسد کردگار ہے		پنجہ وہ جس کے قبضے میں خود ذوالفقار ہے
ہے چاند سی ضیا کف نیکو سرشت کی		دس انگلیاں کلید ہیں آٹھوں بہشت کی
کیونکر بشر سے ہو صفت سینۂ امام	۶۶	ایماں کی جان علم کا گھر عدل کا مقام
قرآن کا اور اس کا برابر ہے احترام		رتبے میں کیا سخن ہے برابر ہیں کیا کلام
مصحف ہے اُن کے سینۂ انور کے واسطے		سینہ ہے اُن کا مصحف اکبرؑ کے واسطے
کیسا یہ انقلاب ہے اے چرخ بے مدار	۶۷	ہر لعین اسی پہ رکھے پائے چکمہ دار
سینہ ہو جس کا مخزن اسرار کردگار		دوڑائیں گھوڑے اس پہ ہزارہا کارزار
دشمن بھی یوں بلا میں کوئی مبتلا نہ ہو		ایسے ستم ہوں اور قیامت بپا نہ ہو
کیا بات اس ولی کے قدم کے ثبات کی	۶۸	تھی جس کے فیض سے برکت کائنات کی
قائم بنا انھیں سے ہے صوم و صلوٰۃ کی		ہر نقش پا دکھاتا ہے صورت نجات کی
لکھی ہوئی ہے سیر ارم سرنوشت میں		پیرو انھیں کے جائیں گے سیدھے بہشت میں
بالائے سر عمامۂ محبوب کردگار	۶۹	گورا وہ رنگ اور وہ ریش خضاب دار
حمزہؑ کی ڈھال دوش پہ قبضے میں ذوالفقار		رخ سے خدا کے شیر کا سا رعب آشکار
بے خیرگی نگاہ کو حسن جناب سے		آنکھیں ملا سکا ہے کوئی آفتاب سے
چتر زری لگائے تھا واں ابن سعد شوم	۷۰	دو سو تھے گرد و پیش رئیسان شام و روم
وہ شور و دار و گیر کا وہ فوج کا ہجوم		وہ جا بجا نقیبوں کا غل صف کشی کی دھوم
چھایا ہوا تھا ابر ستم میہمان پر		کیا آ بنی تھی بیکس و تنہا کی جان پر
پھیکا پڑا تھا دھوپ میں زہراؑ کا نازنیں	۷۱	ٹاپیں فرس اٹھاتا تھا جلتی تھی یہ زمیں!
رخ سے پسینہ پونچھ کے کہتے تھے شاہ دیں		بھیجے خبر غلام کی یا ختم مرسلیں!
سر پر خدا ہے یا مرے مالک حضور ہیں		امت کا حال کس سے کہوں آپ دور ہیں
نانا بس اب نواسے کو جلدی بلائیے	۷۲	مقتل میں آکے حال مرا دیکھ جائیے
کوثر سے بھر کے جام کوئی ساتھ لائیے		پیاسا ہوں تین روز کا پانی پلائیے
ہوتا ہے وہ ستم جو مروت سے دور ہے		امت سے پوچھیے کہ مرا کیا قصور ہے

۷۳
عالم مسافرت کا ہے یا سید البشر
جب آگ سے جلائیں گے خیموں کو اہلِ شر
تنہا ہوں آپ کوئی نہ برادر نہ ہے پسر
بچوں کو لے کے جائیں گی سیدانیاں کدھر
غارت گروں کا غول جو در آئے گا
اس وقت کون چادرِ زینبؑ بچائے گا

۷۴
حضرت کی آلِ پاک کے دشمن ہیں تیغ زن
کشتے سب اپنے دفن کیے یا شہِ زمن
ان باغیوں نے لوٹ لیا آپ کا چمن
اکبرؑ کی لاش کو کوئی دیتا نہیں کفن
سب نقش ہیں سگوں کے تنِ پاش پاش پر
گھوڑے پھرائے ہیں مرے قاسمؑ کی لاش پر

۷۵
آئی صدائے حضرتِ محبوبِ کردگار
پیارے میں دیکھتا ہوں یہ سب تیرا حالِ زار
اے بیکس و غریب نواسے ترے نثار
امت نہ کی آہ تجھے میری یادگار
بچے یہ پیاس کے نہیں صدمے گزرتے ہیں
خنجر سے اہلِ ظلم تجھے ذبح کرتے ہیں

۷۶
روتے ہیں آج صبح سے حیدر ترے لیے
پھرتی ہے مضطرب تری مادر ترے لیے
شبیرؑ بے قرار ہیں شبرؑ ترے لیے
میں پیٹتا ہوں اے مرے دلبر ترے لیے
خالی ہے اے حسینؑ تری جا بہشت میں
تو میرے پاس رات کو ہوگا بہشت میں

۷۷
کس جا چھپیں گے روزِ قیامت کو اہلِ شام
گھبرا نہ تو اے مرے شبیرؑ تشنہ کام
اللہ سب سے لے گا ترے خوں کا انتقام
بس آج عصر تک ہے یہ سب مرحلہ تمام
ایذا کے دن گزر گئے راحت سے سوئیں گے
پانچوں خدا کے نور بہم آج ہوئیں گے

۷۸
رضواں کھڑا ہے کھولے ہوئے در ترے لیے
رکھے ہیں سلسبیل کے ساغر ترے لیے
آراستہ ہوا ہے نیا گھر ترے لیے
لہرا رہا ہے چشمۂ کوثر ترے لیے
غرفے کھلے ہیں فوجِ ملک کا ہجوم ہے
حوروں کے غول میں تری آمد کی دھوم ہے

۷۹
پھولا نہیں سماتا ہے فردوس کا چمن
عالم یہ ہے بہشت کا اے میرے کم سخن
بالیدگی سے ٹکڑے ہوا جاتا ہے بدن
پہنے ہو جیسے پھولوں کا گہنا نئی دلہن
کیا کیا ہیں قصر لعل کے اعلیٰ بنے ہوئے
غل ہے حسینؑ آتے ہیں دولہا بنے ہوئے

۸۰
نرگس کی چشمِ تر کو ترا انتظار ہے
طوبیٰ کے برگ برگ کا دل بے قرار ہے
ہر نخلِ میوہ دار کو فکرِ نثار ہے
اے گل ترا فراق درختوں پہ بار ہے
بھڑکی ہے آگ عشق کی لالہ کے داغ میں
سب ڈالیاں بھی گردنیں ڈالے ہیں باغ میں

۸۱
خیر النسا کے ماہ پہ جب چھا گئی سپاہ
تنہا جو ابنِ فاطمہؑ کو پا گئی سپاہ
کچھ شہ پہ آئی کچھ سوئے دریا گئی سپاہ
نیزہ اٹھا اٹھا کے قریب آ گئی سپاہ
ڈالی جو سب نے آنکھ شہِ ارجمند پر
بیٹھے سنبھل کے قبلۂ عالم سمند پر

۸۲

کاندھے پہ ذوالفقار کو رکھ کر یہ دی صدا
تنہا تو ہوں مگر بخداوندی حصدا
بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے قوم اشقیا
سر و شتے پھریں گے بیاباں میں جا بجا
پھر دم رنے کی تیغ علی خوں میں پیر کے
پیچھے قدم ہٹاؤ جو طالب ہو خیر کے

۸۳

ہم تیر مانتے ہیں بڑی بھوک پیاس کو
عیش و طرب سمجھتے ہیں اندوہ و یاس کو
چڑھتی ہے بام تک آتے ہوئے تپ ہراس کو
جس دل سے جوش ہے نہیں چھوڑا حواس کو
دل خوں ہوا پہ چشم کو پر نم نہیں کیا
اکبر سے نوجوان کا بھی ماتم نہیں کیا

۸۴

غالب رہے سدا سپہ روم و شام پر
رغبت نہیں ذرا آب پہ ہے نے طعام پر
نصرت کا ہے مدار ہماری حسام پر
عزت پہ جان دیتے ہیں مرتے ہیں نام پر
پیتے ہیں کچھ تو خالق اکبر سے لیتے ہیں
ہم آپ فاقے کرتے ہیں سائل کو دیتے ہیں

۸۵

دنیا کو ہیچ پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دانا جو ہیں وہ مزرعۂ عقبیٰ سمجھتے ہیں
وہ خود برے ہیں جو اسے اچھا سمجھتے ہیں
بے اصل و مختصر ہم اسے کیا سمجھتے ہیں
نے تخت سے غرض ہے نہ شاہی سے کام ہے
درویش کو رضائے الٰہی سے کام ہے

۸۶

ناحق شکستہ دل کو ستانے سے کیا حصول
بیکس پہ تیغیں تول کے آنے سے کیا حصول!
دکھتے ہوئے جگر کو دکھانے سے کیا حصول
اک بے گنہ کے خون بہانے سے کیا حصول
مضطر ہیں ورثہ دار جناب امیرؑ کے
واللہ مال و زر نہیں گھر میں فقیر کے

۸۷

ہیں میرے ساتھ چند جو سیدانیاں غریب
ان سب کو دوست رکھتا ہے اللہ کا حبیب
بیکس عزیز مردہ جفاکش بلا نصیب
رشتے میں ہیں رسولؐ خدا سے بہت قریب
تھی غیر فقر کون سی دولت علیؑ کے پاس
زر کیا ذرہ تلک نہیں ثابت کسی کے پاس

۸۸

توکل ہے زیور ان کا تو شرم و حیا لباس
ہیں سالک طریق بتولؑ فلک اساس
ہاں ایک نقد عصمت و عفت ہے سب کے پاس
اک اک خدا پرست ہے اک اک حق شناس
سب مرتضیٰ علیؑ کے چلن ان کو یاد ہیں
ایذا میں شکر کرتی ہیں فاقوں میں شاد ہیں

۸۹

ہر دم ہیں محو بندگی رب بے نیاز
روتی ہیں جب تو ہوتا ہے پتھر کا دل گداز
سجدے میں حق سے کہتی ہیں اپنے دلوں کا راز
دامن وہ پاک ہیں کہ فرشتے پڑھیں نماز
کچھ قدر مال و زر نہیں ان کی نگاہ میں
جیتوں کو صدقے کر دیا خالق کی راہ میں

۹۰

چلایا ابن سعد ستم پیشہ و جہول
لوٹیں گے بستہ فتح و ظفر خانۂ بتول
یہ نحو نا پسند ہے یہ عذر نا قبول
تیغ دو دم کو کھینچئے باتوں سے کیا حصول!
مرسل ہو یا امام ہو کچھ مانتے نہیں
پتھر ہیں قلب رحم کو ہم جانتے نہیں

۹۱

کیا رحم کی جوانیٔ اکبر پہ تھی نہ جا — مارا اسے خبر نہ ہوئی ہم کو مطلقا
ہنگام نزع اپنی زباں کو دکھا دکھا — بیٹھے تھے مانگتا تھا جو پانی وہ مہ لقا
برچھیوں کی گھر سے قسم کھا کے آئے ہیں — گھوڑے اسی کی لاش پہ دوڑا کے آئے ہیں

۹۲

غیظ آگیا یہ سن کے شہ نامدار کو — کھینچا کمر سے شکل علیؑ ذوالفقار کو
جلوہ دیا جو صاعقۂ شعلہ بار کو — دہشت سے تپ چڑھی فلک بے مدار کو
سب کو یقیں ہوا کہ دو عالم الٹ گئے — روح الامیں بھی چھوڑ کے سدرہ کو ہٹ گئے

۹۳

نعرے سے دشت گونج گیا ہل گئے جبال — جھکتے تھے بار بار درختوں کا تھا یہ حال
شیروں کے تن پہ ڈر سے کھڑے ہو گئے تھے بال — دبکے ہوئے تھے چوکڑی بھولے ہوئے غزال
جنگل سے کوہ تک جو شرر اڑ کے آئے تھے — دہشت سے اژدہے بھی دم اپنا چرائے تھے

۹۴

چمکی اُدھر تو تیغ شہنشاہ قلعہ گیر — کوندا ادھر زمیں پہ سمند فلک سریر
شوخی میں بے بدل تھا فراست میں بے نظیر — کی تیز رو نے جست کہ نکلا کماں سے تیر
ہر صف کبھی رکی ہے بھلا اور پیچ میں — اُترا صفوں کو پھاند کے لشکر کے بیچ میں

۹۵

بجلی گری کہ تیغ شہ بحر و بر چلی — گل کر کے بڑھ کے تو بالائے سر چلی
پہنچی شکست ادھر یہ عدو کش جدھر چلی — آگے چلی جو فتح تو پیچھے ظفر چلی
گر گر کے پائمال زبردست ہو گئے — لشکر کے سربلند جواں پست ہو گئے

۹۶

دُعا لیں اُٹھا کے جب وہ ستم کی گھٹا بڑھی — مانند برق کوند کے یہ جاں گزا بڑھی
ہر سو اُٹھا یہ شور کہ سیل فنا بڑھی — وہ کیا بڑھی کہ کھولے ہوئے منہ قضا بڑھی
آفت کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا — گویا چھری لیے ملک الموت ساتھ تھا

۹۷

بازو کسی کا تن سے جدا تھا کسی کا سر — دو دو تھا بہ شکل لا کوئی گردن سے تا کمر
کوئی تڑپ رہا تھا ادھر اور کوئی اُدھر — بیٹے سے چھٹ گیا تھا پدر باپ سے پسر
بھاگڑ میں اہل ہوش بھی سب بدحواس تھے — زندہ جو تھے وہ کشتۂ تیغ ہراس تھے

۹۸

اک وار روکنا انھیں دشوار ہو گیا — وہ ہاتھ جس جواں پہ چلے چار ہو گیا
جو آزمودہ کار تھا بیکار ہو گیا — کشکر سروں کا کھیت میں انبار ہو گیا
ہر صف لہو کے آنسوؤں سے رو کے رہ گئی — سارے ستم کی کشت درو ہو کے رہ گئی

۹۹

حق نے دیا تھا تیغ علیؑ ولی کو جس — آفت تھی اس کی باڑھ قیامت تھا اس کا کس
بیدل تھے راس و چپ تو پیادے تھے پیش و پس — لیکن وہ جب چلی نہ چلا کچھ کسی کا بس
سر ان کے اڑ گئے جنھیں دعویٰ جدل کا تھا — رو کے سپر کے وہ طلا تیغ اجل کا تھا

۱۰۰

جس صف پہ جس پرے پہ وہ خوں خوار چل گئی
گویا چمک کے برق گری اور نکل گئی
ساتھ اس کے دشمنوں کے سروں پر اجل گئی
کٹتے تو کیا زمیں بھی حرارت سے جل گئی
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
شعلے پناہ مانگتے تھے اس کی آنچ سے

۱۰۱

بھڑکی تھی آگ ظلم کی جنگل میں ہر طرف
لامع تھی تیغ شام کے بادل میں ہر طرف
اک الاماں کا شور تھا مقتل میں ہر طرف
گرتی تھی برق کوند کے ہر دل میں ہر طرف
گر گر کے ریگ گرم پہ ناری پھڑکتے تھے
تن سے لہو نہ اڑتا تھا شعلے بھڑکتے تھے

۱۰۲

تکبیر کی صدا تو ادھر سے بلند تھی
موج آب ذوالفقار کی سر سے بلند تھی
فریاد و آہ لشکر شر سے بلند تھی
ندی لہو کی رن میں کمر سے بلند تھی
سب خوں گرفتہ کشتۂ تیغ عذاب تھے
موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے

۱۰۳

غل تھا علی کی تیغ کا نشہ ہے کہ قہر ہے
لوہے میں اس کے آب ہے پانی میں زہر ہے
دم خم میں گھاٹ بازوؤں میں گنگائے دہر ہے
تلوار کی چمک نہیں افعی کی لہر ہے
دل کانپتا ہے کون اجل سے دوچار ہو
اس کی ہوا لگے تو کلیجے کے پار ہو

۱۰۴

رستم بھی اس کے منہ پہ ٹھہرتا نہیں کبھی
وہ زخم ہے اسی کا جو بھرتا نہیں کبھی
ڈوبے جو گھاٹ پر وہ ابھرتا نہیں کبھی
زہر اس کا جب چڑھا تو اترتا نہیں کبھی
جنات اس کے سامنے سے پرہیز کرتے تھے
یہ وہ بلائے بد ہے کہ ساحر بھی ڈرتے تھے

۱۰۵

چمکی وہ جب تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑے
سر کٹ کے پانچ سات کے اک بار گر پڑے
گھوڑوں سے ڈر کے خاک پہ اسوار گر پڑے
آگے سے جو دو بھاگ گئے چار گر پڑے
کس اس کا دیکھ لیتی تھی وہ جس میں کھوٹ تھی
تلوار کی بھی چار پہ ہر بار چوٹ تھی

مطلع چہارم

جب رن میں وقت عصر کے تنہا لڑے حسینؑ
ایسا لڑا نہ کوئی کہ جیسا لڑے حسینؑ
حیدر کی شان سے لب دریا لڑے حسینؑ
اللہ ری حرب لاکھوں سے تنہا لڑے حسینؑ
غل تھا خدا کی راہ میں یوں دو ولی لڑے
یا فاطمہؑ کا لال لڑا یا علیؑ لڑے

۱۰۶

دو ہاتھ حق نے خلق کیے بہر ذوالفقار
ایماں قوی جو اس سے تو دیں اس سے استوار
دست حسینؑ و دست ید اللہ نامدار
رونق وہ شرع کی تو یہ اسلام کا وقار
عقدے ظفر کے اوروں کے ناخن سے کیا کھلیں
ہاتھ ایسے ہوں تو جوہر تیغ خدا کھلیں

۱۰۸

اللہ رے حسینؑ کا وہ آخری جہاد
ہر ضرب پر علیؑ ولی دے رہے تھے داد
بھولے گی حشر تک نہ زمانے کو جس کی یاد
لرزاں تھا خوف سے عمر سعد بد نہاد
فوجیں کٹی پڑی ہوئی تھیں روم و شام کی
جنگل میں شور تھا کہ دہائی امام کی

۱۰۹

گھوڑا بڑھا کے شاہ یہ کہتے تھے بار بار
سب طرح کا دیا ہے مجھے حق نے اختیار
دیکھی رسولِ حق کے نواسے کی کارزار
طالب نہیں میں فتح کا اے قوم نابکار
امت کی مغفرت سے ہے مطلب حسینؑ کو
لو آؤ بس شہید کرو اب حسینؑ کو

۱۱۰

آئی صدا کہ حضرت محبوب ذوالجلال
یہ سن کے شہ کو شوق شہادت ہوا کمال
ہاں اب تو وقت عصر بھی ہے اے علیؑ کے لال
تلوار رکھ کے میان میں بولا وہ خوش خصال
اب عنقریب خلق سے رحلت ہماری ہے
لے ذوالفقار تجھ سے بھی رخصت ہماری ہے

۱۱۱

یاں اسلحہ اتار کے رکھتے تھے زیں پہ شاہ
ابرِ ستم میں گھر گیا خیر النسا کا ماہ
جو پھر پڑی شکست اٹھائی ادنیٰ سپاہ
تیغوں کی بجلیاں تھیں کہ اللہ کی پناہ
سینہ علیؑ کے شیر کا غربال بن گیا
ناوک ہزارہا جو چلے جسم چھن گیا

۱۱۲

برچھوں کی نوکیں اور تن شبیرؑ ہائے ہائے
بازو وہ اور نیزہ و شمشیر ہائے ہائے
سینہ خدا کے نور کا اور تیر ہائے ہائے
اک جان اور سیکڑوں بے پیر ہائے ہائے
غش آگیا حبیب خدا کے حبیب کو
اتنا نہ تھا کوئی کہ سنبھالے غریب کو

۱۱۳

تیغوں کے وار شاہ پہ چلتے تھے بار بار
ٹکڑے لہو کے منہ سے نکلتے تھے بار بار
زخموں کا خوں چہرے پہ ملتے تھے بار بار
جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
یہ بیکسی بتولؑ کے آرام جاں پہ تھی
لیکن دعائے امت عاصی زباں پہ تھی

۱۱۴

گھوڑے پہ جھومتا تھا وہ امت کا خیر خواہ
زہ ہو گئی لہو میں محمدؐ کی بوسہ گاہ
مارا کسی نے تیر سہ شعبہ گلے پہ آہ
رکھ کر گلے پہ ہاتھ پکارا علیؑ کا ماہ
اچھا شتاؤ روز عدالت قریب ہے
اے ساکنان شام قیامت قریب ہے

۱۱۵

یہ کہہ کے ذوالجناح سے وہ مقتدا گرا
آواز دی زمیں نے کہ عرش علا گرا
ہر زخم سے بدن کے لہو جابجا گرا
زہراؑ پکاری ہائے مرا لاڈلا گرا
ڈیوڑھی پہ اہل بیت ادھر پیٹنے لگے
سجادؑ غش سے چونک کے سر پیٹنے لگے

۱۱۶

فضہ کو دیکھ کر یہ پکارا وہ نوحہ گر
روتا ہے در پہ کون پھوپھی جان ہیں کدھر
دیکھا ہے میں نے خواب میں بابا کو ننگے سر
جلدی بتا مجھے شہ والا کی کچھ خبر
چلائی وہ کہ آل نبیؐ در پہ روتے ہیں
غش آپ کو تھا امام امم ذبح ہوتے ہیں

۱۱۷

اٹھ کر گرا جو ضعف سے وہ زار و ناتواں
بنتِ علیؑ کے بین سے لرزاں تھا آسماں
تکیے پہ سر پٹک کے کہا ہائے بابا جان
بازو تھے شاہ دیں کو سنبھالے تھیں بیبیاں
سیدانیوں کے رونے سے بچے بلکتے تھے
پردے سے سر نکال کے میداں کو تکتے تھے

۱۱۸

پردہ اُٹھا کے ننھے سے ہاتھوں سے بار بار
مقتل سے بابا جان چلے آؤ میں نثار
چلّاتی تھی یہ شہ کو سکینہؑ جگر فگار
رو کر صدا یہ دیتے تھے شبیرؑ نامدار
گردن کٹا کے آج اسی بن میں سوئیں گے
ہٹ جاؤ در سے تم کہ ہم اب ذبح ہوئیں گے

۱۱۹

جی بھر کے دیکھ لیں دمِ آخر جو تم کو پائیں
کس طرح خوں بھری ہوئی صورت تمھیں دکھائیں
ہاتھوں سے پرزے پرزے ہیں سب جسم کیونکر آئیں
بی بی وہاں تلک آنے کی طاقت کہاں سے لائیں
سجدے کریں گے آج ادا فرضِ دین کو
بابا نثار صبر کرو اب حسینؑ کو

۱۲۰

لکھتا ہے ایک راوی غمگیں وہاں کا حال
سن کر صدائے بانوئے خوش خصال
ہمراہ تھا سکینہؑ کے چھوٹا حسنؑ کا لال
نکلا تڑپ کے پیچھے سے باہر وہ خورد سال
گھبرا کے بنت فاطمہؑ باہر نکل پڑی
بیٹے کے ساتھ ماں بھی کھلے سر نکل پڑی

۱۲۱

تصویر تھا حسنؑ کی سراپا وہ ماہرو
عمو کا اشتیاق شہادت کی آرزو
چہرہ تو آفتاب سا اور چاند سا گلو
گردن میں طوق دوش پہ گیسوئے مشک بو
دل بے قرار ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
آنکھیں تو نرگسی مگر آنسو بھرے ہوئے

۱۲۲

کرتا وہ نرم جسم پہ وہ پھول سا بدن
وہ لعل لب کہ جس پہ فدا برگِ یاسمن
خوشبو کہ جس کی پہونچے نہ یوسفؑ کا پیرہن
عمامہ سر پہ سبز قبا سرخ زیبِ تن
یعنی پسر ہوں بادشہِ مشرقین کا
بیٹا حسنؑ کا ہوں تو بھتیجا حسینؑ کا

۱۲۳

بازو پکڑ کے بنت یداللہ نے کہا
چلّائی ہاتھ جوڑ کے ماں غم کی مبتلا
چل گھر میں اے یتیمِ حسنؑ تجھ پہ میں فدا
بیوہ ہوں مجھ پہ رحم کر اے میرے دلربا
قاسمؑ گئے بہشت میں اُن سے تو یاس ہے
اب آسرا خدا کا ہے یا تیری آس ہے

۱۲۴

دیکھا یہ سانحہ تو پکارے شہِ زمن
اعدا کے ہاتھ سے نہ بچے گا یہ گلبدن
لیجاؤ پھیر کر اسے خیمے میں اے بہن
ڈر ہے مجھے کہ دیکھ نہ لیں اس کو تیغ زن
اس کا گلا بھی تیرِ ستم کا ہدف نہ ہو
دیکھو بہن! حسنؑ کی نشانی تلف نہ ہو

۱۲۵

پیٹی ہوئی تھی زینبؑ غمگین و سوگوار
لیکن لہو کے جوش سے دل تھا جو بے قرار
ان کے ننھے پاؤں پہ گرتی تھی بار بار
ہرگز نہ مانتا تھا کسی کی وہ گل عذار
ماں اپنا ہاتھ رکھتی تھی جب دستِ پاک پر
ہٹ ہٹ کے پٹکے پاؤں بچھتا تھا خاک پر

۱۲۶

ماں کہتی تھی کہ آؤ میں قربان جاؤں آؤ
وہ کہتا تھا لباس کے بدلے کفن پنھاؤ
کرتا پھٹا ہوا ہے بدل دوں تو رن میں جاؤ
اماں خدا کے واسطے اب ہم سے ہاتھ اٹھاؤ
عمو کے ساتھ خدمتِ حیدرؑ میں جائیں گے
گر جان جائے گی تو نہ اب گھر میں آئیں گے

١٣٦
کہتا تھا گرد شاہ کے پھر کے وہ لالہ فام
گھر میں نہ جب ہوں آپ تو پھر گھر سے کیا ہے کام
جس جگہ پہ آپ کی قربان جاؤں اے امام
حضرت جہاں رہیں گے رہے گا وہیں غلام
قاسم اسی شبیہ پیمبر کے ساتھ ہیں
اب گھر کہاں کا ہم علی اصغر کے ساتھ ہیں

١٣٧
آتے تھے جتنے تیروں کے حضرت پہ جب شریر
کہتے تھے ایک ایک سے شاہ فلک سریر
بڑھ بڑھ کے ظالموں کو ہٹاتا تھا وہ صغیر
اس کی طرف لگاؤ نہ لے کے گرز و تیغ و تیر
معصوم ہے یتیم ہے اور خورد سال ہے
اے اہل شام یہ زن بیوہ کا لال ہے

١٣٨
وہ کہتا تھا چچا پہ نہ ظلم و ستم کرو
موقوف عزم قتل امام امم کرو
منظور اگر یہی ہے تو مجھ پر ستم کرو
جھکتا ہوں میں بدن سے مرا سر قلم کرو
سمجھو غنیمت اس شہ عالی مقام کو
دنیا میں پھر نہ پاؤ گے ایسے امام کو

١٣٩
تلوار تول کے جو بڑھا اک عدوئے دیں
بولا چڑھا کے کرتے کی ننھی سی آستیں
گھبرا کے تڑپ گیا وہ لعین سیہ جبیں
کیا میرے عم کو قتل کرے گا تو اے لعیں
کافر بھی ہو کوئی تو نہ ایسا عمل کرے
جا دور ہو خدا ترے ہاتھوں کو شل کرے

١٤٠
سن کر یہ بات غیظ میں آیا وہ نابکار
معصوم نے بڑھا دیا ہاتھوں کو ایک بار
چاہا کہ مارے شاہ کو شمشیر آبدار
دونوں کلائیوں پہ لگا اک ستم کا وار
صدمہ ہوا حسن کے دل دردناک پر
بچے کے دونوں ہاتھ گرے کٹ کے خاک پر

١٤١
تڑپا جو گر کے گود میں شہ کے وہ نونہال
ماں نکلی خیمہ گاہ سے بکھرا کے سر کے بال
آئی صدا کہ ہائے ہے ہے حسن کے لال
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے شبیر خوش خصال
ہے ہے یتیم کہہ کے جو ماں بلبلاتی ہے
رن سے حسن کے رونے کی آواز آتی ہے

١٤٢
پانی چچا سے مانگتا تھا وہ مہ منیر
کھینچا جو شہ نے نیزہ تو حالت ہوئی تغیر
مارا کسی نے چاند سی گردن پہ ایک تیر
آغوش سے تڑپ کے گرا خاک پر صغیر
کرتا تمام خون سے گردن کی بھر گیا
دامن میں شہ کے ہچکیاں لے لے کے مر گیا

١٤٣
کہہ کر یہ روئے چرخ پکارے شہ امم
دکھ پر ہے دکھ جفا پہ جفا اور غم پہ غم
یارب ترے حبیب کے ہوتے ہیں یہ ستم
بیکس نہیں ڈگے ہیں ذرا راہ سے قدم
اعدا میں قید زینب عالی صفات ہو
دوزخ سے شیعیان علی کی نجات ہو

١٤٤
غش ہو گئے یہ کہہ کے جو شبیر نامور
شمر و سنان و خولی و حجاج ہیں کدھر
ہنستا پایا فوج کو پسر سعد بد گہر
ہاں جلد کاٹ لو پسر فاطمہ کا سر
بیٹھو نہ جب تلک سر شبیر کٹ نہ جائے
زینب کا تن حسین سے آکر لپٹ نہ جائے

۱۴۵

تاکید کر کے جوں ہی ہٹا وہ عدوئے دیں
تھرائے آسمان لرزنے لگی زمیں
نکلے اٹھائے تینوں کو چالیس اہلِ کیں
تھا غش میں قبلہ رو پسرِ ختمِ مرسلیں
چادر تھی اک لہو کی تنِ پاش پاش پر
رکھے تھے دونوں ہاتھ بھتیجے کی لاش پر

۱۴۶

زرعہ کہ بن انس جو وہیں آیا قریب تر
بھاگا شقی زمیں پہ تلوار پھینک کر
حضرت نے آنکھیں کھول کے دیکھا ادھر ادھر
جو پوچھتا تھا کہتا تھا اس سے وہ بدگہر
کانوں کا ہیں گلا نہ شہِ مشرقین کا
محبوبِ حق کی گود میں ہے سر حسینؑ کو

۱۴۷

ڈر کر کسی نے جب نہ کیا عزمِ قتلِ شاہ
ترکِ ادب کا ڈر ہے کہوں کس زباں سے آہ
خنجر کو تیز کر کے بڑھا شمرِ روسیاہ
چڑھ کر دوں کو ذبح ہوئے شاہِ دیں پناہ
گھر لٹ گیا بتولؑ کا دنیا اجڑ گئی
زینبؑ سے شاہ شاہ سے زینبؑ بچھڑ گئی

۱۴۸

حضرت کو ذبح کر کے ہٹا جب وہ بدگہر
ٹکرائے کوہ آ گئے جنبش میں بام و در
زلفیں پکڑ کے لے چلا سبطِ نبیؐ کا سر
آندھی اٹھی سیاہ کہ اڑ اڑ گئے شجر
غل تھا کہ اٹھ گئی برکت اب جہان کی
قطرے لہو کے گرنے لگے آسمان سے

۱۴۹

ہاں عاشقو حسینؑ کے آہ و بکا کرو
حقِ محبتِ شہِ والا ادا کرو
زہراؑ کا ساتھ دو مددِ مصطفیٰؐ کرو
بے سر ہوئے حسینؑ قیامت بپا کرو
سمجھو شریکِ مجلسِ ماتم بتولؑ کو
سب مل کے دو حسینؑ کا پرسا رسولؐ کو

۱۵۰

یا مصطفیٰؐ حضور کے پیاروں کو روتے ہیں
سن کر حدیث و مرثیہ جانوں کو کھوتے ہیں
یا فاطمہؑ حسینؑ کے قربان ہوتے ہیں
سر پیٹتے ہیں اشکوں سے دامن بھگوتے ہیں
حق داں ہماری یاد شہِ مشرقین کو
پھر کس کو روئیں ہم جو نہ روئیں حسینؑ کو

۱۵۱

بس اے انیس طول سے بہتر ہے اختصار
کم ہے جو اس سخن پہ جواہر کریں نثار
یہ بزم اور آج کا پڑھنا ہے یادگار
بہتر ہے مرثیوں سے تری نظم آبدار
پرپیچ ہے یہ طرزِ خاص کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

سلام

بیکسی کا شہ کی پھر چارہ رہ گیا
مجرئی ماں پیاسا سا رہ گیا

دیر آنے پر یہ جلد آئے رسولؐ
دور دو گھروں کو بس سایا رہ گیا

اللہ اللہ قربِ معراجِ رسولؐ
دو کمانوں سے فرق ادنیٰ رہ گیا

جب گسستہ ہو گیا تارِ نفس
کون سا الفت کا رشتہ رہ گیا

کاتب اعمال بھی رخصت ہوئے
قبر میں ہوگا حساب زندگی
شست و شو سے جو ہوا اُجلا ردیل
جب ہوئی بے پردہ اولادِ رسولؐ
قبر میں رکھکر نہ ٹھہرا کوئی دوست
دیں نقابیں پردگی آل میں
کور ہو تیں اس کا جلوہ دیکھ کر
المختصر سب فوج پہونچی خلد میں
اٹھ گئے مابین کے سارے حجاب
سب ہوئے سیراب تجھ سے اے فرات
تیری سنی پر فلک پھٹ پڑیں
تیر گردن پر جو کھایا دھوپ میں
زخم کھاتے ہی جو اکبرؑ گر پڑے
کہتی تھی ماں سوئے اصغرؑ قبر میں
کس کو اب پہنائے ماں دل جلی
اس قدر تھا خشک حضرت کا گلا
سوؤگے کب تک بس اب اٹھو اجی

ہائے میں غربت میں تنہا رہ گیا
بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا
جامۂ اصلی میں دھبا رہ گیا
پھر جہاں میں کس کا پردہ رہ گیا
میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا
ہم گنہگاروں کا پردا رہ گیا
شکر ہے آنکھوں کا پردا رہ گیا
صاحب لشکر اکیلا رہ گیا
بس فقط آنکھوں کا پردا رہ گیا
قافلہ یثرب کا پیاسا رہ گیا
چور ہو کر دل کا شیشا رہ گیا
بھر کے ٹھنڈی سانس بچّا رہ گیا
چھد کے برچھی میں کلیجا رہ گیا
ہائے خالی آن کا جھولا رہ گیا
چل بسے وہ یہ سلوکا رہ گیا
خنجر قاتل بھی پیاسا رہ گیا
دن بہت غفلت میں تھوڑا رہ گیا

رباعی

پھر بھی حرارت سے پگھل جاتے تھے
جلتے تھے بدن رنگ بدل جاتے تھے
اللہ ری ہوائے گرم روزِ عاشور
جب آتی تھی لو درخت جل جاتے تھے

رباعی

مجموعۂ خاطر ان دنوں ابتر ہے
ہر رگ ہے بدن کی رشتۂ نشتر ہے
بیٹھے سے بھرا ہوا ہے دل شکل حباب
کیا غم ہے جو تن مثل قلم لاغر ہے

۱۰

دشت میں چلتی ہے لوں دھوپ کی شدت کا کمال
جیٹھ بیساکھ کے ایام ہیں اور وقت زوال
سرخ ہے خوں سے قبا دھوپ سے رخسار ہیں لال
نکل آئی ہے زباں منہ سے یہ ہے پیاس کا حال
تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے
ریت اڑ اڑ کے ہر اک زخم میں بھر جاتی ہے

۱۱

تیر بیٹھا ہے جو اس چاند سی پیشانی پر
خوں کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
ہے عجب بیکسی اس فاطمہؑ کے جانی پر
کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر
تیغیں کھا کھا کے لب خشک جو دکھلاتے ہیں
تیر ادھر سے عوض جرعۂ آب آتے ہیں

۱۲

جوں کماں کٹ کے لٹک آئے ہیں ابروئے خم دار
ہیں لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھیں گلنار
بوسے جن ہونٹوں کے لیتے تھے رسولؐ مختار
پیاس سے سوکھ گئے ہیں وہ لب گوہر بار
چاند شرمندہ تھا جن پھول سے رخساروں سے
چاک ہیں شکل کتاں ظلم کی تلواروں سے

۱۳

وادریغا وہ صراحی سا گلوئے انور
وہ رسن تنگ ہوا فاطمہؑ کے سینے پر
ناگوارا تھا نبیؐ کو خط ہیکل جس پر
کاٹنے کو اسے کھینچے ہیں ستمگر خنجر
علم کا گھر ہے جو اور نور کا آئینہ ہے
ہائے تلواروں سے صد چاک وہی سینہ ہے

۱۴

زخمی ہیں ابن ید اللہ کے دونوں بازو
ہائے بیہات کہ بیکدست ہیں شاہ خوش خو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو
انگلیاں ایسی ہیں زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو
پر یہ ہے الفت محبوبؐ خدا کی خاطر
زخمی ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں دعا کی خاطر

۱۵

سخت آفت میں ہے وہ پشت پناہ عالم
کمر پاک ہے بار غم عباسؑ سے خم
علی اکبرؑ کی جدائی کا ہے جانکاہ الم
زانو پر مارتے ہیں دست تاسف ہر دم
وار بے تیغوں کے اعضائے بدن کٹتے ہیں
کمیت پڑے کہیں شیروں کے قدم ہٹتے ہیں

۱۶

ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
کئی سو تیر ہیں گردن سے بھی پہلو سے بھی پار
بال سے خون کی بوندیں ہیں ٹپکتی ہر بار
زخم کھائے ہوئے کی طاقت ہے نہ تاب رفتار
تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہیں سکتا ہے
پھیر کر منہ شہ والا کی طرف تکتا ہے

۱۷

شاہ فرماتے ہیں اے میرے رفیق و ہمدم
ہے بجا اپنے عزیزوں کے برابر ترا غم
ہم سے تو چھٹتا ہے اب تجھ سے جدا ہوتے ہیں ہم
مر کے بھی تجھ کو نہ بھولوں گا میں خالق کی قسم
خلق سے سوئے عدم کوچ کی تیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

۱۸

دیکھے تیری طرح جس نے بھی ہوں زخمی واللہ
فاقہ مجھ پر بھی ہے اور تو بھی ہے بے آب و گیاہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ
تین دن گزرے ہیں پانی سے نہیں ہوں آگاہ
تو زباں خشک جو منہ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسر ساقی کوثر کو حجاب آتا ہے

۱۹
عرض کرتا ہے یہ گھوڑا کہ میں حضرت پہ فدا
تشنہ لب اکبر و اصغر ہوئے پانی نہ [illegible]
پیاس کا میری نہ غم کھائیے ہرگز مولا
کیا میں معصوم سکینہ سے بھی پیاسا ہوں سوا
پھیر کر منہ کو جو تکتا ہوں الم ہے مجھ کو
خاک پر گر نہ پڑیں آپ یہ غم ہے مجھ کو

۲۰
آپ بچپن میں کبھی مجھ پہ جو ہوتے تھے سوار
تھی یہ تنبیہ قدم آہستہ اٹھائے رہوار
بازو تب آ کے پکڑتے تھے رسول مختار
پشت سے میری کہیں گر نہ پڑے یہ دلدار
تیر پڑتے ہیں لگا جاتا ہے بھالا کوئی
آپ کا آج نہیں تھامنے والا کوئی

۲۱
رو کے کہنے لگے رہوار سے شاہ دو جہاں
سر پہ نانا ہیں نہ بابا ہیں نہ اب ہیں اماں
بھائی تو کیسے ہیں وہ چاہنے والے ہیں کہاں
دوست سب گلشن ہستی سے گئے سوئے جناں
یاس و اندوہ سے بے فرق کو اتائی ہیں
کوچ دنیا سے ہے کس عالم تنہائی میں

۲۲
آئی پہلو سے یہ مجروح اخی کی صدا
مرے بیکس مرے مظلوم غریب و تنہا
ہے محمدؐ تو بڑی دیر سے حاضر بیٹھا
میں تری پیاس کے صدقے تری الفت پہ فدا
تجھ پہ بے جرم و خطا اہل ستم ٹوٹے ہیں
تیر سارے یہ کلیجے پہ مرے پڑتے ہیں

۲۳
تیری ماں خلد سے آئی ہے یہاں کھولے ہوئے سر
بوسے لیتے ہیں ترے زخم بدن کے شبرؑ
کہتے ہیں شیر خدا ہائے پسر ہائے پسر
گرد پھر کر ترے روتے ہیں عقیلؑ و جعفرؑ
اجتبیٰ آئے ہیں پرسا تجھے دینے کے لیے
چلے آئے ہیں ملائک تجھے لینے کے لیے

۲۴
سنتے تھے شاہ یہ نالہ کی فغان و زاری
پشت پر آ کے کسی شامی نے برچھی ماری
کر لگا چھاتی پہ اک تیر سہ پہلو کاری
جھک گیا ہرنے پہ سر شہ کا ہوا غش طاری
شور تھا سبط نبیؐ عرش نشیں گرتا ہے
خاک پر دوش محمدؐ کا مکیں گرتا ہے

۲۵
دل میں اس وقت لگا سوچنے زخمی رہوار
خاک پر گر جو پڑے گا یہ شہ عرش وقار
راکب دوش نبیؐ پشت پہ میرے ہے سوار
رو کے فرمائیں گے محشر میں رسول مختار
بیٹھنے کا نہ قدر رنج اٹھایا تو نے
خاک پر میرے نواسے کو گرایا تو نے

۲۶
خاک پر بیٹھ گیا وہ فرس تیز قدم
گرد آ کر لگے تلواریں لگانے اظلم
تڑپے گھوڑے سے جدا ہو کے شہنشاہ امم
لگے سر پیٹنے خیمے سے نکل آئے حرم
رو کے چلاتی تھی زینبؑ کہ یہ کیا کرتے ہو
ظالمو کیوں سر مرے بھائی کا جدا کرتے ہو

۲۷
اے لوگو شہ مظلوم کی کیا ہے تقصیر
ہائے یہ جسم حسینؑ اور یہ زخم شمشیر
زرہ میں مارتے ہو فاطمہؑ کے لال کے تیر
اب کرو رحم کہ ہے بیکس و بے پر شبیرؑ
نہ ستم سے جگر احمدؐ و حیدرؑ کاٹو
بدلے بھائی کے میں حاضر ہوں مرا سر کاٹو

۲۸
بھیڑ کو چھوڑ دو بھائی تلک آنے دو مجھے
خاک سے سبط پیمبر کو اٹھانے دو مجھے
آنکھیں قدموں سے برادر کے لگانے دو مجھے
نیچے تلک بیکس و مظلوم کو لانے دو مجھے
پھر کہاں پائے گی سرور سے بہن مل لیوے
دم آخر تو برادر سے بہن مل لیوے

۲۹
فاطمہ کی ہوں میں بیٹی مرا کہنا مانو
ظلم کے تیروں سے بھائی کی نہ چھاتی چھانو
کس کا پیارا ہے یہ خوب سا ہے اسے پہچانو
زخمی ہوتے ہیں ابھی اس پہ نہ نیزے تانو
بال کھولے ہوئے یاں فاطمہ چلاتی ہے
تو سنو نالۂ حیدر کی صدا آتی ہے

۳۰
ساتھ زینب کے سکینہ کا عجب عالم تھا
سر پہ ٹوپی بھی نہ تھی اور گریباں تھا پھٹا
ٹوپی گر کر لعینوں کو کستی تھی یہ چلا چلا
گر پڑے گھوڑے سے ہے ہے مرے بیکس بابا
چھٹے تم سے جو نہ آئے تو مری جان گئی
بیٹی اس بیکس و مظلوم کے قربان گئی

۳۱
کس حسرت سے یہ تکتے ہیں بابا ہے ہے
برچھیاں کھاتے ہیں تن پر ستم والا ہے ہے
کون سنتا ہے فریاد کروں کیسا ہے ہے
یاں تلک آنے نہیں دیتے اعدا ہے ہے
اب کہاں زور عبث اہل ستم ڈرتے ہیں
سنتے ایسا ہے کہ دیکھتے ہیں تو گر پڑتے ہیں

۳۲
غش میں حضرت نے سنی جب یہ صدائے جانکاہ
دیکھیاں آیا کہ نکل آئی بہن خیمے سے آہ
چشمی سر میں آتی ہے سکینہ ناگاہ
کھول کر آنکھیں پکارے یہ امام ذی جاہ
گھر سے کیوں نکلی ہو بس دیکھیاں مرتا ہوں
جاؤ خیمے میں کہ بھائی کا گلا کٹتا ہے

۳۳
سر پہ قاتل لیے شمشیر کھڑا ہے زینب
سب کو بھولا ہوں میں اب یاد خدا ہے زینب
دم ہمارا دم تسلیم و رضا ہے زینب
یہ دعا مانگو کہ ہنگام دعا ہے زینب
ہم اماں جایا تری راہ میں قربان ہوئے
مشکل ذبح بھی شبیر پہ آسان ہوئے

۳۴
پیرہن جانے سے مری پیاری سکینہ سے کہو
باپ قربان ہوا لونڈی بیتاب نہ ہو
ماں جیتیں ہو چپ اب مت تڑپو دونوں رنج سہو
باپ دنیا سے سفر کرتا ہے ماں پاس رہو
یاد کر کے مجھے راتوں کو نہ رونا بیٹی
سو چکیں بھائی پہ اب خاک پہ سونا بیٹی

۳۵
رو رو بے کل ہوئے یہ کہہ کے شہ جن و بشر
ٹیک کر گھٹنوں کو اس خاک پہ سجدہ کیا سر
وگلا سجدے میں حضرت کو پکارا یہ عمر
جلد اے شمر پھرا شہ کے گلے پر خنجر
خاک زینب جو اڑائے تو اڑانے دینا
سر شبیر کو سجدے سے اٹھانے دینا

۳۶
اس محمد کی نشانی کو مٹا دے جلدی
شمع ایوان امامت کو بجھا دے جلدی
تن سے سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھا دے جلدی
خاک میں فاطمہ کے گھر کو ملا دے جلدی
ذبح ہوگا جو پسر فاطمہ چلاوے گی
ڈر نہ جانا جو فاطمہ کی صدا آوے گی

۳۷

سن کے یہ مشتعل شاہ گیا وہ بے دین
آئی آواز یہ کیا کرتا ہے او شمر لعین!
چاہا چھاتی پہ چڑھے کھینچے ہوئے خنجر کیں
پسرِ مصحفِ ناطق کا تجھے پاس نہیں!
علمِ حق جس میں ہے وہ سینۂ انوار ہے یہ
پاؤں تو رکھو نہ قرآں کے برابر ہے یہ

۳۸

کیا قساوت تھی کہ مطلق نہ کیا خوف الٰہ
ذبح کس بیکسی سے ہوتے تھے شاہِ ذی جاہ
رکھ دیا خنجرِ کیں حلق پہ مظلوم نے آہ
حلق پر تیغ تھی اور خیمہ کی جانب تھی نگاہ
عمر جو یادِ الٰہی میں کٹی جاتی تھی
صاف تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی

۳۹

تیغ چلتی رہی جب تک یہ رہی لب پہ دعا
بخش دے امتِ عاصی کو تو اے بارِ خدا
جب جدا ہو گیا تن سے سرِ شاہِ شہدا
خون برسنے لگا تھرانے لگے ارض و سما
شور تھا عالمِ امکاں میں کہ آفت آئی
لعل بے جاں ہوا زہرا کا قیامت آئی

۴۰

خیمۂ سبطِ پیمبر میں بپا تھا کہرام
بیبیاں پیٹتی تھیں لے لے کے شبیر کا نام
بس انیس آگے زباں کو نہیں یارائے کلام
عرض کر سبطِ پیمبر سے کہ اے عرش مقام
رنج و غم آپ کے مداح پہ اب طاری ہے
اے مددگارِ جہاں وقتِ مددگاری ہے

سلام

غمِ شہ کا جس نے بیاں کر دیا	۱	ان آنکھوں نے دریا رواں کر دیا
گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی	۲	ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر	۳	مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن	۴	تجھے بات میں آسماں کر دیا
دکھا دہ بچے عمرِ رفتہ کی قدر	۵	عجب جنس کو رائگاں کر دیا
نہ دیکھی گئی شہ سے اصغر کی لاش	۶	زمیں میں پسر کو نہاں کر دیا
لکھی شہ کے خالِ معنبر کی مدح	۷	قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا
فلک سے ہوا کب مرا کام سہل	۸	گراں جنازہ رواں کر دیا

قطعہ

زہے شفقتِ سبطِ خیر الوریٰ	عجب رتبۂ میہماں کر دیا
کوئی جانتا بھی نہ تھا حر کا حال	اُسے دم میں جانِ جہاں کر دیا

کہاں ایک ذرہ کہاں آفتاب
خدا نے کیسے مہرباں کر دیا
گھٹا فکر میں جسم مثل قلم
سراپا کو صرفِ زباں کر دیا
پھڑکتا ہے کیوں اتنا اے مرغِ روح
مقدر نے ویراں مکاں کر دیا
نشیمن بھی دے گا وہ فردوس میں
ترا جس نے ویراں مکاں کر دیا

قطعہ

ہوے دفن اکبرؑ تو چلائی ماں
اجل نے زمیں میں نہاں کر دیا
چھپانے لگے ہم سے منہ قبر میں
انھیں جب خدا نے جواں کر دیا
جو پوچھی علمدار نے جائے قبر
ترائی میں قضا نے نشاں کر دیا
تو اشکوں نے تری اے انیس
ہر ایک داغ کو خوش بیاں کر دیا

رباعی

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا
عقبیٰ کا نہ ہائے کچھ سر انجام کیا
ناکام چلے جہاں سے افسوس انیس
کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

رباعی

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

رباعی

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا
گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا
بالش سے سروکار نہ بستر سے غرض
اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا

رباعی

جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا
میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیس
کیا گذرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

رباعی

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں
اک آن میں طولی کے نشے جاتے ہیں
ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیس
بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

مرثیہ

جب رو چکے حضرت علیؑ اکبر سے پسر کو
صدمہ تھا عجب بادشہ جن و بشر کو
تھے سوچ میں زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
کہتے تھے کوئی لے گیا سینے سے جگر کو
اب مرگ کا طالب پسر شیر خدا ہے
جینا ہی نہ ہو جب تو مزا زیست کا کیا ہے

۲

کھویا اسے اٹھارہ برس تک جسے پالا
دنیا سے گیا ہائے مرا گیسوؤں والا
رشکِ قمر آنکھوں کی ضیا گھر کا اجالا
مارا اُسے اعدا نے مجھے مار نہ ڈالا
مرنے کے نہ تھے دن کہ سفر کر گئے اکبرؑ
میں پیر تو جیتا ہوں جواں مر گئے اکبرؑ

۳

افسوس برابر کا پسر باپ سے چھوٹا
باقی نہ کوئی گل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا
پردیس میں بیکس پہ فلک ظلم کا ٹوٹا
فریاد کہ امت نے مرے باغ کو لوٹا
زخم اُن کو ملے داغ جگر ہم کو ملے ہیں
وہ پھول انھیں اور یہ ثمر ہم کو ملے ہیں

۴

جو غنچہ دہن تھے چمن دہر میں نایاب
بستان رسولِ عربی کے گل شاداب
مہتاب کی جن کے تن نازک کو نہ تھی تاب
دو دن نہ انھیں فصل بہاری میں ملا آب
سب گل ستم تیغ خزاں سہہ گئے افسوس
شبنم کی طرح رونے کو ہم رہ گئے افسوس

۵

طاقت تو گئی قلب سے آنکھوں سے گیا نور
اک دل کو دیا داغ ایک جگر اور کیا ناسور
تھے صاحب مقدور پہ اب ہو گئے مجبور
حال اپنا دکھائیں کسے اکبرؑ ہیں بہت دور
بے حلق کٹائے ہوئے ہم جا نہیں سکتے
اور واں وہ سدھارے ہیں کہ یاں آ نہیں سکتے

۶

مشکل ہے عجب خیمے میں جائیں کہ نہ جائیں
فرزند کہاں ہے کہ اسے ڈھونڈھ کے لائیں
ڈر ہے کہ نہ سیدانیاں باہر نکل آئیں
ممکن نہیں اب کھوئے ہوئے لال کو پائیں
اکبرؑ کی ملاقات سے ہے یاس پدر کو
جیتا تھا تو یعقوبؑ نے پایا تھا پسر کو

۷

جو کر گیا دنیا سے سفر پھر نہیں آتا
جنت میں جو پہونچا وہ ادھر پھر نہیں آتا
آنکھوں سے چھپا جو وہ نظر پھر نہیں آتا
تڑپا کریں ماں باپ پسر پھر نہیں آتا
سر دے کے گلے سے علیؑ اکبرؑ کے ملیں گے
اس آس پہ جیتے ہیں کہ اب مر کے ملیں گے

۸

بیٹا جو سفر میں ہو تو رہتا ہے یہی دھیان
اور وصل کی امید نہ ہو جب کسی عنوان
ہوتا ہے کوئی دن میں ملاقات کا سامان
پھر مرگ ہی ماں باپ کے ہے درد کا درماں
گھر ہو گیا برباد حسینؑ ابن علیؑ کا
فرزند جواں ہو کے نہ مر جائے کسی کا

۹

یہ کہتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے سرورؑ
غش خاک پہ ہے ایک طرف زینبؑ مضطر
دیکھا کہ حرم بیٹھے ہیں کھولے ہوئے سر
چلاتی ہے بانوؑ علیؑ اکبر علیؑ اکبر
ماتم ہے بپا چاک گریباں کئے ہیں
شہزادیوں کو لونڈیاں حلقے میں لئے ہیں

۱۰

روکر کوئی زینبؑ کو اٹھاتی ہے زمیں سے
چلاکے سکینہؑ نے کہا یہ شہ دیں سے
سمجھاتی ہے پیٹی کوئی بانوئے حزیں سے
بابا مرے بھیا نہ پھرے لشکر کیں سے
دونوں عمو اکبر بھی مرے آن ملیں گے
اماں ہی جئیں گی نہ پھوپھی جان جئیں گی

۱۱

حضرت نے کہا کون پھرے وہ تو سدھارے
عباسؑ علی سوتے ہیں دریا کے کنارے
بی بی کہیں نیزے ستم ایجادوں نے مارے
اب غیر اجل کوئی نہیں پاس ہمارے
دنیا سے سوئے خلد سفر ہے کوئی دم کو
اکبر کو تو سب رو چکے اب روئیں گے ہم کو

۱۲

سب بیبیاں گھبرا گئیں سنتے ہی یہ تقریر
ایک ایک کا منہ تکنے لگی بانوئے دلگیر
تھراتی ہوئی غش سے اٹھی شاہ کی ہمشیر
سب سے کہا کیوں صاحبو دیکھو مری تقدیر
بیکس بھی تھی پر سایہ تھا دونوں سے پسر کا
ہے اور ہی کچھ قصد شہ جن و بشر کا

۱۳

اجڑی تھی مری کوکھ موا تھا مرا جایا
کستی تھی بھلا سر پہ ہے وارث کا تو سایا
اس آنچ نے تھا دل بھی کلیجہ بھی جلایا
پیغام رنڈاپے کا بھی قسمت نے سنایا
رکھا ہے تباہی نے قدم گھر میں ہمارے
در در ابھی پھرنا ہے مقدر میں ہمارے

۱۴

پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبط پیمبر
دنیا میں سدا جیتے ہیں فرزند نہ شوہر
باتیں نہ کرو یاس کی اے بانوئے مضطر
کیوں روتی ہو اللہ کا سایا تو ہے سر پر
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار وہی ہے
مشکل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

۱۵

جس خالق اکبر پہ کیا بیٹے کو قربان
پردے میں رہو یا کہ پھرو با سر عریاں
مشکل بھی تمھاری وہی کر دیوے گا آساں
حافظ وہی عزت کا وہی گھر کا نگہباں
جو چپ ہو اثر کرتی ہے فریاد اسی کی
ایذائے اسیری میں رہے یاد اسی کی

۱۶

لوٹیں گے اگر گھر کو تو گھر کس نے دیا تھا
یہ نخل تمنا میں ثمر کس نے دیا تھا
منصف ہو تمہیں زیور و زر کس نے دیا تھا
ہم شکل محمدؐ سا پسر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی کسی کی
بخشش تھی اسی کی یہ عنایت تھی اسی کی

۱۷

گھر بار کے لٹنے کا تاسف نہیں زنہار
سب کچھ ہمیں بخشا تھا مگر عاقبت کار
بہتر ہے مسافر کو جہاں تک ہو سبکبار
بھائی ہے نہ بیٹا ہے نہ لشکر نہ علمدار
جو اس کی امانت ہے وہ سب دے کے چلے ہیں
کچھ لے کے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں

۱۸

ہاں ایک امانت ابھی باقی ہے مقرر
ہے قول کا صادق پسر فاتح خیبر
اس سے بھی ادا مجھ کو کرے خالق اکبر
وعدہ ہی ہے کیا دیں کہ تن پر سے کٹے سر
منزل پہ پہونچ جاؤں جو طے راہ رضا ہو
رشتہ دم شمشیر پہ ہے دیکھیے کیا ہو

۱۹

باتوں سے یہ فرما چکے جب حضرت شبیرؑ
فرمایا کہ تم بھی بہن رخصت کرو ہمشیر
حسرت سے نظر کی طرف زینبؑ دلگیر
منزل ہے بہت دور مناسب نہیں تاخیر
دن وصل کے آخر ہوئے فرقت کی گھڑی ہے
شبیرؑ سے دل لو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

۲۰

تم فاطمۂ زہراؑ کے طریقے سے ہو آگاہ
زینبؑ نے کہا صدقے بہن اے شہ ذی جاہ
ہر شخص کو درپیش ہے اک روز یہی راہ
بے آپ کے مر جاوے گی بنت اسد اللہ
جو حکم ہو کچھ منھ سے نہ ہمشیر کہے گی
یہ کہنہ ردا بھی نہ مرے سر پہ رہے گی

۲۱

مظلومی زینبؑ پہ دل شاہ بھر آیا
چھاتی سے کئی بار سکینہؑ کو لگایا
اشکوں کے عوض خون دل آنکھوں سے بہایا
خیمے سے چلا احمد مختار کا جایا
روتے ہوئے شبیرؑ جو باہر نکل آئے
پیچھے حرم پاک کھلے سر نکل آئے

۲۲

تنہائی شبیرؑ کا کیا حال کہوں آہ
یا اسپ وفادار تھا یا سیدؑ ذی جاہ
بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی دوست سواے اللہ
زینبؑ نے رکاب آکے جو تھامی تو چڑھے شاہ
کبریٰ قدم سیدؑ ابرار سے لپٹی
بانوئے حزیں گردن رہوار سے لپٹی

۲۳

مرکب کو بھی راکب کو بھی دے دیکے دعائیں
شہ کہتے تھے اعدا نہ کہیں تیر لگائیں
لیں چوم کے ہاتھوں سے سکینہؑ نے بلائیں
تم خیمے میں اب جاؤ تو ہم مرنے کو جائیں
وہ کہتی تھی بابا مجھے تم پیار تو کر لو
میداں سے کب آؤ گے اقرار تو کر لو

۲۴

جاتے ہو تو صدقے گئی جلدی سے پھر آنا
ہو جائے گا تیرہ مری آنکھوں میں زمانا
عمو کی طرح سے کہیں کوثر پہ نہ جانا
اچھے مرے بابا مجھے چھاتی پہ سلانا
جلد آؤ گے میداں سے تو روئیگی نہیں میں
دیکھو جو ہوئی دیر تو سوئیگی نہیں میں

۲۵

بیٹی سے کہا شہ نے بصد گریہ و زاری
چھاتی پہ سلا دیں گی پھر بھی جان تمھاری
صدقے میں ترے اے مری عاشق مری پیاری
کڑھیو نہ بہت گر نہ پھرے جلد سواری
تم کو بھی بلا لیں گے جہاں ہو لینگے بیٹی
کچھ کام ہے ہم آج وہیں سوئیں گے بیٹی

۲۶

وہ دن زمانی ہے زمانوں کی میں یہ بات
رو رو کے یہ فرمانے لگے شاہ خوش اوقات
اب آپ کے دامن سے نہ اٹھے گا مرا ہات
تنہائی کی پہلی علی اصغرؑ کی ہے یہ رات
منھ لاشۂ معصوم سے موڑا نہیں جاتا
دے ساتھ جو اپنا اسے چھوڑا نہیں جاتا

۲۷

مادر سے جدا ہو کے دیا ساتھ ہمارا
کچھ اس میں نہ ہو جائے گا کم پیار تمھارا
تنہائی پھر اس کی مجھے کیونکر ہو گوارا
پیاری ہو اگر تم تو ہے وہ بھی مجھے پیارا
یاں فرش ہے سونے کو وہاں گرم زمیں ہے
تم پاس تو سب ہیں کوئی اس پاس نہیں ہے

٢٨

ماں ذکر یہ سر پیٹ کے بانوؑ یہ پکاری
آغوش میں دے کس کو یہ ماں درد کی ماری
ہے ہے مرے اصغرؑ ترے تنہائی کے واری
تم مر گئے ویران ہوئی گود ہماری
دل میں مرے ارمان بھرے رہ گئے بیٹا
کرتے جو سیئے تھے وہ دھرے رہ گئے بیٹا

٢٩

روتے ہوئے شبیرؑ چلے جانبِ میداں
تھی تابشِ خورشید ہوا تھی شرر افشاں
چلّائے یہ ناموس کہ اللہ نگہباں
اُڑتے تھے رخِ پاک پہ گیسوئے پریشاں
قطروں کی پسینے کے یہ کثرت تھی جبیں پر
ہر گام پہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

٣٠

مولا کی زہے شان زہے قدرتِ اللہ
پیدل تھے ملک اسپِ فلک سیر کے ہمراہ
تنہا تھے مگر ساتھ تھی فوجِ حشمِ شاہ
باندھے تھا صفیں لشکرِ جن تا صفِ جنگ گاہ
دونوں پہ چپ و راس شہِ دیں کی نظر تھی
مر جائیں گے تنہا یہ کسی کو نہ خبر تھی

٣١

نصرت کا تھا یہ قول کہ خاکِ کفِ پا ہوں
تیغِ دو زباں کہتی تھی میں قہرِ خدا ہوں
اقبال یہ کہتا کہ میں پامالِ ہما ہوں
فرماتے تھے شبیرؑ کہ راضی بہ رضا ہوں
گو سب ہیں پہ میں ہاتھ نہ قبضہ پہ دھروں گا
پیاسا ہوں کئی روز کا پیاسا ہی مروں گا

٣٢

شبیرؑ کے ہمراہ رسولانِ سلف تھے
شاہِ شہدا بیچ میں شمشیر بکف تھے
جنات و ملائک کے پرے دونوں طرف تھے
دل تھامے ہوئے ساتھ شہنشاہِ نجف تھے
ہے ہے مرے شبیرؑ یہ چلّاتی تھی زہراؑ
سر پیٹتی ہاتھوں سے چلی جاتی تھی زہراؑ

٣٣

بکھرے ہوئے تھے بال کلیجہ تھا دو پارہ
حورانِ بہشتی کو نہ تھا صبر کا یارا
تھامے ہوئے تھیں آسیہؑ و مریمؑ و سارا
چلّاتی تھیں ہے ہے اسد اللہ کا پیارا
نے تابِ فلک کو نہ تحمل تھا زمیں کو
فریاد سے مردوں کی تزلزل تھا زمیں کو

٣٤

کی عرض ملائک نے کہ یا سیدِ ابرار
اس طرح گہربار ہوئے سیلِ گہربار
ہم بھی ہیں تری راہ میں سر دینے کو تیار
بندہ ہوں میں جس کا وہی میرا ہے مددگار
کہا ابنِ علیؑ صاحبِ مقدور نہیں ہے
امت کی تباہی مجھے منظور نہیں ہے

٣٥

پیاسے ہیں بچے گر کہ انھیں میں نہیں پیارا
عباسؑ سے بھائی کا کیسا داغ گوارا
بولا نہ جب اکبرؑ سا جواں بیٹے کو مارا
ششماہہ پسر تیرِ ستم کھا کے سدھارا
مارا انھیں جس جس نے وہ ہر چند یہی ہیں
بھائی ہیں مرے اور مرے فرزند یہی ہیں

٣٦

مائل ہے اب اک جانِ ستم دیدۂ شبیرؑ
یہ سینہ ہے یہ وقفِ تبر و تیر
اور حلق ہے مشتاقِ دمِ خنجر و شمشیر
جس طرح سے چاہیں مجھے بسمل کریں بے پیر
مظلوم کا فرزند ہوں مظلوم مروں گا
کاٹیں گے گلا بھی تو گلا میں نہ کروں گا

۳۷
کی سادات رسولوں کی مرے باپ نے امداد
راضی ہوں میں گردن پہ چلے خنجر فولاد
فریاد رس خلق کو کیا چاہیے فریاد
گھر ہو مرا برباد پہ امت نہ ہو برباد
لازم ہے کرے صبر علی کا پسر ایسا
تم بھی کہو اب تک نہیں دیکھا بشر ایسا

۳۸
جنات نے پھر عرض یہ کی قدموں پہ گر کر
فرماگئے تھے ہم سے یہی حیدر صفدر
ہم خادم دیرینہ ہیں یا سبط پیمبر
کچھ مدد آفت میں پھنسے جب مرا دلبر
سر دے کے شریک شہدا ہوئیں گے مولا
ہم آپ کے قدموں پہ فدا ہوئیں گے مولا

۳۹
فرمایا کہ تھا فوج ملک کو بھی یہی دھیان
پر میں نے گوارا نہ کیا اُن کا بھی احسان
ہم ہوں پسر صاحب لولاک پہ قربان
بیجان مجھے ہونے دو اے قوم بنی جان
ہرگز تمہیں لڑنے کا اشارہ نہ کروں گا
مر جاؤں گا امداد گوارا نہ کروں گا

۴۰
فرما کے یہ جنات سے گھوڑے کو بڑھایا
خورشید کا جلوہ رخ روشن نے دکھایا
چالاکی توسن کو ہوا نے بھی نہ پایا
غل پڑ گیا آیا پسر فاطمہ آیا
ہشیار کہ اب تیغ شرربار کھنچے گی
جو عرش سے اتری ہے وہ تلوار کھنچے گی

۴۱
نور رخ روشن میں عجب جلوہ گری ہے
خورشید یہ ہے اور وہ چراغ سحری ہے
یاں مہر جہاں تاب کا چہرہ نظری ہے
راکب جو فرشتہ ہے تو مرکب بھی پری ہے
بجلی ہے جو اسوار اسے چمکا کے پھر آئے
یہ کاف سے تا قاف ابھی جا کے پھر آئے

۴۲
ہے عام کو مرغوب بہت وصف سراپا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلا
حیراں ہے گر عقل کہوں گر تو کہوں کیا
جو شے ہے سراپائے شہ دیں میں ہو یکتا
خورشید تجلی رخ سے قمر اس کف پا سے
کس شے کو مقابل میں کروں نور خدا سے

۴۳
سچ کہتا ہے ذاکر نہیں فرق اس میں سر مو
اس زلف کے ہمسر ہو یہ سنبل کا نہیں رو
تو سچ ہیں کیا ہو صفت کاکل و گیسو
نے مشک میں ہے عنبر سارا میں یہ خوشبو
کس طرح نہ عاجز دم تحریر قلم ہو
کچھ سلسلہ ہاتھ آئے تو کچھ وصف رقم ہو

۴۴
ہر مو ہے رگ ابر کرم یا رگ جاں ہے
یا سنبل پیچیدۂ گلزار جناں ہے
یا ہے یہ شب قدر کہ قدر اس کی عیاں ہے
یا آہ دل حضرت زہرا کا دھواں ہے
دیکھو تو ضیا چہرۂ شاہ شہدا کی
دو راتوں میں ایک صبح یہ قدرت ہو خدا کی

۴۵
پیشانی نورانی فرزند پیمبر
آئینہ جو کہیے تو یہ روشن وہ مکدر
ہے مطلع نور آیت نور القدس و اطہر
دونوں سے نسبت تو وہ واہی ہے سراسر
کہتا ہے یہ دل لطف تو حاصل نہیں ہوتا
ناقص کبھی کامل کے مقابل نہیں ہوتا

۴۶
ان ابروؤں کو کہئے جو شمشیر ہلالی
تشبیہ مہِ نو کی جو کاہش سے نکالی
کستی ہے طبیعت کہ یہ مضموں نہیں عالی
دیکھا تو یہ پہلو بھی ہے کچھ حسن سے خالی
ابرو فلکِ حسن پہ یکتا نظر آئے
آنکھوں سے بھی رتبے میں دوبالا نظر آئے

۴۷
نرگس سے جو تشبیہ ہو اُس چشم کی منظور
آپس میں کریں اہلِ بصارت بھی مذکور
مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دور
یہ چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور
بینا ہو تو عائد یہ خطا کس کی طرف ہے
تحقیر تو اعلیٰ کی ہے ادنیٰ کا شرف ہے

۴۸
کس منہ سے بیاں کیجئے وصفِ لبِ شبیرؑ
یاقوت کا کیا مرتبہ کیا لعل کی توقیر
جن ہونٹوں نے خاتونِ قیامت کا پیا شیر
پتھر نے کہاں پائی یہ اعجاز کی تقریر
ہر لب پہ ہے ذکر ان کی جو شیریں سخنی کا
حیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

۴۹
دانتوں کی ثنا اپنی زباں پر کوئی کیا لائے
ظاہر ہوں تبسم میں تو بجلی سی چمک جائے
الماس و گہر جن کی چمک دیکھ کے شرمائے
افلاک تو اس طرح سے اختر ہیں دکھلائے
ہے فوق انھیں عقدِ ثریا سے گنے ہیں
یہ فاطمہؑ کے دودھ کے قطروں سے بنے ہیں

۵۰
جو دانت کہ تھے عرشِ معلیٰ کے ستارے
افسوس یزید اُن پہ چھڑی بید کی مارے
زہراؑ نے صدا دی کہ جن جن پہ اتارے
دشمن کو نہ پیارے ہوں نبیؐ کو تو ہیں پیارے
سمجھا نہ کہ دانت ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں میں
سب مار کے ڈاڑھیں انھیں روتے ہیں جہاں میں

۵۱
تفسیرِ حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار
اعجاز سے خالی نہیں حسنِ مشبہ ابرار
یا خامۂ قدرت نے لکھا ہے خطِ گلزار
دیکھو تو ادھر شام ادھر صبح کے آثار
ظلمات کو پہلو نے اُجالے میں لیا ہے
مہتاب کو آغوش میں ہالے نے لیا ہے

۵۲
ہے گردنِ شہ مملکتِ حسن میں سردار
اس گردنِ نازک پہ چلا خنجرِ خوں خوار
منہ جس پہ سدا ملتے رہے احمدِ مختار
شمع اس سے بجھے وہ جو تھے مطلعِ انوار
کیا اس کے مقابل ہو بھلا طور کا شعلہ
وہ آگ کا شعلہ تھا یہ ہے نور کا شعلہ

۵۳
آئینۂ مہتاب سے روشن ہے وہ سینہ
حق کے گہرِ راز کا معدن ہے وہ سینہ
پُر داغوں سے اولاد کے گلشن ہے وہ سینہ
قرآں کی طرح علم کا مخزن ہے وہ سینہ
رکھ لیتے ہیں سب سر پہ یہ مصحف کا ادب ہے
واں پاؤں رکھے شمر قیامت ہے غضب ہے

۵۴
آئینے سے بھی صاف تنِ شاہِ زمن ہے
خوشبو میں ہوا نافۂ آہوئے ختن ہے
ما بینِ شکم ناف نہیں عکسِ ذقن ہے
اور موئے کمر رشتۂ گلدستۂ تن ہے
سر دینے کو میدانِ شہادت میں چلے ہیں
منہ فوجِ ملک نے انھیں قدموں پہ ملے ہیں

۵۵

ناگاہ بجا طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
دشمن سوئے جو علمہائے پہ کھل گئے اک بار
گرجا جو دہل گونج گیا گنبد دوّار
دن ہو گیا آنکھوں میں لعینوں کی شب تار
تلواروں سے واں برق بھی شرمائی ہوئی ہے
اڑنے سے پروں کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

۵۶

حضرت نے نظر کی جو سوئے قوم ستمگر
فرمانے لگے یوں بہ تبسم شہ صفدر
دیکھے کہیں نیزے کہیں تیغیں کہیں خنجر
فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں یہ دریا ہے کہ لشکر
دنیا میں بدوں کو نہیں کچھ نیک کی خاطر
اللہ یہ انبوہ ہے مجھ ایک کی خاطر

۵۷

جوڑے ہوئے تیروں کو ہیں چلّوں میں کماندار
یاں ایک گلا واں کئی سو خنجر خونخوار
اک سینے کی خاطر یہ گروہ تو ہے بیکار
یاں تو اک جسم کی اور اس قدر اسوار
دست ستم و جور بڑھائیں گے کہاں تک
سب نیزوں پہ اک سر کو چڑھائیں گے کہاں تک

۵۸

دم کرکے دعا سینے پہ اور طیش میں آکر
سب لڑنے جو آئے ہیں اکیلا مجھے پاکر
نعرہ کیا حضرت نے یہ گھوڑے کو بڑھا کر
دیکھوں تو بچا کون مری ضرب اٹھا کر
تنہا ہوں مگر فوج کی کثرت پہ نہ پھولو
بچ کے نہ بر آؤ گے شجاعت پہ نہ پھولو

۵۹

مجبور نہ سمجھو مجھے اے فرقۂ ناری
ہو جائے اشارے میں فنا فوج یہ ساری
ہر چیز پہ عالم میں مرا حکم ہے جاری
چل جائے تمھیں پہ ابھی تلوار تمھاری
کوسوں تلک اس بن میں کٹے سر نظر آئیں
خنجر جو کمر میں ہیں گلوں پر نظر آئیں

۶۰

کہہ دوں کہ سرک یاں سے تو دریا ابھی ہٹ جائے
یوں رعد ابھی کڑکے کہ جگر شیر کا پھٹ جائے
دوں حکم ہوا کو تو ابھی آ کے پلٹ جائے
یوں زلزلہ آئے کہ زمیں رن کی الٹ جائے
برباد یہ سب خرمن ہستی نظر آئے
باراں کی طرح آگ برستی نظر آئے

۶۱

اُف کردوں تو سب فوج کے نیزے ابھی جل جائیں
تلواریں تڑپ کر ابھی قبضوں سے نکل جائیں
پھل برچھیوں کے شمع کے مانند پگھل جائیں
اور تم کو نیام اژدہے بن بن کے نگل جائیں
پرواز کریں تیر پرندوں کی طرح سے
پھنس جاؤ کمانوں میں کمندوں کی طرح سے

۶۲

گھوڑا مرا ان گھوڑوں سے کر دے جو اشارے
نازاں ہو کہ راحت سے ہیں دریا کے کنارے
زینوں سے گرا دیں ابھی رہوار تمھارے
میں چاہوں تو مر جاؤ وہیں پیاس کے مارے
چلنے سے بگولوں کو نہ راحت کوئی دم ہو
دریا کو بھی پی لو تو کبھی پیاس نہ کم ہو

۶۳

سینہ مرا اسرار امامت سے بھرا ہے
دامن مرا ایمان کی دولت سے بھرا ہے
دل خالق اکبر کی محبت سے بھرا ہے
ہر عضو بدن زور شجاعت سے بھرا ہے
خاموش ہوں خاطر سے رسول عربی کی
ہاتھ اس لیے روکا ہے کہ امت ہو نبی کی

۶۴
بابا ہے مرا شیر خدا سا شہ عادل
ہوتا نہ اگر صبر تو تھی دشمنی مشکل
دو ہو گئے تلوار سے جس کی حق و باطل
تم ظلم میں یکتا ہو تو ہیں صبر میں کامل
ہوتا نہ اگر صبر تو کچھ کام نہ ہوتا
مظلوم زمانے میں مرا نام نہ ہوتا

۶۵
آئے تھے ابھی میری مدد کو ملک و جن
احسان کس کا وہ احسان جو ہو خلق کا محسن
یاں عرض نہ مقبول ہوئی ایک کی لیکن
دنیا میں بہت جی چکے مرنا بھی ہے اک دن
سمجھا کہ یہ سامان نہ مرے حق میں زبوں ہو
اک جان نبی کے اور کئی لاکھ کا خوں ہو

۶۶
آئی یہ ندا چرخ سے اے شیر ہمارے!
معشوق کے عاشق ہی سمجھتے ہیں اشارے
بگڑے ہوئے جو کام تھے سب تم نے سنوارے
پیارا جو ہمیں تو ہے قائم ہیں تجھے پیارے
ہمت ہو تو ایسی ہو مروت ہو تو ایسی
بندہ ہو تو ایسا ہو جو طاعت ہو تو ایسی

۶۷
ہم حکم تجھے دیتے ہیں ہاں تیغ علم کر
لاکھوں سے لڑائی ہے ذرا رحم کو کم کر
اور آئینۂ نصرت کو دم تیغ پہ دم کر
یزدوں کو قلم کر سر اعدا کو قلم کر
جب تک کہ جہان خلق سے آباد رہے گا
یہ صبر کہ بھی حشر تلک یاد رہے گا

۶۸
یہ سنتے ہی شہ نے سر تسلیم جھکایا
تلوار جو کھینچی تو ہلا عرش کا پایا
کی عرض کہ جو حکم ترا ہاں یہ [illegible] ایا
قدسی یہ پکارے کہ غضب آیا غضب آیا
لازم ہے اسی سے پر جبریل امیں کو
اللہ بچاوے گا کہ گاؤ زمیں کو

۶۹
چمکی جو علم ہو کے وہ شمشیر شرربار
دریا متلاطم ہوئے لرزاں ہوئے کہسار
اک برق سی آئینۂ گردوں کے ہوئی پار
مچھلی گئی پانی میں تو دریا میں گرے مار
وحشت سے ہرن شیر کے مسکن میں چھپا تھا
شہباز کبوتر کے نشیمن میں چھپا تھا

۷۰
شیروں کو نیستاں سے نکلتے ہی بن آئی
جان اپنی درندوں نے فقط تھی نہ بچائی
روباہوں نے چھپنے کو جگہ شیر کے پائی
دیتے تھے پرندے بھی سلیمان کی دوہائی
پرواز کے مشتاق تھے پر بھول گئے تھے
ہوش اڑ گئے تھے خوف سے گھر بھول گئے تھے

۷۱
تھی فوج مخالف میں عجب طرح کی ہل چل
آفت ہے یہ پیاری ہے اگر جان تو ٹل چل
ایک ایک سے کہتا تھا کہ لشکر سے نکل چل
نادان ٹھہرنے کا نہیں ہے یہ محل چل
بجلی ہے پہ بجلی میں جلا دینے کی خو ہے
ایک طرف شمشیر ہے پھر میں ہوں نہ تو ہے

۷۲
حملہ جو کیا شاہ نے لشکر ہوا ابتر
بالائے زمیں تیغ سے کٹ کٹ کے گرے سر
رخ پھر گئے جب تاب ٹھہرنے کی کہاں پھر
اک شیر زدوں میں صف اول ہوئی آخر
یوں چل گئی اجسام مخالف کے [illegible]
پھرتا ہے جس طرح قلم حرف غلط پر

۷۳

اس صف سے جو نکلے نظر آئی صفِ ثانی
اک دم میں شمشیر کی دیکھی جو روانی
اس میں بھی وہ آیا اسد اللہ کا جانی
دہشت سے لعینوں کے جگر ہو گئے پانی
کٹ کٹ کے ابھی سر نہ گرے تھے بدنوں سے
روحوں نے کنارہ کیا پہلے ہی تنوں سے

۷۴

افراط سے کشتوں کی لگا موت کا دربار
بجلی سے بھی بالا ہے یہ شمشیر شرربار
غل تھا کہ عبث چھوڑ کے ہم آئے تھے گھر بار
افلاک سے اک بار وہ گرتی ہے یہ اسر بار
قبضے میں اسی کے ہے جو کچھ کارِ اجل ہے
دستِ ملک الموت سے پانچ کا عمل ہے

۷۵

وہ تیغ تھی کس گھاٹ کے پانی سے بجھائی
دیکھے نہ یہ جوہر نہ یہ تیزی نہ صفائی
اک موج تھی دریائے فنا کی جو ادھر آئی
کٹ جائے اگر سطح پہ چڑھ جائے ساری خدائی
پہونچے نہ کبھی سیل فنا گھاٹ کو اس کے
جبریل کے پر جاتے ہیں کاٹ کو اس کے

۷۶

باہم جو صفیں ہو گئیں اک جا ہوئے اظلم
بڑش تھی عجب اور عجب طرح کا دم خم
اس تیغ نے واں بھی انھیں لینے نہ دیا دم
ہر شخص پہ بجلی کی طرح گرتی تھی پیہم
کیا جانئے وہ پھل کون سے لوہے کا بنا تھا
جلنے میں ہوا آگ گئی جس کو وہ لگا تھا

۷۷

بے جاں تھا جو بڑھتے تھے قدم رن سے کسی کے
دو کرکے نکل جاتی تھی توسن سے کسی کے
لگتے ہی اڑا دیتی تھی سر تن سے کسی کے
رکتی تھی نہ ٹکڑے نہ جوشن سے کسی کے
چار آئینہ والے بھی تہِ تیغِ دو دم تھے
ہر ہاتھ میں دو شانے بھی یک دستِ قلم تھے

۷۸

خوں میں صفِ دشمن کو ڈباتی ہوئی آئی
شعلے کی طرح سب کو جلاتی ہوئی آئی
اعدا کو چمک اپنی دکھاتی ہوئی آئی
ہستی کے چراغوں کو بجھاتی ہوئی آئی
ہر سو دمِ اژدر کی طرح شعلہ فشاں تھی
مقراضِ اجل تھی کہ وہ تیغِ دو زباں تھی

۷۹

انجام میں سواروں کے رسالوں کو بھی کاٹا
لشکر کے نشانوں کو بھی بھالوں کو بھی کاٹا
مانندِ قلم برچھیوں والوں کو بھی کاٹا
تلواریں بھی آڑی ہوئیں ڈھالوں کو بھی کاٹا
یارا نہ ٹھہرنے کا سمندوں میں رہا تھا
ثابت کوئی حلقہ نہ کمندوں میں رہا تھا

۸۰

رہوار تھا تلوار سے بھی چلنے میں کچھ تیز
تھی حور کے گیسو کی طرح یال دل آویز
شمشیر جو بجلی تھی تو آندھی تھا وہ شبدیز
واقف ہی نہ تھا وہ کہ کسے کہتے ہیں مہمیز
عالم پرِ پرواز کا تھا اس کے زیں پر
دریا پہ وہ تھا موج تو بجلی تھا زمیں پر

۸۱

سرسر تھا کبھی گاہ نسیمِ سحری تھا
جب بن کے اٹھاتے ہیں قدم کبک دری تھا
طاؤس فلک سیر دم جلوہ گری تھا
کاوے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایا بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

۸۲

تھا کاوہ کشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن
آہو سے بڑی آنکھ گر شیر سی چتون
سم بدر سے اور نعل مہ نو سے بھی روشن
ٹاپ اس کی طمانچہ تھا اجل کا پے دشمن
نسبت سے نخوت جو وہ مغرور رہو نکلے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور رہو نکلے

۸۳

جب بیس ہزار اہل شقاوت ہوئے بے دم
حضرت کا غضب بھی غضب حق سے نہیں کم
غل پڑ گیا فریاد ہے یا سید عالم
احمد کی قسم تو جو کبھی تم سے لڑیں ہم
اب رحم کرو تیغ شرر بار کو روکو
پامال ہوئے جاتے ہیں رہوار کو روکو

۸۴

برہم شہ والا کی جو تھی خاطر اقدس
نزدیک تھا ہل کے گرے چرخ مقرنس
شعلہ تھی وہ تیغ دو زباں اہل ستم خس
آئی یہ صدا عالم بالا سے کہ بس بس
ہے وقت شہادت کا شجاعت کا نہیں ہے
اب ہم بھی سمجھ لیں گے قیامت کی گھڑی ہے

۸۵

ہاں دی تھی اسی نے تمہیں لڑنے کی اجازت
سب ہے ترے قبضے میں مرے ہاتھ کی طاقت
اب صبر دکھا اے پسر شاہ ولایت
منظور نبی کو ہے کرامت نہ ہو غارت
غم میں ترے رو رو کے جو فریاد کریں گے
ہم بھی ترے شیعوں کو بہت شاد کریں گے

۸۶

اللہ رے تسلیم و رضائے شہ ابرار
گھوڑے سے اتر کر یہ پکارے بدل زار
آئی ادھر آواز ادھر رک گئی تلوار
خولی ہے کہاں اور کہاں ظلم ستمگار
اس حلق پہ منہ احمد مرسل نے ملا ہے
وعدہ کریں ذبح میں حاضر یہ گلا ہے

۸۷

ہے شوق کہ جاں اب رہ معبود میں واریں
لو تیغ نہیں ہاتھ میں نیزہ سبھی ماریں
رگ رگ پہ چھری پھیر دیں تلوار کی دھاریں
چھاتی پہ چڑھیں سر کو بدن پر سے اتاریں
میرا بھی اور امت کا بھی مطلب نکل آئے
جلدی کریں ایسا نہ ہو زینب نکل آئے

۸۸

یہ سنتے ہی بھاگے ہوئے پھر آئے جفا جو
تیغوں سے کٹے ابن ید اللہ کے بازو
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خون میں گیسو
پہلوئے مبارک پہ لگے تیر سہ پہلو
سب خون سے محمد کی قبا لال ہوئی تھی
چھاتی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

۸۹

جب ایک ہزار اور کئی سو زخم اٹھائے
چلائی یہ زینب جو نہیں لڑنے کو آئے
غش میں کئی ساعت رہے گردن کو جھکائے
ہے ہے مرے بھائی کو اب کون بچائے
روتی تھی سکینہؑ پہ نہ جا سکتے تھے حضرت
ہر زخم میں بچے کی طرف تکتے تھے حضرت

۹۰

نیزوں سے جو مجروح ہوا چاند سا سینہ
نزدیک اجل ہم سے ہے اور دور مدینہ
فرماتے تھے افسوس صد افسوس سکینہؑ
صغراؑ سے بھی ملنے کا نہیں کوئی قرینہ
واں تو وہ مسافر ہے یہاں اپنا سفر ہے
شبیر کے احوال کی کیا اس کو خبر ہے

۹۱

تھے غش میں شہِ دیں کہ گئی فرق پہ تلوار
رکھنے جو لگا حلق پہ خنجر کو ستمگار
تورا کے سوئے قبلہ جھکے خاک پہ اک بار
ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکارے شہِ ابرار
حل کرائے یاربؐ کہ یہ مشکل کی گھڑی ہے
فریاد کو مادر مری سر ننگے کھڑی ہے

۹۲

یا حیدرِ کرار مدد کا ہے یہ ہنگام
قاتل جو گلا کاٹے تو تھرائے نہ اندام
آپ آتے ہیں مشکل میں غریبوں کی بہت کام
سر صبر سے کٹوا کے کروں خاک پہ آرام
خنجر کے تلے حال نہ کچھ غیر ہو میرا
بیجے یہ وفا خاتمہ بالخیر ہو میرا

۹۳

قاتل جو مرے حلق پہ خنجر کو پھرائے
یہ جانِ حزیں رنج اٹھائے تو اٹھائے
جز شکرِ خدا لب پہ کوئی حرف نہ آئے
دولت نہ شہادت کی مگر ہاتھ سے جائے
اس رنج اٹھانے کا صلہ پا کے مروں میں
خالق سے گنہگاروں کو بخشا کے مروں میں

۹۴

مقبول ہوئی شہ کی دعا چل گیا خنجر
گردوں میں اس دن سے بپا ہو گیا محشر
اک پھول کے مانند بدن پر سے کٹا سر
تازہ ہے انیسؔ آج تلک ماتمِ سرور
روتی ہے یوں خلق بتائے کوئی ہم کو
ہر سال اگر ہے تو ترقی اسی غم کو

سلام

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

لحد میں سوتے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

یہ طل تھا مہرِ نبوت پہ جب چڑھے حسینؑ
جڑا ہے ایک انگوٹھی پہ دو نگینوں کو

بجا ہے اس لیے اکبرؑ سے تھا حسینؑ کو عشق
کہ دوست رکھتا ہے اللہ بھی حسینوں کو

حسینؑ جاتے ہیں پھر بہرِ نبرد میداں میں
چڑھائے شیرِ ید اللہ آستینوں کو

بھلا تردد بے جا سے اُن میں کیا حاصل؟
اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

علم لیے ہوئے عباسؑ نکلے خیمے سے
چڑھا لیا علی اکبرؑ نے آستینوں کو

مزا یہ طرفہ ہے مضمون دیں جواب نہیں
مقابلہ پہ چڑھائے ہیں آستینوں کو

غلط یہ لفظ وہ بندش بری یہ مضموں سست
ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو

فلک پہ جب ہوئی آہ و زاری کبھو دم صبح
تو غازیوں نے رکھا مرکبوں پہ زینوں کو

نگاہِ غازیں ٹپکنے لہو جو قبضے سے
چڑھا لیا شہِ والا نے آستینوں کو

دہان کیسۂ زر بند کر پرائے منعم
خدا کے واسطے بند کر جبیں کے چینوں کو

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

رباعی

عریاں سرِ خاتونِ زمن ہے اب تک
ناموس پہ ایذا و محن ہے اب تک
چہلم کے ہیں دن خاک اڑاؤ یارو
شبیرؑ کی لاش بے کفن ہے اب تک

رباعی

عابدؑ کہتے تھے آہ کیا چارہ ہے
یہ لاشِ غریب الوطن آوارہ ہے
گر جمع کریں انھیں تو قرآں ہو جائے
ہر عضو تنِ حسینؑ سی پارہ ہے

رباعی

چلاتے تھے مسلمؑ کے پسر قتل نہ کر
مظلوم ہیں اور سب پدرؑ قتل نہ کر
ہم بے وطنوں پہ رحم کر اے حارث
للہ ہمیں بیچ لے پر قتل نہ کر

رباعی

خیمہ لبِ نہر شہ کو کرنے نہ دیا
پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا
پہلی ہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے
دریا پہ مسافر کو اترنے نہ دیا

رباعی

کشتی تھی جو گل اسے پیارے شبیرؑ
کس بیکسی سے جاتے ہو ہائے شبیرؑ
جنت کو سدھارے سب عزیز و رفقا
اب کوئی نہیں پاس تمھارے شبیرؑ

رباعی

اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے
آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پہ تو سوچ کے پاؤں انیس
اک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

مصرع	بند	مصرع
جب خیمے میں رخصت کو شہ بحر و بر آئے	مرثیہ	چلائی سکینہ مرے بیکس پدر آئے
حضرت کو جو ناموسِ پیمبر نظر آئے		رو کر کہا ہم قبر میں اصغر کو دھر آئے
لو بیبیو شبیر جہاں سے سفری ہے		اب فاطمہ کا لال چراغِ سحری ہے
تنہا ہوئے کس طرح نہ ہم مرنے کو جائیں	۲	قاسم ہیں کہ عمو کے عوض خوں میں نہائیں
عباس ہیں جو نہر پہ ہاتھ اپنا کٹائیں		اکبر ہیں جو بابا کی عوض برچھیاں کھائیں
یاور کوئی جز بیکسی و یاس نہیں ہے		اصغر بھی موئے اب تو کوئی پاس نہیں ہے
تقدیر میں جو داغ اٹھانے تھے اٹھائے	۳	ان آنکھوں سے فرزندوں کے لاشے نظر آئے
اکبر سا پسر مر گیا ہم مرنے نہ پائے		لازم ہے مجھے اس قافلے سے جلد ملائے
کس سے کہوں جو ہجرِ عزیزاں کا قلق ہے		دل دھڑکے ہے سینے میں کلیجہ مرا شق ہے
تم سب کو کیا خالقِ اکبر کے حوالے	۴	زہرا کے حوالے کیا حیدر کے حوالے
سب گھر ہے مرا عابدِ مضطر کے حوالے		ہے میری سکینہ مری خواہر کے حوالے
ماتم میں مرے نالہ و فریاد کرے گی		بہلانا جس دم وہ مجھے یاد کرے گی
اصغر کو لیے گود میں پھرتی تھی وہ دن بھر	۵	بہلائے گی دل کس سے کہ مارے گئے اصغر
اب اور یتیمی کی بلا آئی ہے سر پر		غم ہے کہ یہ کس طرح جیے گی مری دختر
کون اس کے بھلا ناز اٹھائے گا مرے بعد		چھاتی پہ اسے کون سلائے گا مرے بعد
افسوس مری پیاری پہ اب ہوئے گی بیداد	۶	ڈر کے لیے ماریں گے طمانچے ستم ایجاد
چلائے گی لے لے کے مرا نام وہ ناشاد		مر کر بھی غم و رنج سے ہم ہوں گے نہ آزاد
ہیہات گلا باندھے گا جب شمر رسن میں		لاشہ مرا صدمے سے تڑپ جائے گا رن میں
کہہ کر یہ سخن رونے لگے سیدِ اکرم	۷	ناموسِ محمد میں بپا ہو گئی ماتم
سر پیٹ کے زینب نے کہا اے شہِ عالم		کس سے سخنِ یاس یہ فرماتے ہو اس دم
کچھ میری بھی ہے فکر جو سر دیتے ہو بھائی		ہے ہے مجھے مرنے کی خبر دیتے ہو بھائی
جاتے ہو تو ہمراہ بہن کو لیے جاؤ	۸	میں تیرِ ستم کھاؤں گی تم برچھیاں کھاؤ
جب غش میں سرِ پاک کو مرنے پہ جھکاؤ		میں تھام لوں تا خاک پہ تم گرنے نہ پاؤ
تنہا تمہیں شمشیر و تبر کھانے نہ دوں گی		مر جاؤں گی پر آپ کو میں جانے نہ دوں گی
بابا نہیں اماں نہیں بیٹے بھی نہیں پاس	۹	پردیس میں ہے کون بجز بیکسی و یاس
اس خواہرِ غمگیں کو فقط آپ کی ہے آس		بعد آپ کے کرنے کا نہیں کوئی مرا پاس
ہر شہر میں سر ننگے بہ دلِ تفتہ پھروں گی		صدقے گئی در در میں رسن بستہ پھروں گی

۱۰

رونے لگے زینبؑ سے یہ سن کر شہِ ابرار
چھاتی سے لگایا اسے بادیدۂ خونبار
فرمایا کہ دے صبر تجھے ایزدِ غفار
واللہ بہن بھائی ہے اس امر میں ناچار
کس طرح نہ مرنے کا ارادہ کرے زینبؑ
ہے مرضیِ خالق تو بہن کیا کرے زینبؑ

۱۱

جانے دو بہن خالقِ اکبر کی قسم ہے
روکو نہ ہمیں تم کو پیمبرؐ کی قسم ہے
زہراؑ کی تمہیں روحِ مطہر کی قسم ہے
بس صبر کرو اب تم کو مرے سر کی قسم ہے
تنہائی سے دم سینے میں گھبراتا ہے بہنا
اب ٹھہروں تو وعدے میں خلل آتا ہے بہنا

۱۲

یہ سن کے گری زینبؑ دلگیر زمیں پر
چلائی کہ دنیا سے چلے ہائے برادر
پھر شہ نے کہا دیکھ کے بانو کو کھلے سر
صاحب کہو کیا حال ہے کیوں پھینک دی چادر
لب پر کبھی نالہ ہے کبھی سینہ زنی ہے
ہم تو ابھی جیتے ہیں یہ کیا شکل بنی ہے

۱۳

رو کر کہا بانوؑ نے کہ یا سبطِ پیمبرؐ
کچھ ہوش نہیں جب سے موے ہیں علی اکبرؑ
کس طرح میں چھاتی کو نہ پیٹوں مرے سرور
اکبرؑ ہی کو روتی تھی کہ مارے گئے اصغرؑ
جینے کی نہیں دل پہ بڑا رنج و تعب ہے
آقا نے بھی لونڈی کو جو چھوڑا تو غضب ہے

۱۴

شہ نے کہا بانوؑ یہی قسمت میں لکھا ہے
تقدیر سے کچھ زور نہیں صبر کی جا ہے
آیا ہے جو دنیا میں وہ اک روز فنا ہے
گھبراؤ نہ ہر دکھ میں مددگار خدا ہے
دو بیٹے فدا کر چکی ہو راہِ خدا میں
شوہر کو بھی قربان کرو راہِ خدا میں

۱۵

پیغامِ رضا اپنے کا سنا شاہ سے جس دم
یہ روئی کہ بے ہوش ہوئی بانوئے پُرغم
عابدؑ کے سرہانے گئے روتے شہِ عالم
بازو کو ہلا کر کہا بادیدۂ پُرنم
کیا غش میں ہو رخصت کو پدر آیا ہے بیٹا
اٹھو کہ وصیت کو پدر آیا ہے بیٹا

۱۶

بابا کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
اٹھا نہ گیا سر قدمِ شہ پہ جھکایا
شہ بیٹھ گئے اور اسے آہستہ اٹھایا
منہ دیکھ کے عابدؑ نے یہ حضرت کو سنایا
روشن ہوئیں آنکھیں شہِ والا نظر آئے
بس اب ہوئی صحت کہ مسیحا نظر آئے

۱۷

شہ نے کہا دے تجھ کو شفا ایزدِ غفار
جاتا ہے پدر مرنے کو اے عابدِ بیمار
بیٹے کے جلانے کو اب آئیں گے جفاکار
رہنا حرمِ پاک سے بلوے میں خبردار
اس گھر کے بس اب مالک و مختار تمہیں ہو
بے وارثی رانڈوں کے مددگار تمہیں ہو

۱۸

سمجھاتا ہوں جو کچھ وہی کرنا مرے دلدار
رسی بندھے گردن میں تو مت کیجیو تکرار
تھوڑا نہ سر دیکھتے ہی طوقِ گراں بار
رکھ دیجو قدم بیڑیاں لائیں جو ستمگار
فرزند ہو تم ابنِ شہِ عقدہ کشا کے
پابند رہو سلسلۂ صبر و رضا کے

۱۹

اور اک یہ وصیت ہے مری یاد رہے جانی!
جو پیاس میں پھر گزرے ہیں پایا نہیں پانی
بھولو نہ فراموش مری تشنہ دہانی
دیں پانی اگر بعد مرے ظلم کے بانی
تم فاتحہ بابا کا دلا دیجیو بیٹا!
اور پیاسی سکینہؑ کو پلا دیجیو بیٹا

۲۰

اور سونے وطن جائیو جب قید سے چھٹ کر
بی بی بچے جو لائیں سب بیکس و مضطر
صغراؑ سے یہ کہیو مری جانب سے مکرر
تھی یاد تری دل میں گلا تھا تہہ خنجر
تقدیر نے زندہ ہمیں پھیرا نہ سفر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

۲۱

سجادؑ نے حضرت سے کہا تھام کے رقت
اس قید مصیبت سے تو بہتر ہے شہادت
کیا بندے کو مرنے کی نہ دیجے گا اجازت
بن آپ کے ہے زیست مرے حق میں قیامت
یہ شدت تپ اور یہ تنہائی ہماری
گر آپ نے چھوڑا تو اجل آئی ہماری

۲۲

شہ نے کہا صدقے گئے مظلومی کے شبیرؑ
کس طرح سے تو حلق دھرے گا تہہ شمشیر
اے عابد بیکس یہی خواہش تقدیر
بیمار ترے حصے میں تو ہے طوق گلوگیر
تا زیست تجھے باپ کے ماتم میں ہے رونا
چالیس برس بچھ کو مرے غم میں ہے رونا

۲۳

ہر چند کہ ہے تم پہ فراق پدری جبر
آجائے گا غش روؤ نہ بیٹا صفت ابر
جب تم نہ ہوئے کون بناوے گا مری قبر
اب گھر میں نہ ہم آئیں گے بابا کو کرو صبر
ناموس رسولؐ دوسرا کو تمہیں سونپا
سونپا تمہیں گھر اور خدا کو تمہیں سونپا

۲۴

غش ہو گئے سجادؑ حزیں سن کے یہ تقریر
صدمے سے ہوا زرد رخ زینبؑ دلگیر
روتے ہوئے میداں کو چلے حضرت شبیرؑ
چلا کے کہا بانوؑ نے ہے ہے مری تقدیر
اٹھتا ہے مرے شاہ کا سایا مرے سر سے
لوگو میں چھٹی جاتی ہوں زہراؑ کے پسر سے

۲۵

سمجھاتے تھے ایک ایک کو شہ با دل ناشاد
بچو ابھی اب خالق اکبر کو کرو یاد
اے بیبیو بے فائدہ ہے نالہ و فریاد
شاکر رہو ہر دکھ میں کہ حق کا ہے یہ ارشاد
یہ سن کے کھڑی تکتی تھی شبیرؑ کی صورت
شہ دیکھتے تھے رو رو کے ہمشیر کی صورت

۲۶

خیمے سے برآمد ہوئے آخر شہ صفدر
کیا کیجے بیاں بیکسی سبط پیمبرؐ
سب بیبیاں ڈیوڑھی پہ رہیں کھولے ہوئے سر
بیٹا نہ بھتیجا نہ علمدار نہ لشکر
تنہا تھے جو رکاب آپ کی اتنا نہ کوئی تھا
رہوار تھا یا راکب دوش نبوی تھا

۲۷

کس یاس سے ہر چار طرف تکتے تھے مضطر
رو کر کبھی چلاتے تھے آؤ علی اکبرؑ
دکھلائی نہ دیتا تھا کوئی مونس و یاور
دل تھام کے کہتے تھے کبھی ہائے برادر
لو جلد خبر بیکس و بے یار کی عباسؑ
تم تھامو رکاب آ کے تو اسوار ہوں عباسؑ

۲۸
رو رو کے یہ کہتے تھے شہنشاہِ دو عالم
ہرگز دلِ زینبؑ کو قرار آیا نہ اُس دم
منظورِ شبیرؑ پہ تھا خیمے میں ماتم
چلّاتی ہوئی ڈیوڑھی سے نکلی وہ بصد غم
اے بھائی دکھاؤں کے تنہائی تمہاری
تھامے گی رکاب آج یہ ماں جائی تمہاری

۲۹
شہ نے کہا زینبؑ تری الفت کے میں قرباں
پھر گھوڑے کے نزدیک گئے سرورِ ذیشاں
بھائی کے لیئے پردے کا تم کو نہ رہا دھیان
رو رو کے کہا لو بہن اللہ نگہباں
زینبؑ نے رکھا ہاتھ رکابِ شہِ دیں پر
شبیرؑ ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر

۳۰
میداں کو چلی سیّدِ بیکس کی سواری
جنگاہ میں پہونچا اسدِ ایزدِ باری
زینبؑ گئی خیمے میں بصد گریہ و زاری
اس غیظ سے دیکھا کہ لگے کانپنے ناری
کیا رعب تھا کیا دبدبہ تھا ابنِ علیؑ کا
قبضے کی طرف ہاتھ نہ بڑھتا تھا کسی کا

۳۱
بچپن کا تھا مرکب تہِ ران برق کی تمثال
کہتے تھے ستمگار رے حشمت و اجلال
ہر مرتبہ چمکارتا تھا فاطمہؑ کا لال
دیکھو تو ذرا شوکتِ شبیرؑ خوش اقبال
لب تشنہ کئی دن شہِ مظلوم رہے ہیں
پر شیر سے میدان میں گھوڑے پہ جمے ہیں

۳۲
دن ہو گیا جلوے سے رخِ تاب کے مہتاب
ہیں نرگسی آنکھیں تو ہے چہرہ گلِ شاداب
ابرو ہیں حریمِ حرمِ پاک کے محراب
لب غیرتِ یاقوت ہیں دنداں دُرِ خوش آب
آئینہ ہے گردن تو صراحی سا گلا ہے
حضرت کا بدن نور کے سانچے میں ڈھلا ہے

۳۳
اتنے میں ہوئے بڑھ کے رجز خوان شہِ صفدر
نانا ہے پیمبرؐ مری ماں بنتِ پیمبرؐ
پہچانو مرے بابا کو اے قومِ ستمگر
بھائی حسنِ سبز قبا عاشقِ داور
میں سرورِ دوران چمنِ شیرِ خدا ہوں
واللہ ڈرو مجھ سے میں شمشیرِ خدا ہوں

۳۴
تم وہ ہو کہ لکھ لکھ کے خطِ شوق بلایا
تم وہ ہو کہ بے جرم و خطا مجھ کو ستایا
میں ہوں کہ جو گھر چھوڑ کے اس گرمی میں آیا
میں وہ ہوں کہ شکوے کا سخن لب پہ نہ لایا
تم وہ ہو کہ تصویرِ پیمبرؐ کی مٹا دی
میں وہ ہوں کہ جس نے تمہیں بخشش کی دعا دی

۳۵
پنہاں کیے تم نے مرے یاور مرے پیارے
تم صبح و مسا رہتے ہو دریا کے کنارے
میں رہ گیا سب جانبِ فردوس سدھارے
بچے مرے جاتے ہیں مرے پیاس کے مارے
مہماں کو بھی ایذا کہیں دنیا میں ہوا ہے
پانی نہیں دیتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے

۳۶
کچھ بولے نہ حضرت کے سخن سن کے ستمگار
کی سبطِ پیمبرؐ نے علم تیغِ شرربار
اک بار بجے طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
بجلی کی طرح جاری پڑا فوج میں رہوار
دم بند ہوئے تیغ سے بیداد گروں کے
ہر چار طرف چھا گئے بادل سپروں کے

۳۷

کس سے ہو بیاں تیزیِ تیغِ شہِ عالم
کہیے اسے برقِ غضبِ خالقِ اکرم
ہنگام رقم حرف کٹے جاتے ہیں باہم
خونریز جفاکار وہ سر انداز شرر دم
جس غول پہ بجلی سی وہ جا پڑتی تھی سم کے
سر گرتے تھے مانند تگرگ اہلِ ستم کے

۳۸

میداں میں زبس خوں کے دریا کا ہوا جوش
ناری جو بہادر تھے نہ تھا اُن میں ذرا ہوش
مچھلی کی طرح لوٹتے پھرتے تھے زرہ پوش
تھا شور کہ بس شمعِ حیات اب ہوئی خاموش
کیا جانتے بھلا سبطِ پیمبر کے برابر
اک برق نکل جاتی ہے دو کر کے برابر

۳۹

کیا تیغ تھی کیا ضرب تھی الحفیظ للہ
دم لینے نہ دیتے تھے کسی کو شہِ ذی جاہ
ہاں کوہ جو ہوتے تو کٹے مثلِ پرِ کاہ
دوزخ کی طرف رن سے چلے جاتے تھے گمراہ
سو جاں سے فدا ضربتِ دستِ شہِ دیں پر
کتنے ہی تڑپتے نظر آتے تھے زمیں پر

۴۰

کرتا ہے علم سیف زباں راوی پُرغم
تھے گھاٹ جو روکے ہوئے واں سیکڑوں اظلم
لڑتے ہوئے دریا پہ جو پہنچے شہِ عالم
اک حملے میں ان سب کو کیا درہم و برہم
آئی جو ہوا اسپِ شہِ تشنہ دہاں کو
لٹکا دیا پانی پہ نظر کر کے زباں کو

۴۱

حضرت نے جو دیکھا کہ بہت تشنہ ہے رہوار
فرمایا کہ سیراب ہو اے اسپِ وفادار
ٹھکرا کے اسے ڈال دیا نہر میں اک بار
اچھا ہے ابھی گھیر نہیں پھر کہیں کفار
اور میں تو کبھی پانی سے لب تر نہ کروں گا
پیاسے ہوئے جاتے ہیں پیاسا ہی مروں گا

۴۲

بے جاں ہوئے بن پانی تڑپ کر علی اکبر
دم توڑتی ہے خیمے میں پیاسی مری دختر
ہاتھوں پہ مرے تشنہ دہن مر گئے اصغر
اے گھوڑے تو منصف ہو میں پانی پیوں کیونکر
اب دل کو مرے ساغرِ کوثر کی ہوس ہے
اور حلق کو آبِ دمِ خنجر کی ہوس ہے

۴۳

راکب کی جو تقریر سنی گھوڑے نے ساری
رو رو کے یہ کی عرض کہ اے عاشقِ باری
اک ندی ہوئی آنسوؤں کی چشموں سے جاری
سیراب ہوں میں اور نہ بجھے پیاس تمہاری
حضرت کی طرح پانی سے بیزار ہوں آقا
میں بھی نہ پیوں گا کہ وفادار ہوں آقا

۴۴

رونے لگے یہ سن کے شہِ بیکس و بے پر
چاہا جو شہِ تشنہ نے کہ لب خشک کریں تر
پھر سوچ کے کچھ پانی بھرا چلو کے اندر
چلّا کے یہ تب کہنے لگا ایک ستمگر
پانی سے ابھی حلق نہ تر کیجے حضرت
گھر لٹتا ہے ہاں جلد خبر لیجے حضرت

۴۵

تاراج ہوا اہلِ حرم کا زر و زیور
یہ سنتے ہی شاہِ دو جہاں ہو گئے مضطر
سیدانیاں خیمے سے نکل آئی ہیں باہر
اس پانی کو بس پھینک دیا نہر کے اندر
لی تیغِ دو دم ہاتھ میں گھوڑے پہ سنبھل کر
خیمے کو گئے دیکھنے دریا سے نکل کر

۴۶

گھر سید مظلوم کو سارا نظر آیا ... مطلق اثر اس شادی کی باتوں کا نہ پایا
جاکے لاشے کو جو دیکھا تو سنایا ... اے بھائی خبر لو ہمیں اعدا نے ستایا
گھر ہو گیا ویران علی اکبرؑ کے مارے ... اٹھ کر ہمیں پرسا دو کہ اصغرؑ گئے مارے

۴۷

رو رو کے ابھی کہتے تھے یہ سبط پیمبرؐ ... جو گھیر لیا فوج ستمگار نے آکر
تیر ایسے پڑے چھن گیا سارا تن انور ... سینے پہ پڑیں برچھیاں اور پہلو پہ خنجر
ٹکڑے ہوا تیغوں سے عمامہ شہ دیں کا ... آلودۂ خوں ہو گیا جامہ شہ دیں کا

۴۸

زخمی جو بہ شدت ہوا زہراؑ کا وہ جانی ... طاقت تو گھٹی اور بڑھی تشنہ دہانی
تلواریں لگاتے تھے کھڑے ظلم کے بانی ... ہونٹوں پہ زباں پھیر کے شہ کہتے تھے پانی
کرتا تھا کوئی رحم نہ اس تشنہ دہن پر ... پانی کے عوض تیر برستے تھے بدن پر

۴۹

فرماتے تھے افسوس نہ رحم مرا جانا ... اے ظالمو اچھا نہیں زہراؑ کا ستانا
[illegible] پیاسے کو پانی کا پلانا ... ملبوس بھی کرتے ہو تیروں کا نشانا
تلواریں یہ سب چلتی ہیں حیدرؑ کے جگر پر ... پڑتے ہیں یہ سب تیر پیمبرؐ کے جگر پر

۵۰

سنتے تھے نہ مظلوم کی فریاد ستمگر ... اک پیاسے پہ ٹوٹا ہوا تھا شام کا لشکر
بہ بہ کے لہو زخموں سے گرتا تھا زمیں پر ... رہوار بھی مجروح تھا تیغوں سے برابر
لگتے تھے جو پیکان ستم چہرے پہ آکر ... ہر مرتبہ خوں جھاڑتا تھا سر کو پھرا کر

۵۱

اتنے میں چھدا تیر سے حلق شہ ابرار ... پیکان ستم گردن انور سے ہوا پار
حلقوم سے کھینچا جو وہیں وہ ناوک خونخوار ... فوارے کے مانند چھٹی خون کی اک دھار
صدمہ تھا عجب دوش محمدؐ کے مکیں پر ... گرتا تھا گریباں سے لہو دامن زیں پر

۵۲

پیشانی پہ اک تیر لگا اور بھی کاری ... آلودۂ خوں ریش مبارک ہوئی ساری
ڈھل ڈھل کے لہو چہرے پہ وہ عاشق باری ... کہتا تھا کچھ امت نے نہ کی قدر ہماری
فردوس میں جا کر یہ میں بابا سے کہوں گا ... جنت میں اسی طرح میں نانا سے ملوں گا

۵۳

ناگاہ بن وہب نے اک برچھی لگائی ... تھی زہر میں ظالم نے سناں اس کی بجھائی
وہ دلبر زہراؑ کے سینے میں در آئی ... گردن شہ مظلوم نے ہرنے پہ جھکائی
سنبھلا نہ گیا دوش محمدؐ کے مکیں سے ... یا شیر خدا کہہ کے گرے خانۂ زیں سے

۵۴

سب زخم بدن پھٹ گئے گرتے ہی زمیں پر ... بسمل کی طرح خوں میں تڑپنے لگے سرور
آلودہ ہوئے خاک سے گیسوئے معنبر ... تلواریں لگانے لگے گرد آکے ستمگر
تھی خشک زباں بول نہ کچھ سکتے تھے حضرت ... مظلومی سے اک ایک کا منہ تکتے تھے حضرت

۵۵
چلاتی تھی ڈیوڑھی پہ کھڑی خواہرِ شبیر
دم توڑتے ہو پانی پلاتے نہیں بے پیر
اس بیکسی مظلومی کے صدقے ہو یہ ہمشیر
اس دم میں نکل آتی ہوں میں بیکس و دلگیر
تلواریں پڑیں گی تو نہ گھبراؤں گی بھائی
جاں آپ کے نیچے میں اٹھالاؤں گی بھائی

۵۶
ریتی پہ تڑپتے ہو تمہیں کون اٹھائے
ہے ہے کہوں کس سے کہ تمہیں پانی پلائے
ہے ہے کسے بھیجوں جو لعینوں سے بچائے
ہے ہے کسے ماں جائی ذرا حال دکھائے
یا حیدرِ صفدر تمہیں امداد کو پہنچو
بھائی کا گلا کٹتا ہے فریاد کو پہنچو

۵۷
فریاد تھی زینبِ ناشاد کی جس دم
دیکھا کہ یہ ہے خواہرِ غم دیدہ کا عالم
خیمے کی طرف تکنے لگے سیدِ اکرم
سر پیٹتی ہے ہاتھوں سے اور کرتی ہے ماتم
تھامے ہیں کئی بیبیاں اس خستہ جگر کو
اس صدمے سے غش آگیا زہرا کے پسر کو

۵۸
لشکر سے بڑھا شمرِ لعیں کھینچ کے خنجر
زانو سے دبا سینۂ زخمی جو سراسر
فریاد ہے چھاتی پہ چڑھا شہ کی ستمگر
اُس وقت لہو منہ سے اگلنے لگے سرور
خنجر کو رکھا شہ کے گلے پہ جو لعیں نے
اکبر کی کھول کے آنکھیں شہِ دیں نے

۵۹
ظالم کو زباں سوکھی دکھائی کئی باری
جب تک کہ نہ گردن کی رگیں کٹ چکیں ساری
پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
تکبیر رہی شہ کے لبِ خشک پہ جاری
جس وقت جدا ہو گیا سر تیغ سے کٹ کر
خم ہو گیا قبلے کی طرف جسم الٹ کر

۶۰
غل پڑ گیا بے سر ہوا سردارِ دو عالم
خاموش انیس اب کہ بڑا بزم میں ماتم
خنجر سے دل و جان بھی ہو گئے بے دم
اب خالقِ اکبر سے دعا مانگ یہ اس دم
غیر از غمِ شبیر کوئی غم نہ ڈراوے
یا رب مجھے تو قیدِ تفکر سے چھڑاوے

سلام

۱
گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

۲
مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے

۳
خیال آگیا دنیا کی بے ثباتی کا
چلے جہاں سے جو اصغر تو مسکرا کے چلے

۴
طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو
کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے

۵
کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

۶
خرامِ اسپِ شہِ دیں سے دیں گے ہم تشبیہ
کہاں اب کبکِ دری چال تو بتا کے چلے

شعر	نمبر	مصرع اول
انہیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے	۷	ملا جنہیں انہیں افتادگی سے اوج ملا
بہار باغ جوانی ہمیں دکھا کے چلے	۸	حسینؑ کہتے تھے واحسرتا علی اکبرؑ
حسینؑ فوج پہ جب آستیں چڑھا کے چلے	۹	ملک پکارے کہ اے شاہ دیں کا حملہ
مزارِ شاہ پہ لختِ جگر چڑھا کے چلے	۱۰	علی نہ بھولوں کی چادر تو اہلبیت امام
علیؑ کے چاند کو ہم خاک میں ملا کے چلے	۱۱	چلے وطن کو جو عابدؑ تو کہتے تھے رو کر
قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے	۱۲	رہی غرور سے نفرت سیہ کاروں کو
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے	۱۳	تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے	۱۴	انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ

رباعی

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی
اس وقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے
لذت دنیا کی زہر قاتل ہوتی
دو چار گھڑی بھی زیست مشکل ہوتی

رباعی

کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے
اس دم جو شریک درد ہو دے میرا
پتھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے
خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے

رباعی

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ دولت استغنا سے
پر نشہ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

رباعی

مملو گہر معنی سے مرا سینہ ہے
جب قفل دہن کھلا ہوا ہر سکے
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
گویا کہ زباں کلید گنجینہ ہے

رباعی

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیس
کب سمجھتے ہیں جو ٹھک ہیں ڈھلنے والے
رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے

مرثیہ ۱

۱

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے
اس طرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے
یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاروں میں

۲

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں پُر آب
ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
تیغ سے دیتے ہیں سردار کا اعدا کو جواب
سلطنت صف میں ہے جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سیکڑوں تیرِ ستم تن سے گزر جاتے ہیں

۳

گیسوئے آلودۂ خوں لپٹے ہیں رخساروں سے
تیر پیوست ہے خوں بہتا ہے سوفاروں سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہیں تلواروں سے
لاکھ آفت میں ہے اک جان دل آزاروں سے
فکر ہے سجدۂ معبود میں سر دینے کی
وار سے تیغوں کے فرصت نہیں دم لینے کی

۴

خوں سے تر پیچ عمامے کے ہیں سر زخمی ہے
سینہ سب برچھیوں سے تا بہ کمر زخمی ہے
ہے جبیں چاند سی پر نور مگر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضربِ شمشیر سے بیکار ہیں بازو دونوں
ظلم کے تیروں سے مجروح ہیں پہلو دونوں

۵

برچھی آ کر کوئی پہلو میں لگا جاتا ہے
بڑھتے ہیں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آ جاتا ہے
بند آنکھیں ہیں سرِ پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہراؑ و علیؑ گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امامِ دو جہاں گرتے ہیں

۶

گرتے ہیں قطرۂ خوں زخمِ جبیں سے پیہم
فکر ہے بخششِ امت کی کچھ اپنا نہیں غم
دست مجروح سے کھنچ سکتے نہیں تیرِ ستم
کرتے ہیں شکرِ خدا خشک زباں سے ہر دم
ہے عبا تیروں سے غربال قبا گلگوں ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہیں دہن پرخوں ہے

۷

زیں سے ہوتا ہے جدا دوشِ محمدؐ کا مکیں
برچھیاں گرد ہیں اور بیچ میں ہیں سرورِ دیں
چمنِ فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمیں
ہے یہ نزدیک گرے مہرِ نبوت کا نگیں
پاؤں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہیں
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہیں

۸

لاکھ تلواریں ہیں اور ایک تنِ اطہر ہے
سیکڑوں خنجرِ فولاد ہیں اور اک سر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی کھسکتی ہے اٹھا سکتے نہیں
سامنے اہلِ حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں

۹

کوئی سید کا نہیں آہ بچانے والا
پیاس میں کوئی نہیں پانی پلانے والا
ضربیں لاکھوں ہیں اور اک زخم اٹھانے والا
سہے کس طرح بھلا برچھیاں کھانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے
مارے گرمی کے زباں خشک ہے لو چلتی ہے

۱۰
کہیں دم لینے کو سایہ نہیں ہے وقتِ زوال
اینٹھی جاتی ہے زباں پیاس کی شدت ہے کمال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہیں نڈھال
شکلِ خورشید بدن ضعف سے تھرّاتا ہے
نیّرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

۱۱
کہتے ہیں ظالموں سے خشک زباں دکھلا کر
بہرِ حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہلِ کیں کہتے ہیں یہ تیغِ ستم چمکا کر
آبِ شمشیر پیو برچھیوں کے پھل کھا کر
یہ سخن سن کے بھی غصّہ نہیں فرماتے ہیں
پیاس سے سوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہیں

۱۲
عرض کرتے ہیں یہ خالق سے کہ اے ربِّ غفور
تو ہے عالم کہ نہیں کچھ ترے بندے کا قصور
کرتے ہیں یہ مجھے بے جرم و خطا تیغوں سے چور
ہاتھ امت پہ اٹھانا نہیں مجھ کو منظور
جانتے ہیں کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
پانی دیتے نہیں دو روز کا پیاسا ہوں میں

۱۳
تو نے بچپن سے مرے ناز اٹھائے یارب
وہ عنایت کیا جو تجھ سے کیا میں نے طلب
تیرا محبوب بنا عید کو میرا مرکب
روزہ رکھا تو چھپا ماہ نمایاں ہوئی شب
بھوک میں خلد کا کھانا مجھے امداد کیا
بھیج کر ہرنی کا بچہ مرا دل شاد کیا

۱۴
اب اگر ہے یہ تری مصلحت اے ربِّ قدیر
ہو رواں حلق پہ اس پیاسے کے آبِ شمشیر
میرے مولا بسر و چشم ہے حاضر شبیرؑ
حکمِ حاکم ہیں یہ طاقت ہے کروں میں تاخیر
جلد گردن پہ رواں خنجرِ براں ہو جائے
بس خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہو جائے

۱۵
غم نہیں کچھ مجھے گو بیکس و بے یار ہوں میں
زیرِ شمشیر گلا رکھنے کو تیار ہوں میں
تو مددگار ہے مختار ہے لاچار ہوں میں
وقتِ مشکل ہے عنایت کا طلبگار ہوں میں
تیرے سجدے میں یہ سر تن سے جدا ہو جائے
عہدِ طفلی کا جو وعدہ ہے وفا ہو جاوے

۱۶
سختیاں مرگ کی کر اپنے کرم سے آساں
لب پہ تکبیر ہو جب حلق پہ خنجر ہو رواں
دل میں ہو یاد تری بند ہو جس وقت زباں
دم بھرے دل ترا ہی تن سے جو نکلنے لگے جاں
بعد چہلم جو مجھے قبر میسر ہووے
زخمی تن پر نہ فشار اے مرے داور ہووے

۱۷
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بارِ خدا
بندگی کا ترے جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوف محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا
ہو گی اعمال کی پرسش تو کہوں گا میں کیا
کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

۱۸
تقویتِ دل کو کرم سے ہے ترے یا رحمان
نہیں مایوس کہ رحمت ہے تری بے پایان
مشکلیں بندوں کی کر دیتا ہے دم میں آساں
شکرِ الطاف و عنایات میں قاصر ہے زباں
عاصیوں سے بھی محبت نہیں کم کرتا ہے
جرم وہ کرتے ہیں تو لطف و کرم کرتا ہے

۱۹
میں تری راہ میں مظلومی سے ہوتا ہوں فدا
چاہتا ہوں میں یہی اپنی شہادت کا صلا
تو ہے آگاہ کہ دو دن کا ہوں بھوکا پیاسا
مغفرت امت عاصی کی ہو اے بار خدا
ہے گوارا سب مجھے جو کچھ کہ اذیت ہووے
ان کو دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی راحت ہووے

۲۰
عرض کرتے تھے یہ خالق سے شہ بندہ نواز
اسم سے شیر کے فرزند نبیؐ کے دمساز
یک بیک عالم بالا سے یہ آئی آواز
تجھ سے ہم خوش ہیں پذیرا ہے ترا عجز و نیاز
مرد ہے عاشق کامل ہے وفادار ہے تو
جو کہا وہ ہی کیا صادق الاقرار ہے تو

۲۱
تو بھی مقبول ہے اور تیری عبادت بھی قبول
عاجزی بھی تری مقبول شہادت بھی قبول
یہ اطاعت بھی ہے مقبول یہ طاعت بھی قبول
تیری خاطر سے ہمیں بخشش امت بھی قبول
ہم نے خیل شہدا کا تجھے سردار کیا
امت احمد مختار کا مختار کیا

۲۲
دوستداروں کا ترے گلشن جنت ہے مقام
ہوں گے محشور ترے ساتھ عزادار تمام
تا ابد سایۂ طوبیٰ میں کریں گے آرام
تجھکو جو روئیں گے آنچ اُن پہ ہے دوزخ کی حرام
عمر بھر کھلا اہل جہاں تیرے محب سارے ہیں
تو ہے پیارا ترے پیارے بھی ہمیں پیارے ہیں

۲۳
ہوں گے ہر رنج سے محفوظ ترے تعزیہ دار
وقت مردن نظر آوے گا علیؑ کا دیدار
دار دنیا ہی میں ہیں جو سو اٹھیں ایذا ہر
سختی مرگ نہ ان کو ہے نہ ایذائے فشار
قبر سے گلشن فردوس کی دیکھیں گے بہار
آنکھیں جب بند ہوئیں پھر در جنت وا ہے

۲۴
تجھ سا عابد نہ ہوا ہے نہ کوئی ہووے گا
طاعت خلق سے اک سجدہ ہے افضل تیرا
تیر کھا کر کسی نے بھی ہے یوں شکر کیا
عرش اعظم پہ ملائک تری کرتے ہیں ثنا
سارا گھر میری محبت میں فنا تو نے کیا
بندگی کا تھا جو کچھ حق وہ ادا تو نے کیا

۲۵
حشر تک روئے گا مظلومی پہ تیری عالم
روضۂ پاک کو تیرے یہ شرف بخشیں گے ہم
تیرا ماتم نہیں ہووے گا جہاں میں کبھی کم
آئیں گے جس کی زیارت کو ملک ہو کے بہم
یہ زمیں عرش سے رتبے میں سوا ہووے گی
خاک تربت کی تری خاک شفا ہووے گی

۲۶
یہ صدا سن کے ہوئے شاد شہ ہر دو سرا
جھک کے سجدے کی طرف عجز سے رو کر یہ کہا
آگئی از سر نو جسم میں طاقت گویا
میرے مولا میں تری بندہ نوازی کے فدا
کیوں نہ ممتاز ہو وہ تو جسے رتبہ بخشے
اس کف خاک کو کیا رتبۂ اعلیٰ بخشے

۲۷
ابھی مولا نے سر عجز اٹھایا نہ تھا آہ
غش میں گرنے لگے گھوڑے سے امام ذی جاہ
نیزہ اک چھاتی پہ مارا جو کسی نے ناگاہ
آئی خاتون قیامت کی صدا بسم اللہ
تھامنے آئے علیؑ خلد سے گھبرائے ہوئے
دوڑے محبوب خدا ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے

۲۸
اک جفاکیش نے پھر پہلو پہ نیزہ مارا
پشت تازی پہ سنبھلنے کا نہ پایا یارا
چھد گیا ٹوٹ کے چھاتی کو کلیجہ سارا
گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
گرد آلودہ قبائے شہ پر نور ہوئی
ریت زخموں کے لئے مرہم کافور ہوئی

۲۹
خاک و خوں میں جو تڑپتے تھے شہنشاہ زمن
طلب آب میں کھولے ہوئے تھے خشک دہن
گل کے مانند کھلے جاتے تھے سب زخم بدن
گرد کھینچے ہوئے تلواریں کھڑے تھے دشمن
غم ناموس بھی تھا پیاس کی بھی شدت تھی
پھر سکینہ کو نہ دیکھ آئے یہی حسرت تھی

۳۰
کان میں آتی تھی زینبؑ کی صدائے جاں کاہ
راہ روکے ہوئے خیمے کی کھڑے تھے گمراہ
دل تڑپ جاتا تھا کرتے تھے عجب دل سے آہ
نیم وا چشم سے کرتے تھے سوئے خیمہ نگاہ
تن زخمی پہ جو پیکان ستم گڑتے تھے
خاک سے اٹھتے تھے اور کانپ کے گر پڑتے تھے

۳۱
کہتا تھا فوج میں سب سے جو بد اختر
ریگ تفتیدہ پہ ہے غش میں علیؑ کا دلبر
کھینچے کیوں تیغوں کو ہاتھوں میں کھڑے ہو ششدر
جاؤ کیا دیر ہے کاٹو شہ مظلوم کا سر
تیغ سے فاطمہ زہراؑ کا جگر چاک کرو
جلد یاں خاتمۂ پنجتن پاک کرو

۳۲
ایسے مظلوم کا سر کاٹنا کیا ہے دشوار
عورتیں ہیں کئی خیمے میں غریب و ناچار
جس کا کوئی بھی مددگار نہ ہمدرد نہ یار
مر چکے پہلے ہی جو خون کے تھے دعوے دار
خوں بہا بھی نہ کوئی مانگنے کو آوے گا
اک پسر ہے سو وہ بیمار ہے مر جاوے گا

۳۳
کانپ کر کہتے تھے سب ہم سے نہ ہوگا یہ ستم
ایسے مظلوم کی چھاتی پہ جو رکھے گا قدم
ذبح فرزند محمدؐ کو نہیں کرنے کے ہم
پاؤں جل جائے گا تھرائے گا عرش اعظم
پیٹتے قبر سے محبوب خدا آویں گے
بخدا فاطمہؑ کی آہ سے مر جاویں گے

۳۴
کون بیکس کو بھلا ذبح کرے بے تقصیر
گو کہ بیکس ہے پہ آساں نہیں قتل شبیرؑ
پھیرتا ہے کوئی پیاسے کے گلے پر شمشیر
حشر میں ہوویں گے محبوب خدا دامن گیر
تو سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی خیر خواہ نہیں
بنت احمدؐ نہیں حیدرؑ نہیں اللہ نہیں

۳۵
تھا جو دمساز عمر اپنا شمر اظلم
ناجبیں ہو گیا مجروح سر شاہ امم
بڑھ کے تیغ اس نے سر شاہ پہ ماری اس دم
تھام کر سر کو پکارے یہ امام عالم
نہ میسر تجھے اس ہاتھ سے کھانا ہووے
تو بھی دست جہنم کو روانہ ہووے

۳۶
چاہا ظالم نے کہ پھر سر پہ کرے تیغ کا وار
خشک اس وقت ہوئے دست ستمگر اک بار
دیکھا انگشت بدنداں ہیں رسولؐ مختار
ہاتھ سے تیغ گری خوف سے بھاگا خوں خوار
یاں سر پاک سے حضرت کے لہو جاری تھا
رخ کئے قبلہ تھے بند آنکھیں تھیں غش طاری تھا

۳۷
جب تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی صفدرؑ کو
فوج سے شمر بڑھا کھینچے ہوئے خنجر کو
غل ہوا یہ کہ غش آیا خلفِ حیدرؑ کو
سب سے کہتا تھا کہ کاٹوں گا سرِ سرور کو
خلفِ احمدِ مختار کا قاتل ہوں میں
کام میرا ہے اسی کام کے قابل ہوں میں

۳۸
مجھ کو حیدر سے غرض ہے نہ محمدؐ سے ہے کام
دولت خاطر سے جاؤں میں پاؤں انعام
روئیں محبوبِ خدا ہووے خوشی حاکمِ شام
روحِ حیدر کی ہو بے چین مجھے ہو آرام
شمر نہ میں دولتِ دنیا سے کبھی پھیروں گا
آج زہراؑ کے کلیجے پہ چھری پھیروں گا

۳۹
تیز کرتا ہوا خنجر کو گیا شہ کے قریں
رو رو چلّانے لگی زینبؑ ناشاد و حزیں
آسماں ہل گیا تھرا گئی مقتل کی زمیں
غش میں ابھی گھیرے ہیں پہ مرے بھائی کو لعیں
رحم زہراؑ کے پسر پہ نہیں کھاتا کوئی
خاک سے بھی نہیں زخمی کو اٹھاتا کوئی

۴۰
کس سے فریاد کروں جا کے میں دکھیا ہے ہے
لاکھ دشمن ہیں مرا بھائی ہے تنہا ہے ہے
نہ محمدؐ ہیں نہ حیدرؑ ہیں نہ زہراؑ ہے ہے
تینوں سے کٹتا ہے زہراؑ کا کلیجا ہے ہے
سروِ گلزارِ رسالت کو قلم کرتے ہیں
ہائے سیّد پہ مسافر پہ ستم کرتے ہیں

۴۱
گردِ زینبؑ کے تھا ناموسِ پیمبرؐ کا ہجوم
کہتی تھی دیکھ کے میداں کو سکینہؑ معصوم
بازو روتی تھی کھڑی پیٹتی تھی سر کلثومؑ
اے پھوپھی ہائے غضب اعدا میں ہیں شاہِ مظلوم
جاؤں گی اب میں ٹھہرنے کی نہیں آپ کے پاس
شمر خنجر لیے جاتا ہے مرے باپ کے پاس

۴۲
باپ کے پاس سے جا کر اسے سرکاؤں گی
اپنے بابا کی میں چھاتی سے لپٹ جاؤں گی
جوڑ کر ہاتھوں کو منت سے میں سمجھاؤں گی
پیچھے تک اُن کو سمجھاتے ہوئے لے آؤں گی
بھوکے پیاسے مرے بابا کو نہ مارے کوئی
ان کے بدلے مرا سر تن سے اتارے کوئی

۴۳
کتنا روکا اسے بانو نے پہ ہرگز نہ رکی
پیچھے سر کھولے ہوئے خیمے سے زینبؑ نکلی
چھوٹے سے ہاتھوں سے سر پیٹتی میداں کو چلی
پہنچی رن میں تو سکینہؑ یہ شمر سے بولی
او لعین حیدرِ کرار کی پوتی ہوں میں
رحم کر مجھ پہ کہ بن باپ کی ہوتی ہوں میں

۴۴
دیکھ غربت کو مری کر مرے بچپن پہ نظر
سر پہ آوے گی یتیمی تو میں جاؤں گی کدھر
باپ مارا گیا میرا تو جیوں گی کیونکر
میں تو ہوں باپ کی شیدا مرا عاشق ہے پدر
باپ بن ایک دم آرام نہ آوے گا مجھے
کون پھر رات کو چھاتی پہ سلاوے گا مجھے

۴۵
ہنسلیاں اپنی گلے سے ابھی دیتی ہوں اتار
ہاتھوں کو جوڑتی ہوں میں ترے آگے ناچار
لے مرے کان کا دُر پر مرے بابا کو نہ مار
منع کر دے کوئی بیکس کو نہ مارے تلوار
گھر میں جو کچھ زر و زیور ہے وہ لا دوں گی میں
جان بابا کی بچے گی تو دعا دوں گی میں

۴۶

پیش تر ہیں مجھ کو نظر آتے نہیں بابا جاں
گرد پھر پھر کے میں ہوں اپنے پدر کے قرباں
اتنا کہہ دے کوئی سرک جائیں یہ سب بے ایماں
جا کے دیکھوں کہ بدن پر ہیں لگے زخم کہاں
دم آخر تو بھلا کام میں آؤں ان کے
اپنے کرتے سے لہو منہ کا چھڑاؤں ان کے

۴۷

کہتی کہتی رہی وہ بنت شہ عرش جناب
پیٹ کر سر کہا زینبؑ نے کہ او خانہ خراب
اس ستمگر نے دیا کچھ نہ سکینہؑ کو جواب
مجھ کو آتا نہیں کچھ روح پیمبرؐ سے حجاب
ظلم مت کر اسد اللہ کی جائی ہوں میں
ننگے سر پردے سے باہر نکل آئی ہوں میں

۴۸

میری اماں کا ہے مشہور جہاں میں پردا
اس کی بیٹی ہوں ترے ظلم سے یہ وقت پڑا
بعد رحلت بھی جنازہ نہ کسی نے دیکھا
سر برہنہ ہوں گریباں بھی ہے کرتے کا پھٹا
منہ کو اللہ و پیمبرؐ سے چھپاتا ہے تو
میں تو فریادی ہوں اور آنکھ چراتا ہے تو

۴۹

مارا جاتا ہے ترے سامنے زہراؑ کا پسر
تیر کس کو لگے غربال ہوا کس کا جگر
دیکھتا ہے تو یہ تلواریں ہیں پڑتی کس پر
ذبح کرنے کو لیے کھینچے ہے ظالم خنجر
دل زہراؑ و جگر شیر خدا کٹتا ہے
ظلم سے تیرے محمدؐ کا گلا کٹتا ہے

۵۰

قتل مظلوم کو کیوں کرتا ہے بے جرم و گناہ
دل جلی ہوں میں ابھی سینے سے کھینچوں گر آہ
اب تلک میں نے بہت صبر کیا ہے واللہ
تو بھی جل جائے تری فوج بھی ہو خاک سیاہ
بددعا دوں میں تو نازل ابھی آفت ہووے
سر کے بالوں کو جو کھولوں تو قیامت ہووے

۵۱

غش میں حضرت نے سنے جب کہ یہ زینبؑ کے سخن
دیکھا سر ننگے کھڑی روتی ہیں مقتل میں بہن
کھول کر دیدۂ پرخوں کو اٹھا لی گردن
بنت زہراؑ کو پکارے یہ شہنشاہ زمن
کیا کیا تم نے کہ پردے سے کھلے سر نکلیں
جیتے جی میرے سراپردے سے باہر نکلیں

۵۲

کس کو سمجھاتی ہو کوئی نہ سنے گا فریاد
جتنا تم پیٹتی ہو اور یہ ہوتے ہیں شاد
باز آئے گا نہیں قتل سے میرے جلاد
حشر کے روز خدا دیوے گا اس خون کی داد
شوق مرنے کا ہے سر تن سے جدا ہونے دو
جاؤ گھر میں مجھے امت پہ فدا ہونے دو

۵۳

گود میں میری سکینہؑ کو اٹھا دو ہمشیر
پھر یہ بیٹی کو پکارے ترے صدقے شبیرؑ
کوئی اصغرؑ کی طرح مار نہ دے اسکو تیر
تو بھی اب ساتھ پھوپھی جان کے جا اے دلگیر
وقت طاعت ہے ذرا یاد خدا کر لیویں
ہم بھی اب آتے ہیں سجدے کو ادا کر لیویں

۵۴

کہہ کے یہ غش ہوئے پھر رن میں شہنشاہ امم
جگر فاطمہ زہراؑ پہ چلی تیغ دو دم
تھم کے ظالم نے رکھا سینۂ اقدس پہ قدم
آگے زینبؑ کے ہوئے ذبح حسینؑ آہ ستم
دیکھ کر بنت شہنشاہ زمن رونے لگی
باپ کو بیٹی برادر کو بہن رونے لگی

۵۵
فتح کا فوج مخالف میں بجا نقارا
غل ہوا قتل ہوا شیر خدا کا پیارا
بس انیس اب نہیں گویائی کا مجھ کو یارا
غم سے خوں ہو گیا سینہ میں کلیجا سارا
کس سے اس درد و مصیبت کا بیاں ہوتا ہے
آنکھیں روتی ہیں قلم روتا ہے دل روتا ہے

سلام

۱
اے سلامی یوں ارم ہے کربلا کے سامنے
ہو چمن جس طرح قصر بادشا کے سامنے

۲
وائے حسرت کچھ نہ دنیا میں کیے احسان نیک
ہاتھ خالی ہم چلے اپنے خدا کے سامنے

۳
قلب میں داغوں کے گل دامن میں اشکوں کے گہر
ہم یہ ہدیہ لے کے جائیں گے خدا کے سامنے

۴
حُر کو آئی ہے ندا کیوں کانپتا ہے شکل بید
نار کا ڈر ہے تو چل نورِ خدا کے سامنے

قطعہ

حُر نے سے اپنے حضرت کے باندھے جو ہاتھ
مدتوں روتا پھرا وہ انبیا کے سامنے
پر کسی سے اس کی بندش کا نہ عقدہ حل ہوا
وہ گرہ آخر کھلی مشکل کشا کے سامنے
واہ ری رحمت کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈا کر دیا
آگ پانی ہو گئی خاکِ شفا کے سامنے
دے گا شہ کی بے گناہی پر شہادت روزِ حشر
خنجرِ قاتل زباں بن کر خدا کے سامنے

قطعہ

کہتے تھے عباس بہکاتا ہے کیا اے مردِ شوم
دم بھی نکلے گا تو شاہِ کربلا کے سامنے
مجھ سے کہتا ہے کہ آقا کی رفاقت چھوڑ دو
یہ دغا بازی کی باتیں باوفا کے سامنے

مطلع ثانی

جز خدا جھکتے نہیں ہم بادشا کے سامنے
ہاتھ پھیلائے تونگر کیا گدا کے سامنے
کیوں نہ دب جائیں تونگر بادشا کے سامنے
آسمان کو فوق کیا ہو عرشِ علا کے سامنے
اس سے زر بنتا ہے اور اُس سے گنہ ہوتے ہیں پاک
قدر کیا اکسیر کی خاکِ شفا کے سامنے
تن میں رعشہ پڑ گیا پیری سے گردن خم ہوئی
اب تو جھک سجدے میں اے سرکش خدا کے سامنے
عرش پر دستِ علیؑ نکلا حجابِ نور سے
شیر کا کا سر جب آیا مصطفیٰؐ کے سامنے
گو بباطن تھا حُرِ غازی مگر اللہ رے فیض
قلب روشن ہو گیا نورِ خدا کے سامنے
تیرے بندے اور امام بت شکن کے ہیں غلام
حشر کے دن ہم یہ کہہ دیں گے خدا کے سامنے

روضۂ شہ میں صدا آتی ہے یہ زوّار کی	دیکھ یاں باب اجابت ہے دعا کے سامنے
تم نے بیٹے سے کہا ہاتھوں کو اپنے باندھ کر	یوں چلو تختِ ولیِ مشکل کشا کے سامنے
کیا سعادت تھی کہ چپ چپ کر علیؑ ہنگام شب	آپ جاتے تھے کھانا ہر گدا کے سامنے
حشر میں اک اور ہوگا حشر جس دم فاطمہؑ	لائیں گی شہ کا سرِ پُر خوں خدا کے سامنے
عاصیوں نے جب سنا باندھے گئے ہیں بے گناہ	سب کے عقدے کھل گئے مشکل کشا کے سامنے
روضۂ سرور پہ پہونچا دے ہماری روح کو	ملتجی رہتا ہوں میں بادِ صبا کے سامنے
دوڑ کے آئے گی وہ مقتل میں کہ ہے عاشق مری	ذبح کر بچے کو نہ بنتِ مرتضیٰؑ کے سامنے
کہتی تھی زینبؑ تمہیں بھی کچھ خبر ہے یا حسینؑ	ننگے سر کل ہوں میں اہلِ جفا کے سامنے
تربتِ سرور پہ جا کر خاک ہو جاؤں انیسؔ	ہے زباں پر یہ دعا ہر دم خدا کے سامنے

رباعی

دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا	برسوں نہ کبھی روزِ فراغت دیکھا
راحت کا نشاں اس کا گھر خانۂ عیش	دیکھا تو جہاں میں کنجِ عزلت دیکھا

رباعی

جب دور سے ایوانِ علا کو دیکھا	لاریب کہ عرشِ کبریا کو دیکھا
سو بار کیا طوافِ کعبہ اے دل	اک بار جو روضۂ رضاؑ کو دیکھا

رباعی

با زیست ہی یا بعدِ فنا پہونچیں گے	یاور ہے اگر بخت تو جا پہونچیں گے
کیا دن ہوگا نثار اس دن کے انیسؔ	جس روز قریبِ کربلا پہونچیں گے

تمام شد

مرثیہ

۱

روئے سخن ثنائے حسینؑ شہید ہے	آرامِ جان و لائے حسینؑ شہید ہے
خورشید نقشِ پائے حسینؑ شہید ہے	بالائے عرش جلوے حسینؑ شہید ہے
خنجر کشش جہت میں اجالا ہے آپ کا	بابا ہیچ ہے بھی دو بالا ہے آپ کا

۲

قاصر تری ثنا میں ہے شاہا زباں مری	قطرہ ہے گو یہ بحر ہے بحرِ رواں مری
کچھ مدح کر سکوں یہ حقیقت کہاں مری	عاجز رہوں جو عمر ہو صرفِ بیاں مری
امداد یا امامِ حجازی ضرور ہے	اے آفتاب بندہ نوازی ضرور ہے

۳
شبیر تاجِ تارکِ عرشِ عظیم ہے
سائل پہ کفِ بحر وہ ایسا کریم ہے
دریائے علم و حلم کا دُرِّ یتیم ہے
اس کی ولا چراغِ رہِ مستقیم ہے
سب خلق فیض یاب ہے نزدیک و دور سے
عالم میں روشنی ہے اسی ایک نور سے

۴
خلدِ بریں ہے گلشنِ کاشانۂ حسینؑ
مصباحِ بزمِ خلق ہے افسانۂ حسینؑ
عرشِ خدا ہے فرشِ جلوخانۂ حسینؑ
میکال و جبرئیل ہیں پروانۂ حسینؑ
شمس و قمر نثارِ شہِ ارجمند ہیں
مجمر ہے آسماں تو ستارے سپند ہیں

۵
کونین میں محیط ہے اس مہ جبیں کا نور
کرسی کی زیب مسندِ عرشِ بریں کا نور
ایماں کا حسن چہرۂ دینِ مبیں کا نور
وہ نور ہے خدائے جہاں آفریں کا نور
کس چشم کو فروغِ تجلی کی تاب ہے
بس اے زباں خموش اب آگے حجاب ہے

۶
رضواں ہے باغبانِ گلستانِ شاہِ دیں
حوریں ہیں سو زباں سے ثنا خوانِ شاہِ دیں
روح القدس ہے تابعِ فرمانِ شاہِ دیں
سارے ملک ہیں بندۂ احسانِ شاہِ دیں
دم بھر کسی کا کام معطل کیا نہیں
عقدہ وہ کون سا ہے جسے حل کیا نہیں

۷
مشکل میں درد و غم میں یہ کس کے نہ کام آئے
خلقت میں مرتضیٰ کی طرح معجزے دکھائے
فطرس نے پر انھیں کے سبب سے پری میں پائے
مقبولِ حق ہوئی وہ دعا جو زباں پہ لائے
جب ہاتھ اٹھائے گردِ قمر ہالہ ہو گیا
اک دم میں زندہ مردۂ صد سالہ ہو گیا

۸
تھا گو اسیرِ حیطۂ کرم فاطمہ کا لال
مولا کو سب کی عقدہ کشائی کا تھا خیال
بے چین ہو گیا جو کسی نے کیا سوال
کی مسکرا کے جس پہ نظر ہو گیا نہال
کچھ بات کی تو غنچۂ امید کھل گیا
بخشے گناہ جس کے بہشت اُس کو مل گیا

۹
قفلِ درِ نجات کلیدِ درِ نجات
عمانِ فیض آبِ رخِ گوہرِ نجات
ہے سرفراز جس کے قدم سے سرِ نجات
طغرا کشِ مقدمۂ دفترِ نجات
عالم ہیں تا ابد عملِ نیک و زشت کے
مالک ازل سے ہیں یہی آٹھوں بہشت کے

۱۰
جس پر کرم ہو اُن کا اُسے بخشدے کریم
یہ باغِ خلد ہے وہ درِ جنت النعیم
رضواں کہے کہ اب نہیں کچھ تجھ کو خوف و بیم
ٹھنڈی ہوا ہے سایۂ طوبیٰ میں ہو مقیم
قربِ حسینؑ ہے تو خدا سے قریب ہو
آؤ تمھیں شرابِ طہورا نصیب ہو

۱۱
حوریں کہیں کہ دور نہ جاؤ حسینیو!
یہ میوۂ بہشت ہے کھاؤ حسینیو
کوثر قریب ہے ادھر آؤ حسینیو
نہرِ لبن سے پیاس بجھاؤ حسینیو
حاضر ہیں قصر عنبرِ گلشن سرشت کے
پہنو کفن اتار کے حلّے بہشت کے

۱۲
سب جانتے ہیں ان پہ جو تھا مصطفیٰؐ کا پیار
مستغنی البیان ہے خیر النسا کا پیار
تھی کس بشر پہ ایسی مرتضیٰؑ کا پیار
ان سب کے چاہنے سے سوا تھا خدا کا پیار
بچپن سے بے نیاز کو ناز ان کے بھاتے ہیں
جس چیز پر ہے جی وہی جبرئیل لاتے ہیں

۱۳
حاضر ہوئی وہ شے انھیں جس کی طلب ہوئی
ان کے ہر ایک کھیل میں تائید رب ہوئی
ہر شے کو دیر پہنچنے کے ہونے میں کب ہوئی
شب کا کبھی جو دن ہوا تو دن کی شب ہوئی
آنکھوں میں اشک بھر کے جو سر کو فرو کیا
روح الامیں نے آن کے موتی کو ڈھو کیا

۱۴
یوسفؑ پہ ایک حضرت یعقوبؑ تھے نثار
آتے تھے اہل شہر زیارت کو بار بار
پروانۂ جمال نبوت تھے بے شمار
صدقے تھے سب مقرب درگاہ کردگار
نور خدا کے چاہنے والے ہزار تھے
زہراؑ کا ایک چاند تھا ہالے ہزار تھے

۱۵
آتے تھے یہ رسولؐ خدا کو پیام رب
رمان و سیب تازہ و زرد آلو و رطب
ہم بھیجدیں حسینؑ کو جس شے کی ہو طلب
جبرئیل لائے بس وہیں مانگا زباں سے جب
ہر وقت شاخ نخل تمنا ہری رہی
میووں سے ان کی گود ہمیشہ بھری رہی

۱۶
قرباں تمھارے روز عید جو چودھویں کا ماہ
رومال و زیر جامہ و پیراہن و کلاہ
بھیجے خدا نے حلۂ جنت بہ عز و جاہ
بنتے ہوئے پہن کے گئے سوئے عیدگاہ
رستے سے پھر کے آئے محمدؐ کے سامنے
گردن جھکا کے بیٹھ گئے جد کے سامنے

۱۷
بولے یہ مسکرا کے رسولؐ فلک اساس
شبیرؑ واہ واہ تمھیں زیبا ہے یہ لباس
کیوں آج دور بیٹھے ہو آؤ ہمارے پاس
جی چاہتا ہے ہم بھی پھریں آج آس پاس
ہے روز عید چھاتی سے لگ جاؤ آن کے
اے میرے جامہ زیب فدا تیری شان کے

۱۸
کیا لائے عیدگاہ سے اے میرے گلبدن
پھولا ہوا ہے پیش نظر خلد کا چمن
شرماتے ہوں گے دیکھ کے لڑکے یہ پیرہن
اس رنگ کا نہ ہوگا کبھی جامۂ حسنؑ
موضوع ہے یہ رنگ شہادت کے واسطے
جامہ یہ خلعت ہے اسی قامت کے واسطے

۱۹
ٹکڑے سے اس عمامۂ و شملے کے میں نثار
قربان اس قباؤ عبا پر یہ جان زار
صدقے ان آستینوں کے اے میرے گلعذار
یوسفؑ کے پیرہن کی ہے بو جس سے آشکار
بگڑے یہ دیکھ کر شہ مرداں نے کیا کہا
پیارے گلے لگا کے تمھیں ماں نے کیا کہا

۲۰
سب سے تو مل چکے مری جاں لو ادھر تو آؤ
صدقے ہوں اس دہن کے ذرا منہ تو آگے لاؤ
ننھے سے ہاتھ اٹھا کے ہمیں تو گلے لگاؤ
دے دو جو بوسۂ لب دنداں تو گھر میں جاؤ
کس غم سے بند لب ہے کہ اب کھولتے نہیں
کیا ہم سے تم خفا ہو کہ کچھ بولتے نہیں

۲۱

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے دستِ خدا کا لال
پوشاک یہ پہن کے تو ہم خوش ہوئے کمال
حضرت کو پر قسم ہے رکھے ربِّ ذوالجلال
نانا نہیں کہ جس پہ چڑھیں اب یہ ہے ملال
عزت میں ہیں بزرگ شرف میں زیادہ ہیں
لڑکے تو سب سوار ہیں اور ہم پیادہ ہیں

۲۲

پیدل تو عید گاہ میں جانا ہے ننگ و عار
کہنے لگے حسینؑ سے محبوبِ کردگار
ہم کو بھی آج اونٹ منگا دو تو ہوں سوار
معلوم اب ہوا ابھی غصہ تھا میں نثار
ہاں آپ روٹھے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں
اچھا سوار ہوجیے ہم اونٹ بنتے ہیں

۲۳

فرما کے یہ کریں رکھا دامنِ قبا
جیبِ عبا میں رکھ کے قدم کو وہ مہ لقا
رکھ کر زمیں پہ ہاتھ بنے اونٹ مصطفیٰ
پشتِ جنابِ سیدِ لولاک پہ چڑھا
پائے حسینؑ عرش کا سرتاج ہو گیا
وہ روز عید کا شبِ معراج ہو گیا

۲۴

کرسی و عرش دونوں بلندی سے اُن کی پست
پڑھ کر درود کہتے تھے مردانِ حق پرست
تھا ایک اُن کے زیرِ قدم ایک زیرِ دست
پائی ہے شہسواروں نے کیا خوش نشست
دونوں ہیں عرش و فرش کی زینت کے واسطے
ایسا نگیں ہو مہرِ نبوت کے واسطے

۲۵

مرکب ہے مہر اور مہِ کامل ہے یہ سوار
وہ جان ہے جہان کی اور دل ہے یہ سوار
ایسے ہی راہوار کے قابل ہے یہ سوار
قرآں رسولؐ ہیں تو حمائل ہے یہ سوار
رحمت میں مرتبت میں ہدایت میں ایک ہیں
چھوٹے بڑے تو ہیں یہ حقیقت میں ایک ہیں

۲۶

بولے ہلا کے پاؤں حسینؑ فلک مقام
گردن پھرا کے کہنے لگے سیدالانام
ہے کس طرح کا اونٹ کہ جس کے نہیں لگام
ہاتھوں میں ہیں تھام لو مرے گیسوئے مشک فام
ہم سا سوار کاہے کو دنیا میں پائیں گے
باگیں جدھر پھرا دو اُدھر دوڑے جائیں گے

۲۷

گیسو نبیؐ کے ننھے سے ہاتھوں میں تھام کر
لڑکوں کے اونٹ بولتے ہیں سب اٹھا کے سر
کہنے لگے حسینؑ کہ یا سیدالبشر
نانا ہمارا اونٹ نہیں بولتا مگر
اس کا نہ بولنا تو بہت دل کو شاق ہے
اب اونٹ کی صدا کا ہمیں اشتیاق ہے

۲۸

الفت رسولِ حق کو نواسے سے تھی کمال
آخر بپاسِ خاطرِ فرزندِ خوش خصال
فرمایا کہیں نہ رونے لگے فاطمہ کا لال
غف غف کہا تو ہلنے لگا عرشِ ذوالجلال
جنباں جو یک بیک طبقاتِ زمیں ہوئے
نازل خدا کے حکم سے روح الامیں ہوئے

۲۹

کی عرض مصطفیٰؐ سے کہ اے کل کے عیب پوش
اس دم ہے بحرِ رحمتِ ربِّ العلا کو جوش
اب کی صدا سے پھر نہ رہیں گے کسی میں ہوش
ساتوں جہنم آج ہوئے جاتے ہیں خموش
جس دم رہے نہ آتشِ دوزخ جہان میں
دشمن علیؑ کے جائیں گے پھر کس مکان میں

۳۰

اُمت کا آپ کی کوئی اچھا نہیں عمل
کیا کیا دِ شیرِ حق سے کیا مشکلوں کو حل
آئے گا انتظام عدالت میں کچھ خلل
باز آئے پر نہ مکر و دغا سے یہ پُر دغل
جاتے ہیں اس طرف جو ضلالت کی راہ ہے
فسق و فجور پر فقط اُن کی نگاہ ہے

۳۱

کیوں کر سنو حسینؑ کا رتبہ ہے کیا جلیل
آسائشیں کثیر تھیں جب عمر تھی قلیل
بس اک حسنؑ سوا نہیں ان کا کوئی عدیل
مرکب جو تھے رسولؐ تو خادم تھے جبرئیلؑ
اک روز یہ عروج تھا اور یہ وقار تھا
اک دن لعین کے سینے پہ قاتل سوار تھا

۳۲

چلتے تھے جب نہ پاؤں سے اپنے تو تھا یہ چین
گودوں سے آنکھیں ملتے تھے سلطانِ مشرقین
پھیلائے پاؤں گودوں میں سوتے تھے حسینؑ
تھا سارے گھر کی آنکھوں کا تارا وہ نورِ عین
نوبت جو ایک گام بھی چلنے کی آئی تھی
زہراؑ زمیں کو جھاڑ کے آنکھیں بچھاتی تھی

۳۳

روتی تھی ٹوٹتا تھا جو گیسو کا ایک تار
باراں میں بدلیوں سے بچاتی تھی بار بار
لگتی ہوائے گرم تو ہوتی تھی بے قرار
سایے سے اُن کا دھوپ میں جانا تھا ناگوار
یوسفؑ کی طرح اس لیے رکھا نقاب میں
سنولا نہ جائے چاند مرا آفتاب میں

۳۴

تکیہ تھا سر کا بازوئے سلطانِ بحر و بر
زہراؑ کی گود حضرتِ روح الامیں کے پر
راتوں کو فرشِ خواب رہا سینۂ پدر
جا سوئے واں توجہِ خاطر ہوئی جدھر
بہرِ شرف تھے سب اسی کامل کے واسطے
رحلیں کھلی تھیں ایک حمائل کے واسطے

۳۵

سی کر سدا پہناتی تھیں ماں نرم پیرہن
اللہ ری احتیاطِ تنِ سرورِ زمن
تا سرخ ہو نہ جائے مرے لال کا بدن
بدلا دیا لباس اگر پڑ گئی شکن
واحسرتا کہ واقفِ حالِ پسر نہ تھی
تیغوں سے چور ہوں گے یہ ماں کو خبر نہ تھی

۳۶

قرباں تھے جبرئیلؑ تو خیر البشرؐ نثار
بہنیں فدا برادرِ عالی گہر نثار
اور ہزار جان سے صدقے پدر نثار
طفلی سے تھا حسینؑ پہ سب گھر کا گھر نثار
بو غیر میں بھی اس گلِ تازہ کی چھا گئی
گودی میں جس کی ہنس کے گئے جان آ گئی

۳۷

وہ احمدؐ و بتولؑ و علیؑ کی محبتیں
وہ پرورش وہ چین وہ بچپن کی راحتیں
وہ حلۂ بہشت وہ جنت کی نعمتیں
وہ فاطمہؑ کے دودھ کی دھاروں کی لذتیں
موسم تھا کچھ دنوں تو بزرگوں کے پیار کا
اک دن مزہ تھا خنجرِ قاتل کی دھار کا

۳۸

پہلو میں شب کو سوتا تھا جب وہ فلک جناب
چونک اٹھتے جب تو پوچھتی زہراؑ بہ اضطراب
نزدیک بھر کے رکھتی تھی ماں کوزۂ آب
پیاسے ہو اے حسینؑ تو پانی پیو شتاب
کہتے تھے وہ کہ دن یہ بہت یاد آئیں گے
جب تین روز پیاس میں پانی نہ پائیں گے

۳۹
ابتک تو ہم پہ ایسی مصیبت نہیں پڑی
میداں بھی گرم ہوئے گا اور دھوپ بھی کڑی
اُس دن کی پیاس کی ہیں تشویش ہے بڑی
اماں نہ دیکھئے ہیں پانی گھڑی گھڑی
ہرچند ابھی وہ روز وہ ہنگام دور ہے
ہم کو پیاسے رہنے کی عادت ضرور ہے

۴۰
اماں تمہارے دم سے فقط ہے ہمارا چین
بولی تڑپ کے دختر سلطان مشرقین
بعد آپ کے تو گھر میں پھٹکے گا یہ نور عین
پانی کسے نہ دیں گے یہ کیا کہتے ہو حسینؑ
تھا ہوا مجھے کہ دل پہ قیامت گزر گئی
اماں تو صدمے جائے کہ سنتے ہی مر گئی

۴۱
قربان جاؤں مالک کوثر ہے جس کا جد
پیاسا رہے وہ اور نہ کوئی کرے مدد
بابا امیر کون و مکاں خیبر صمد
منہ سے نکالتا ہے کوئی ایسی فال بد
ہیہات کہوں یہ بات تو مجھ کو بری لگی
کیا جانو تم بیٹے پہ کس کے چھری لگی

۴۲
کہنے لگے لپٹ کے حسینؑ فلک وقار
بولیں بھلا حسینؑ بھلا تجھ پہ میں نثار
اماں نہ روؤ دیکھتے تھے ہم تمہارا پیار
باتیں بنا کے مجھ کو رلاتے ہو بار بار
برچھی سی اک لگی ہے دل بے قرار میں
مر جاتی ہیں تو کون سلاتا کنار میں

۴۳
لپٹی یہ کہہ کے دختر سلطان بحر و بر
آئی جو نیند کروٹیں لے کر ادھر ادھر
شبیر کو چھپکنے لگی پھر بچشم تر
سوئے حسینؑ بازوئے زہراؑ پہ رکھ کے سر
آنکھیں کبھی کھلیں تو کبھی بند ہو گئیں
منہ تکتے تکتے حضرت زہراؑ بھی سو گئیں

۴۴
رو کر اسی خیال میں سوئی جو وہ جناب
نرغے میں ظالموں کے ہے فرزند بوترابؑ
بس آنکھ لگتے ہی نظر آیا اسے یہ خواب
لب برگ گل سے سوکھ گئے ہیں بغیر آب
ملتی نہیں پناہ کہیں نور عین کو
خنجر سے ذبح کرتا ہے کوئی حسینؑ کو

۴۵
سید پکارتا ہے کہ کوئی ہمیں بچائے
سب ہیں پہ بس نہیں یہ کسی کا کہ پاس آئے
دم لیں ذرا گلے سے جو قاتل چھری ہٹائے
ہے شور آسمان و زمیں پر کہ ہائے ہائے
سر پہ علیؑ کے دشت مصیبت کی خاک ہے
محبوب کبریا کا گریبان چاک ہے

۴۶
خاتونِ حشر چونک پڑیں دیکھ کر یہ خواب
شبیر سے لپٹ گئیں با دیدۂ پر آب
تھا یا علیؑ زبان پہ اور دل پہ اضطراب
جلدی گلے پہ ہاتھ پھرایا رہی نہ تاب
گھبرا کے سر سے تا بقدم دیکھنے لگیں
منہ رکھ کے ننھی چھاتی پہ دم دیکھنے لگیں

۴۷
چونکے نہ جب تو ننھا سا بازو ہلا ہلا
وسواس مجکو آتا ہے اے میرے مہ لقا
آواز دی پسر کو کہ واری اٹھو ذرا
کیا وجہ دیر سونے کی ماں ہو گئی فدا
قربان جاؤں زیست کا کیا اعتبار ہے
پلٹو ذرا گلے سے کہ ماں بے قرار ہے

۴۸

انگڑائی لے کے خواب سے اٹھا وہ دل ربا
کیوں اماں جان خیر تو ہے تم پہ میں فدا
مل کے پشت دست سے آنکھوں کو یہ کہا
یہ کیا سبب کہ روتی ہو آنسو بہا بہا
کیوں آج بدحواس ہو کیوں رنگ زرد ہے
اماں خدا نخواستہ کیا دل میں درد ہے

۴۹

اس خواب کے خیال سے تھا دل جو بے قرار
اس دن کہاں تھی دختر محبوب کردگار
شبیر کو بٹھا کے پھری گرد سات بار
جس دن گلا وہ چاند سا تھا اور چھری کی دھار
رو رو کے وقت ذبح جو فریاد کرتے تھے
ماں کو حسینؑ روتے تھے اور یاد کرتے تھے

۵۰

کیا راحتیں اٹھا کے پلا اپنا بوتراب
بس دفعتاً کیا یہ زمانے نے انقلاب
وہ سینۂ بتولؑ وہ آرام اور وہ خواب
راہی ہوئے جہاں سے رسول فلک جناب
ٹوٹے ہے دل پہ کوہ الم ناگہاں گرا
گویا زمیں الٹ گئی اور آسماں گرا

۵۱

سر پر سے اٹھ گیا جو محمدؐ سا سرپرست
زور اپنا وہ دکھانے لگے تھے جو زیردست
جاتا رہا تمام بھرے گھر کا بند و بست
کچھ دن کے بعد اور زمانے نے دی شکست
تھی حمل سے کہ پہلوئے زہراؑ پہ در گرا
زندہ تڑپ تڑپ کے شکم سے پسر گرا

۵۲

مادر نے جب کیا اسی صدمے سے انتقال
آیا اجل کا خواب اسے رکھتی تھی جو خیال
بے کس ہوا بس اور بھی وہ فاطمہؑ کا لال
پھر کون دھوئے گرد بستر گیسوؤں کے بال
شبیر جدا ماں کے جو پہلو میں سوتے تھے
راتوں کو ماں کے حجرے میں جا جا کے روتے تھے

۵۳

چندے تو حق نے سر پہ رکھا سایۂ پدر
باپ اٹھ گیا جو سر سے تو خم ہو گئی کمر
آخر کیا وہی شبر نے بھی سفر
اس گھر یتیم کی بھائی نے لی خبر
آفت کا سامنا تھا جدا جب حسنؑ ہوئے
گھر بھی چھٹا حسینؑ غریب الوطن ہوئے

۵۴

کلک قضا جو محو کرے مصرعۂ نخست
پنجہ ہے تب تلک کہ رہیں انگلیاں درست
بے سر ہے بیت مصرعۂ ثانی نہ گر ہو چست
مصرعے نہ چار ہوں تو رباعی ہے سخت سست
باقی رہیں نہ چار حدیں جب تو کیا رہا
اک مصرعۂ شکستہ آل عبا رہا

۵۵

یثرب سے سوئے کعبہ گیا فاطمہؑ کا ماہ
حج بھی نہ کرنے پائے کہ آ پہونچے روسیاہ
آقا نہ خدا میں ملے گوشۂ پناہ
گو لانے اضطرار میں لی کربلا کی راہ
نے رخ کیا وطن کا نہ سوئے نجف گئے
یہ تنگ تھے کہ آپ اجل کی طرف گئے

۵۶

تھا ماہ صیف تھی یہ حرارت کہ الاماں
واں دھوپ سے غزال بچاتے تھے اپنی جاں
واں کی زمیں پہ تھا کرۂ نار کا گماں
اور ہانپتے تھے شیر نکالے ہوئے زباں
دریا بھی گرم عکس سے تھا آفتاب کے
برپا کئے تھے آپ نے خیمے حباب کے

۵۷
سامنے تھا شتروں کے قدم بڑھ نہ سکتے تھے
جھونکے ہوا کے تھے کہ وہ شعلے لپکتے تھے
چنگاریوں سے ریت میں ذرے چمکتے تھے
لب خشک تھے جوانوں کے بچے بلکتے تھے
بستی نظر نہ آتی تھی رستے اجاڑ تھے
ہر رنگ گرم راہ میں تھی یا پہاڑ تھے

۵۸
بچوں کا ساتھ کوس کڑے خوف کا سفر
ہر دم سکینہؑ کہتی تھی محمل سے جھانک کر
منہ اشتروں کے خشک تھے گھوڑے عرق میں تر
پیاسی ہوں دوپہر سے چچا جان ہیں کدھر
بیکس ہوں میں حسینؑ کی پیاری خبر نہیں
بھیا ہے انہیں ابھی سے ہماری خبر نہیں

۵۹
لوگو مسافروں کو ہے درپیش کیسی راہ؟
وہ کون سی گھڑی تھی جو نکلے تھے گھر سے شاہ؟
ڈر ہے بچے کہ ہو نہ کہیں قافلہ تباہ
دریا کہیں ملا ہے نہ چشمہ نہ کوئی چاہ
بچی بدن سے رنج و مصیبت میں چھٹ نہ جائے
بستی جو گل کی کسی جنگل میں لٹ نہ جائے

۶۰
یہ سن کے روتے جاتے تھے گردن جھکائے شاہ
ہر دم یہی زباں پہ دعا تھی کہ یا الٰہ
دل تھا خدا کی سمت تو رخ سوئے قتل گاہ
دوری ہے ناگوار بس اب قطع ہو یہ راہ
مطلب یہ ہے کہ تیغ ستم سے گلا ملے
مشتاق ہوں کہ جلد کہیں کربلا ملے

۶۱
اس دشت میں اترنے کا ارمان ہے مجھے
دامن میں خون بھرنے کا ارمان ہے مجھے
ریتی میں تیمم کرنے کا ارمان ہے مجھے
اس سرزمیں پہ مرنے کا ارمان ہے مجھے
قربان تجھ پہ سبط رسالت پناہ ہو
پہونچا دے ایک دن میں جو دو دن کی راہ ہو

۶۲
شاہد ہے تو کہ صادق الاقرار ہے حسینؑ
دنیا میں اپنی زیست سے بیزار ہے حسینؑ
یارب گلا کٹانے کو تیار ہے حسینؑ
عقبیٰ کی راحتوں کا طلبگار ہے حسینؑ
خواہش ہے یہ جہاں میں نہیں ایک دم رہوں
نانا کے ماں کے باپ کے زیر قدم رہوں

۶۳
جس سرزمیں کے شوق میں اکثر تھے یہ کلام
آگے فرس نے واں سے اٹھایا نہ ایک گام
جا پہونچے دوسری کو محرم کی لا کلام
آئی ندائے غیب کہ منزل ہوئی تمام
اترو کہ تن سے سر کے اترنے کی جا ہے یہ
اے سالکان راہ خدا کربلا ہے یہ

۶۴
فق ہو کے شہ کے چہرے پہ سرخی سی چھا گئی
زلفوں پہ آکے باد صبا خاک اڑا گئی
گویا اپنا رنگ شہادت دکھا گئی
اٹھا غبار زرد و زمیں تھرتھرا گئی
صورت پھری جو خاک میں زہرا کے جانے کی
جنگل سے آئی صاف صدا ہائے ہائے کی

۶۵
تھا شور باد تند سے دریا کو اضطراب
اس غم سے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگے حباب
چکر جو تھا بھنور میں تو موجوں کو پیچ و تاب
یعنی رہے گا مالک کوثر بغیر آب
کیوں تیغ ہو نہ چشمۂ شیریں حیات کا
طوفاں میں آ گیا ہے سفینہ نجات کا

۶۶

ناقے کھڑے ہوئے تھے حرم کے جو آس پاس
ناقوں کو تھا نہ ہوش نہ زینبؑ کو تھے حواس
آوازِ گریہ سن کے حرم کو ہوا ہراس
سنسان دشت دیکھ کے دل ہو گئے اداس
بچے خود بخود سکینہؑ کے آنسو نکل پڑے
اصغرؑ بھی ماں کی گود میں ڈر کر اچھل پڑے

۶۷

محمل سے شہ کو زینبؑ بیکس نے دی صدا
کیسی ہے گرد آپ کی زلفوں پہ میں فدا
بھائی اداس ہو گئے تم اسی جنگل میں آج کیا
غم دل پہ چھا گیا ہے یہ ہے کس طرح کی جا!
ڈر کر سکینہؑ جان مری سہمی جاتی ہے
ہے ہے یہ کس کے رونے کی آواز آتی ہے

۶۸

پاس آ کے بولے شاہ بہن خوف کچھ نہیں
صحرا بھی ہے ہوا بھی ہے دریا بھی ہے قریں
واقف ہوں میں بہت متبرک ہے یہ زمیں
اب اس جگہ سے آگے نہ جائیں گے ہم کہیں
حالات سن چکے ہیں زمیں یاں کی پاک ہے
شیشے میں سر بسر اسی بن کی خاک ہے

۶۹

کہنے لگی یہ شاہ سے بانوئے خوش خصال
تب سر جھکا کے کہنے لگا فاطمہ کا لال
صاحب یہاں ہمارے دلوں کو ہے کیوں ملال!
دشمن کو اس زمین کی کھل جائے گا یہ حال!
خوش اور کوئی ہو کہ نہ ہو ہم تو شاد ہیں
جبرئیلؑ نے سخن جو کہے تھے وہ یاد ہیں

۷۰

یہ کہہ کے اترے گھوڑے سے شاہِ فلک مقام
ناموس محملوں میں گھبرائے جاتے ہیں تمام
فرمایا دیکھ کر سوئے عباسِؑ نیک نام
ہاں بھائی جان اب کہیں برپا کرو خیام
رحم آتا ہے بس کہ نبیؐ کے نواسے ہیں
لشکر کے لوگ صبح سے سب بھوکے پیاسے ہیں

۷۱

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِؑ مہ جبیں
آقا کی مصلحت ہو تو خیمہ کریں وہیں
دریا کا قرب خوب ہے یا بادشاہِ دیں
کچھ سوچ کر امام امم نے کہا نہیں
اس بن میں ایک قبر کی جا چاہیے ہمیں
دریا پہ کیا ہے قرب خدا چاہیے ہمیں

۷۲

اتریں گے واں وہ آن کے مہماں ہیں جن کے ہم
تکرار گر ہوئی تو سب کے ہوگا رنج و غم
جا گر جو ہو فساد کی واں رکھیے کیوں قدم!
بندوں پہ اپنے یاں بھی کرے گا خدا کرم
پانی کی جستجو میں کوئی تباہ ہو نہ جائے
پیاسے اگر رہیں تو رہیں آبرو نہ جائے

۷۳

غازی نے کی یہ عرض کہ جو مرضیِ جناب
خیمے کا نور دیکھ کے ششدر تھا آفتاب
استادہ کر دیے وہیں خیمے بصد شتاب
چمکی بسانِ خطِ شعاعی ہر اک طناب
تھا شور تا بہ عالمِ بالا زمین سے
دیکھو سر آسماں نے نکالا زمین سے

۷۴

ڈیوڑھی پہ آئے جبکہ شہِ عرش بارگاہ
گردش تمام ہو چکی منزل پہ آیا ماہ
نکلی قدم سے کاہکشاں بن گئی وہ راہ
ناقے قریب خیمہ جو بیٹھے ہٹی سپاہ
گھوڑوں سے سب رسولؐ کے پیارے اتر پڑے
گویا قمر کے ساتھ ستارے اتر پڑے

۷۵

خیمے کا اوج گنبدِ خضرا سے کم نہ تھا
صحن کشادہ نور کے دریا سے کم نہ تھا
جلوہ کلس کا برقِ تجلّی سے کم نہ تھا
نقشِ قدم ہر اک یدِ بیضا سے کم نہ تھا
چہروں کی ضو سے چار طرف نور چھا گیا
آئے جو شہ تو چاند ستاروں میں آ گیا

۷۶

گذری جو شب تو آمدِ فوجِ عدو ہوئی
بیعت کی چار روز تلک گفتگو ہوئی
اور کثرتِ سپاہِ ستم چار سو ہوئی
ہفتم سے فکرِ قتلِ شہِ نیک خو ہوئی
ہشتم سے بابِ امن و اماں بند ہو گیا
پردیسیوں پہ آبِ رواں بند ہو گیا

۷۷

پیاسوں کو تین روز تڑپ کر بسر ہوئے
بچوں کے خشک ہونٹ نہ پانی سے تر ہوئے
دریا سے آشنا نہ شہِ بحر و بر ہوئے
اصغرؑ کو بھوک پیاس میں سولہ پہر ہوئے
کیا کیا صدائے العطش و العطش ہوئی
تڑپی سکینہؑ پیاس سے یاں تک کہ غش ہوئی

۷۸

وہ شب کہ جس کی صبح کو مولا ہوئے ہلاک
سیدانیاں اڑاتی تھیں ہر دم سروں پہ خاک
کچھ روزِ حشر سے بھی زیادہ تھی خوفناک
دامن تلک سبھوں کے گریباں تھے چاک چاک
دنیا سے تھا سفر جو شہِ مشرقین کا
خیمے کے پیچھے شور تھا ہے ہے حسینؑ کا

۷۹

ہونا وہ صبح قتل کا اور بیبیوں کے بین
زینبؑ کا اضطراب کہ ہے ہے چلے حسینؑ
سوتے سے چونک کر وہ یتیموں کے شور و شین
وہ آخری نمازِ شہنشاہِ مشرقین
در پر کھڑی ہوئی وہ سواری امام کی
سجدے میں وہ تضرع و زاری امام کی

۸۰

وہ دل ڈرے ہوئے وہ اداسی وہ صبحِ غم
فریاد وہ کنیزوں کی وہ زاریٔ حرم
نوحہ وہ طائروں کا درختوں پہ دم بدم
ڈیوڑھی سے وہ علم کا نکلنا بصد حشم
آگے تو جتنے تھے ملک آسمان کے
سر ننگے اہلبیت تھے پیچھے نشان کے

۸۱

پنجے نے جلوۂ کفِ موسیٰ دکھا دیا
دامن نے لطفِ سایۂ طوبیٰ دکھا دیا
پرچم نے حسنِ زلفِ چلیپا دکھا دیا
رفعت نے اوج تا بہ ثریا دکھا دیا
عباسؑ رکھ کے دوش پہ جس دم چلا پھرا
غل تھا علیؑ کے لال کے سر پر ہما پھرا

۸۲

نکلا علم کے بعد نشانِ ابوترابؑ
چڑھنے لگا فرس پہ جو زہراؑ کا آفتاب
خورشیدِ مشرقین خدیو فلک جناب
تھامی علم کو گاڑ کے عباسؑ نے رکاب
زیں روشنی سے خانۂ پرنور ہو گیا
چمکی جو برقِ حسن فلک طور ہو گیا

۸۳

غازی چلے کہ گلشنِ باغِ ارم چلا
شیروں کے ساتھ لشکرِ جاہ و حشم چلا
غنچہ حسینیوں کا جہاں سے بہم چلا
غل پڑ گیا حسینؑ سدھارے علم چلا
گل کر گئے سفر دلِ پُر داغ رہ گیا
واحسرتا بہار گئی باغ رہ گیا

۸۴

جب وادیِ نبرد میں پہونچے وہ گلعذار
میدانِ کیں میں تھے جو صف آرا ستم کے خار
تھی گلشنِ رسولِ خدا پر عجب بہار
اک بار اُن گلوں پہ پڑے تیر دس ہزار
سینوں سے ان کے تیروں کی سریاں گذر گئیں
اجلی قبائیں غازیوں کی خوں میں بھر گئیں

۸۵

کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے
دریا کی سمت رخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
اس شان سے کبھی نہ عجم نے عرب لڑے
دو دن کی بھوک پیاس تھی لیکن غضب لڑے
بے دست بھی ہوئے تو یہ جوہر دکھا گئے
لوہے کو مثلِ شیرِ درندہ چبا گئے

۸۶

جس غول پر جھپٹ کے گئے صورتِ اسد
لاکھوں میں اُن کا وار کوئی کر سکا نہ رد
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی زد
نعرہ ہر ایک ضرب میں تھا یا علیؑ مدد
دو کرتے تھے وہ مجمعِ قومِ جہول میں
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں

۸۷

وہ نام آوریں جو سدا رہے سوئے جناں
جعفرؑ کے باغِ تازہ پہ جب آ گئی .... خزاں
رن میں لڑے عقیل کے فرزند نوجوان
سردارانِ علیؑ کے ہوئے جنگ کو رواں
سینوں پہ زخمِ تیغ و سناں کھا کے مر گئے
نقشہ علیؑ کی جنگ کا دکھلا کے مر گئے

۸۸

نکلے حسینی دھنی پھر پئے جدال
ہنگامِ ظہر آ گیا جب فوج پر زوال
ایسے لڑے کہ ہو گیا میدان ہوئے لال
لاشے تھے گرد بیچ میں تنہا علیؑ کا لال
آئی صدا یہ دل سے کہ صدمے بڑے سہے
اِن خاک پر کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہوئے

۸۹

اب حال غیر ہے تجھے حضرت سنبھالیے
اس فوج کی بلا کہیں آگے سے ٹالیے
کب تک یہ صبر ہاتھ کو قبضے پہ ڈالیے
للہ ذوالفقارِ علیؑ کو نکالیے
فرمایا وہ لٹے جسے بیٹے کی چاہ ہو
اے دل دعا یہ کر کہ نہ امت تباہ ہو

۹۰

ہم ان سے خوش ہیں گو ہمیں اُن سے ولا نہیں
ہر چند تین روز سے پانی ملا نہیں
مارے گئے پسر تو کچھ اس کا گلا نہیں
شبیرؑ بردبار ہے کم حوصلہ نہیں
چاہوں تو موج زن ابھی طوفاں ہو نوحؑ کا
پر کیا کروں کہ پاس ہے نانا کی روح کا

۹۱

ایذا میں صبر اپنے گھرانے کا ہے چلن
بے دست ہوتے نہر پہ عباسِ صف شکن؟
قاسمؑ کو ورنہ خوں میں ڈبو سکتے تیغ زن
مرتا رگڑ کے ایڑیاں اکبرؑ سا گل بدن
مارا نہ دم انھیں کی شفاعت کے واسطے
یہ سب ستم سہے فقط امت کے واسطے

۹۲

یہ کہتے تھے کہ چلنے لگے تیر یک بیک
آئی ندائے غیب کہ مشتاق ہیں ملک
شیرِ خدا کے شیر نے دیکھا سوئے فلک
دکھلا دے ذوالفقارِ یداللہ کی چمک
سبقت ادھر سے ہو چکی اب کیا درنگ ہے
ہاں اے علیؑ کے لال یہ ہنگامِ جنگ ہے

۹۳

سنتے ہی یہ امام نے کھینچی کمر سے تیغ
رکتی کبھی نہ تھی جو فرشتوں کے پر سے تیغ
کانپا فلک بلند ہوئی جب کہ سر سے تیغ
برسے اُدھر سے برق تو چمکی ادھر سے تیغ
غل پڑ گیا شرر جو اٹھے ذوالفقار سے
بھاگو سنہ اژدہے نے نکالا ہے غار سے

۹۴

بڑھ کر ابھی کیا نہ تھا حملہ امام نے
دونوں لگے رکاب جو گھوڑوں کی تھامنے
ناگاہ دو جوان حسین آئے سامنے
دیکھا انھیں حسینؑ علیہ السلام نے
جلدی وہ سرو قد پئے تسلیم جھک گئے
گھوڑے کی باگ تھام کے حضرت بھی رک گئے

۹۵

دونوں کی چال ایک سی اور ایک سا جمال
چہروں پہ رعب و دبدبۂ شوکت و جلال
آنکھیں تھیں ان کی اور قدم شاہ خوش خصال
پروانے جیسے شمع کے ہوں گرد تھا یہ حال
رو کر کبھی نظر سوئے جنگاہ کرتے تھے
حضرت کی بیکسی پہ کبھی آہ کرتے تھے

۹۶

کہنے لگے یہ ان سے بہ شفقت شہِ امام
بیٹے ہو کیوں قدم سے تمھیں اُن سے کیا ہے کام
بیکس ہوں میں غریب کہاں اور کہاں سلام
ہونا ہے قتل اب مری دشمن ہے فوج شام
مشکل جو تم پہ ہو تو اسے پہلے حل کروں
پھر اس ستم کی فوج سے جنگ و جدل کروں

۹۷

ہو کون اپنا نام بتاؤ مجھے شتاب
دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب یہ دیا جواب
ہم نصرت اور فتح ہیں یا ابن بوتراب
حاضر ہیں جلو میں جو ہو مرضی جناب
اس شکل سے زمیں پہ بہت کم ہم آئے ہیں
حکمِ خدا سے ہو کے مجسم ہم آئے ہیں

۹۸

کھینچی کمر سے آپ نے جس وقت ذوالفقار
بس دفعتاً ہوا یہ ہمیں حکم کردگار
درپیش ہے حسینؑ کو لاکھوں سے کارزار
جا کر کہو کہ ہم نے دیا تم کو اختیار
منظور زیست گر تجھے اے حق پرست ہو
تیری ظفر ہو فوج عدو کو شکست ہو

۹۹

یہ سن کے آبدیدہ ہوئے سرورِ اُمم
بولے زہے غلام نوازی زہے کرم
مشتاقِ قربِ حق ہوں اسی کی مجھے قسم
طفلی سے اشتیاقِ شہادت ہے دمبدم
اس وقت فتح و فضل کا امیدوار ہوں
میری یہی ہے فتح کہ اس پر نثار ہوں

۱۰۰

اکبر نہ ہو تو جی کے بھلا کیا کرے حسینؑ
کیا زیست کا مزا ہے کہ تڑپا کرے حسینؑ
کب تک جوان بھتیجے کو رویا کرے حسینؑ
کھو کر کہاں سے بھائی کو پیدا کرے حسینؑ
گھر خالی اس فدائی سے دیکھا نہ جائے گا
رونا بہن کا بھائی سے دیکھا نہ جائے گا

۱۰۱

دونوں نے حکم شاہ سے لی آسماں کی راہ
تنہا ادھر بڑھا پسر ضیغم اِلٰہ
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد روسیاہ
لے حکم دے کہ مجھ سے لڑے تیری سب سپاہ
ہمت کو دیکھ اور مری بیکسی کو دیکھ
مدت کے بعد جوہرِ تیغ علیؑ کو دیکھ

۱۰۲
وہ حملۂ حسینؑ کہ اللہ کی پناہ
تلوار تھی ہلال رخ شاہ رشکِ ماہ
ابرو پہ بل وہ غیظ سے وہ قہر کی نگاہ
خوں کی شفق میں ڈوب گئی شام کی سیاہ
غل تھا جلال سے ہے پسر بوتراب کو
پرزے اڑا نہ دے سپرِ آفتاب کو

۱۰۳
ہر ضرب میں تنوں سے لعینوں کے سر اڑے
ترکش ہر اک قلم ہوئے تیروں کے پر اڑے
بجلی ادھر کے پھول سپر کے ادھر پڑے
لشکر پہ گر کے آگ لگا دی شرر اڑے
زخموں سے خونِ گرم کے شعلے نکل گئے
تن ناریوں کے تیغ کے پانی سے جل گئے

۱۰۴
تقطیع مصرعہ قدِ اعدا میں تھی وہ فرد
ناقص کیا انھیں جنھیں مولا کا تھا نہ درد
اور نظم چار پارہ میں کامل سے پے نبرد
تھے ضربِ ثقیل سے اس کی خفیف مرد
بحرِ فنا زمیں پہ تو برق آسمان پر
سیفی کا سبب عروض تھا اس کی زبان پر

۱۰۵
وہ تیغ آبِ جوہر فنا میں بجھائی تھی
جس کے گلے لگی سر و تن میں جدائی تھی
تخمِ قہر تھا غضب کی برش اس نے پائی تھی
جس صف پہ گر کے برق سی چمکی صفائی تھی
ہر معرکے میں دین کے آگے بڑھی رہی
مرکز کی طرح کفر کے سر پر چڑھی رہی

۱۰۶
لوہے کا اس کی پھر نہ کھلا کون سی تھی قسم
کیا جانے اس پہ شاہ نے کیا دم کیا تھا اسم
جوہر سے شکلِ آئینہ شفاف صاف جسم
اک دم میں کھول دیتی تھی ہر جسم کا طلسم
مانندِ دیو گر قدِ دشمن بلند تھا
بجلی سی بس چلی کہ جدا بند بند تھا

۱۰۷
ہر اک شقی کے سر پہ صفائی سے چل گئی
ناری پکارتے تھے کہ ہم سب سے کل گئی
آئی ادھر سے سن سے ادھر سے نکل گئی
کشتِ امان و دامن شقیوں کی جل گئی
کس کس مزے سے خونِ عدو چاٹتی تھی وہ
ہر عضو مثلِ حرفِ غلط کاٹتی تھی وہ

۱۰۸
غازی نے سرکشوں کو تہِ تیغ دھر لیا
لاشوں سے دشتِ ظلم نے دامن کو بھر لیا
قبضہ اجل کی طرح ہر اک تن پہ کر لیا
لیتی ہوئی سپر کو جو اتری تو سر لیا
ٹھہری نہ خود پر نہ زرہ پر نہ زین پر
سر سے کمر پہ تھی تو کمر سے تھی زمین پر

۱۰۹
مثلِ خیار کٹ گئے رد میں تنوں کے سر
تودے بنے تھے خاک پہ تیر افگنوں کے سر
شہ کے قدم پہ لوٹتے تھے دشمنوں کے سر
تھکنے کی جا پڑے تھے تلے گردنوں کے سر
کشتے پڑے تھے خاک پہ یوں ذوالفقار کے
سوتے ہیں جیسے بوجھ مسافر اتار کے

۱۱۰
اللہ ری تیغِ دستِ خدا کی صفائیاں
پھرتی سے گو جوانوں نے چوٹیں بچائیاں
ماری جو جھک کے تو اڑا دیں کلائیاں
کٹ کٹ گئیں پھکیتوں کے ہاتھوں کی گھائیاں
مقدور کس کو جنگ میں ردّ و بدل کا تھا
ضربت تھی تیغ کی کہ طمانچہ اجل کا تھا

۱۱۱

جب مثلِ برق کوند کے بالائے سر گری
پہنچوں سے ہاتھ کٹ کے سپر پر سپر گری
خود آ پڑا زمیں پہ تن سے زرہ خاک پر گری
ناسی اِدھر اُدھر سے چمک کر اُدھر گری
قربت کی دھوم قاف سے تا قاف ہو گئی
جو صف پئے مصاف بڑھی صاف ہو گئی

۱۱۲

جب رفتہ رفتہ عصر کا ہنگام آ گیا
نرغے میں فاطمہؑ کا گل اندام آ گیا
خوں بہہ کے تا بہ قبضۂ صمصام آ گیا
تیروں کے ساتھ موت کا پیغام آ گیا
تھا شوقِ بندگی جو شہِ سرفراز کو
گردن جھکائے گھوڑے سے اترے نماز کو

۱۱۳

نیّت میں تھی عبادتِ خالق جو مرتے دم
گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے ہوئے سوئے قبلہ خم
سورے زبانِ خشک سے پڑھ کر بچشمِ نم
جھکنا تھا بس کہ سر پہ لگی تیغ بے ستم
اُٹھا گیا نہ پھر وہیں تیورا کے گر پڑے
سجدے کو ریگِ گرم پہ غش کھا کے گر پڑے

۱۱۴

شاہی کلاہ سر سے گری خوں بھری ہوئی
حضرت پہ ختم بے کسی و بے پری ہوئی
غل تھا خزاں بہارِ گلِ حیدری ہوئی
سر چاک تھا زمیں پہ جبیں تھی دھری ہوئی
کیوں بھر اشک فاطمہؑ آئے نہ جوش پر
پہلو پہ ایک تیر لگا ایک دوش پر

۱۱۵

ریتی پہ جب تڑپنے لگا فاطمہؑ کا لال
ملتی تھی اس کی چال سے خیرؑ النسا کی چال
اک بی بی نکلی خیمے سے بکھرائے سر کے بال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہ کا جلال
آلودہ تھے عذارِ مبارک غبار سے
غل تھا کہ فاطمہؑ نکل آئی مزار سے

۱۱۶

غش میں امام نے جو بہن کی سنی صدا
سر تن پہ ہے مرے ابھی کیوں پھینک دی ردا
گردن اٹھا کے بولے کہ بہنا یہ کیا کیا
آئی صدائے فاطمہؑ بیٹی یہ ماں فدا
لٹتا ہے ایک حق کی گھر اجڑتے ہیں
تجھ بے پدر کس کے پیچھے پہ پڑتے ہیں

۱۱۷

چلاّ رہی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر
اس کے عوض پھرا دو چھری میرے حلق پر
کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النسا کا گھر
اے ظالمو یہ حیدرِ صفدر کا ہے پسر
شبیر ذبح ہوتا ہے میں بے حواس ہوں
تو گھر میں جا کہ میں ترے بھائی کے پاس ہوں

۱۱۸

مقتل میں ہے کہ امام ہیں محبوبِ کبریا
اور سر برہنہ گرد علیؑ کے ہیں اولیا
آتے ہیں عرش پہ غش انھیں تھامے ہیں انبیاء
اک شور ہے کہ ہائے یہ اُمت نے کیا کیا
اُٹھ اُٹھ کے جب زمیں پہ شبیر گرتے ہیں
پروانے کی طرح سے حرم گرد پھرتے ہیں

۱۱۹

ماں کی صدا یہ سن کے پکاری وہ دل فگار
بھائی سے چھوٹتی ہوں میں کیوں کر پڑے قرار
اماں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
ہے ہے یہ تن حسینؑ کا اور برچھیوں کے وار
اس بیکسی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں

۱۲۰

رو کر بیاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
چلاتی تھی سکینہؑ کہ ہے ہے مرے پدر
اور پیٹتی تھیں بیبیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
تھیں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی اشکوں سے آنکھیں تر
پردے سے منہ نکال کے میداں کو تکتے تھے
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے

۱۲۱

تینوں کے وار چلتے تھے بیکس پہ دم بدم
بارہ لعیں تھے کھینچے ہوئے خنجر ستم
کہتے تھے شکر شکر زباں سے شہ امم
غل تھا کہ بوسہ گاہ محمدؐ کرو قلم
کرتا تھا جب نگاہ تن چاک چاک پر
ڈاڑھی بھی سر جھکتا تھا جھک جھک کے خاک پر

۱۲۲

یاں قتل گہ میں غش ہوئے سلطان بحر و بر
فریاد ہے کہ پاؤں دھرا شہ کے سینے پر
آیا پکڑ کے خنجر کیں شمر بد گہر
حضرت نے شمر سے کہا پیاسا نہ ذبح کرو
پانی دیا نہ ہائے نبی کے نواسے کو
جلاد ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو

۱۲۳

قاتل نے یاں گلے پہ رکھا خنجر جفا
جنگل سے آئی فاطمہؑ کے رونے کی صدا
دوڑی ادھر سے دختر زہراؑ برہنہ پا
سر پیٹ کے فلک پہ فرشتوں نے یہ کہا
بند آنکھیں کر لو سب کہ زمیں تھرتھرائی ہو
بیٹی علیؑ کی بھائی کے لاشے پہ جاتی ہے

۱۲۴

زینبؑ نے دی صدا کہ حسینا! بہن نثار
دل تھام کر تڑپ گئے محبوب کردگار
واحسرتا یہ خشک گلا اور چھری کی دھار
فرزند سے لپٹنے لگے شاہ ذوالفقار
حیراں ہوں کیوں زمیں کا نہ طبقہ الٹ گیا
سب پیٹتے رہے سر شبیرؑ کٹ گیا

۱۲۵

خوں ہو کے بہہ گئیں سے بساط طہٰ کا شیر
نیزے پہ رکھ دیا سر شاہ فلک سریر
سینے سے آن کر نہ لگا لا کسی نے تیر
غل تھا کہ ذبح ہو گیا کونین کا امیر
خنجر چلا گئے یہ ستم مشرقین کے
ہے ہے یتیم ہو گئے بچے حسینؑ کے

۱۲۶

آپ اے انیس گریہ و زاری کا ہے محل
حسرت کا ہے مقام جو فرصت نہ دے اجل
واللہ ہر عمل سے ہے بہتر یہی عمل
اب تو وطن کو چھوڑ بس اب کربلا کو چل
پیری کا یاں مزا نہ جوانی کا لطف ہے
روضے پہ شب کے مرثیہ خوانی کا لطف ہے

تمام شد

خاتمۃ الطبع از ابو نظم مولینا محمد حامد علی خان صاحب حامد شاہ آبادی

سابق فاظم محکمۂ تصحیح مطبع

کل عین باکیۃ یوم القیمۃ الا عین بکت علی الحسین فانها ضاحکۃ مستبشرۃ بنعیم الجنۃ

خوشا بحالِ گریہ کنندگان بر مصائب خامس آلِ عبا و جیفا آل ماتم داران جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا کہ جو ہر سال بلکہ ہر ماہ اپنے جان و مال کو صرف کر کے ماتم اہل بیت کو کامل کرتے ہیں اور بادنیٰ توجہ خاطر ثواب لاتعد ولاتحصیٰ حاصل کرتے ہیں عجب طرح کا وسیلۂ بخشش غم حسین ہے کہ مصداق لفظ تباکی پر بھی حصول جنت فرض عین ہے۔ مختوم المغفرت لفظ عاشقان حسین ہیں جن کے مداح خود رسول الثقلین ہیں فی الحقیقت ؎

حسین جانِ گرامی فدائے اُمّت کرد　　　روا ست اُمّت اگر جاں کند فدائے حسین

چونکہ رونا رلانا عمدہ اسباب مغفرت سے ہے اور بغیر ذکر اہلبیت علیہم السلام ممکن نہیں اسی واسطے اکابر دین نے صدہا کتابیں مصائب آل عبا میں تصنیف و تالیف فرمائیں اور منجملہ اُن کے اکثر کتب معرض طبع میں بھی آئیں لیکن فی زمانناطریقہ مرثیہ گوئی کا شاعرانِ ذی کمال نے نکالا ہے۔ اگر بہ نظر انصاف دیکھو تو یہ طرز سب سے نرالا ہے۔ اگرچہ وادیِ ناپیدا کنار اور دشت پُر خار اس فن خاص میں ہر ایک نے قدم ہمت و جرأت کو آگے بڑھایا مگر مثل گردش پرکار جہاں سے چلے تھے وہیں پھر آپ کو پایا۔ الا فارس مضمار فصاحت یکہ تاز جولانگاہِ بلاغت اکمل الکاملین زبدۃ الشاعرین سلطان الذاکرین افسر الناظمین دانائے رموز خفی و جلی جناب میر ببر علی صاحب مغفور المتخلص بہ انیس اسکنہ اللہ بحبوحۃ الفردوس نے اس بادۂ وحشت خیز اور بیدائے ہلاکت انگیز کو بہ کمال آسانی طے کیا اور بے سواران تنگ و نام ہوس کے کمیت عزم کو پے کیا الحق کہ اس فردوسی ہند کا کلام بلاغت نظام عجب پُر تاثیر ہے کہ سامعین کے دلوں پر ایک کیفیت وجد پیدا کرتا ہے۔ اسی سبب سے ہر صغیر و کبیر اُن کے سخن کا دم بھرتا ہے از آنجا کہ ہر شخص اس امر کا متمنی تھا کہ کسی طرح سے اس ممدوح کا کلام یکجا فراہم ہو لیکن اس فراہمی کو زر کثیر اور جہد بلیغ درکار تھا پس بموجب اصرار و اشتیاق شائقان اہالی مطبع منیض مجمع بحر ہمت و عطا قلزم فتوت و اعتلا مقبول اہل شعور منشی نول کشور صاحب سی۔ آئی۔ ای آنجہانی نے اس اہتمام کا انصرام اپنی ذمت والا ہمت پر لیا اور بہ ہزاران ہزار کوشش اور صرف زر کثیر سے ایسے مرثیوں کا ذخیرہ جمع کیا کہ کسی کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا اور فی الواقع اگر کلام بلاغت نظام اس ممدوح کا زیر طبع نہ آتا تو باقیات الصالحات

ایسے باکمال کا نہ ہوتا اب شائقین کو بشارت ہو کہ جس کلام کا جمع ہونا شمار عدد رمال اور وزن جبال
اور سیل بحار کے برابر تھا وہ دُرِ شہوار اب کوڑیوں کے مول ہو گیا اور اس افراط کے ساتھ کہ چار جلدیں
اس کلام بلاغت انضمام کی معرض طبع میں آکر مطبوع خلائق ہوئیں اور واسطے صحت اِن مرثیوں کے جامع
علوم عقلی و نقلی جناب مولوی سید تصدق حسین صاحب رضوی کو مالک موصوف نے مخصوص کیا اور
انھوں نے بھی حتی الوسع اُن کی صحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اگرچہ سہو و خطا ہر شخص کے
آب و گل میں سرشتہ ہے اور جس سے خطا نہ ہو وہ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ لیکن کیا عجب ہے کہ کوئی مصرع
بے تُک بے معنی اور ناموزوں رہ گیا ہو۔ بایں ہمہ صاحبانِ فہم اور وایانِ کرم سے خواستگاری ہے
کہ اگر بسبب اختلاف منقول کہیں سہو و خطا ہو گئی ہو تو دامنِ عفو و اصلاح سے مستور فرما دیں۔ لان افضل
عمل کی ام الناس مقبول و ماسول۔ چونکہ اس کلام کا ایک زمانہ مشتاق تھا بفور طبع تمام جلدیں دست
بدست ہدیۂ شائقین ہو گئیں اور پھر اسی طرح اشتیاق خریداران باقی رہا چنانچہ یہ جلد ثالث
مرثیہ میر انیس کی حسب خواہش شائقین باتمکین کے بمطبع منشی تیجکمار پرائیویٹ لمیٹڈ واقع لکھنؤ میں حسب الحکم معلّے القاب

جناب منشی تیج کمار صاحب منیجنگ ڈائرکٹر

باہتمام ایم ڈی مصرا سپرنٹنڈنٹ بماہ جون سنہ ۱۹۷۶ء بار ہفتم طبع ہوئی۔

تاریخ مراثی میر انیس جلد سوم از خط آنجہانی منشی بالک رام صاحب گوہر جانشین حضرت شگفتہ لکھنوی

منظوم صیغۂ طبع زاد

میر انیس شاعر یکتائے روزگار — ہمتائے او بہ مرثیہ گوئی دگر کجاست
از طرز خوش نمود ادا حق رزم را — فردوسی زماں چہ بگویم روا سزاست
بر منبرے نشستہ چو خواند او رباعیئے — فریاد و نالہ ز اہل عزا یک بیک بخاست
جلد سوم ز مرثیہ اش طبع شد کنوں — تاریخ سال طبع نویسم دلم بخواست
کلکم گہر ز سوز چنیں گشت نوحہ خواں — ایں صدق واقعات شہیدانِ کربلا

ضروری اعلان

خدا کے فضل سے ہمارے کتب خانہ تجارتی میں جملہ علوم و فنون کی کتابیں بزبان عربی، فارسی، اردو، ہندی و سنسکرت کافی تعداد میں ہمیشہ موجود رہتی ہیں جن کی مفصل فہرست صرف اطلاع پانے پر روانہ کی جاتی ہے کتابوں کی تصحیح کا اسقدر خیال کیا جاتا ہے کہ جو کتاب اسٹاک میں ختم ہو جاتی ہے اور دوبارہ چھاپنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو وہ کتاب پہلے صحیح کرالی جاتی ہے اور اس کی اصل اگر کسی دوسرے کتب خانہ میں دستیاب ہو جاتی ہے تو اُس اصل سے مقابلہ کرالیا جاتا ہے اور باعتبار کاغذ و چھپائی و سائز پہلی اصل سے بدرجہا اچھی حالت میں پیش کی جاتی ہے باوجود گرانی کاغذ و اسباب طباعت قیمت نہایت مناسب رکھی جاتی ہے اس لیے استدعا ہے کہ اگر آپ ہمارے قدیم خریدار ہیں تو آپ سے کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔ اور اگر آپ کو اب تک ہمارے کتب خانہ سے کسی کتاب کے طلب کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تو براہ مہربانی کوئی فرمائش بھیج کر ہمارے کارخانہ کی صفائی معاملہ، کتب کی عمدگی اور قیمت کی مناسبت کا اندازہ ضرور فرمائیں۔

الملتمس

منیجر تیجکمار بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ پوسٹ بکس نمبر ۔

ا۔ ترلوک ناتھ روڈ، لکھنؤ۔ ۰۰۱ ۲۲۶

فون نمبر: (۰۵۲۲) ۲۶۲۳۳۱۵